اِرشادات

قطب الارشاد حضرت مولانا شاہ عبد القادر رائپوری قدس سرہ

۱۲۹۲ھ — ۱۳۸۲ھ / ۱۹۶۲ء

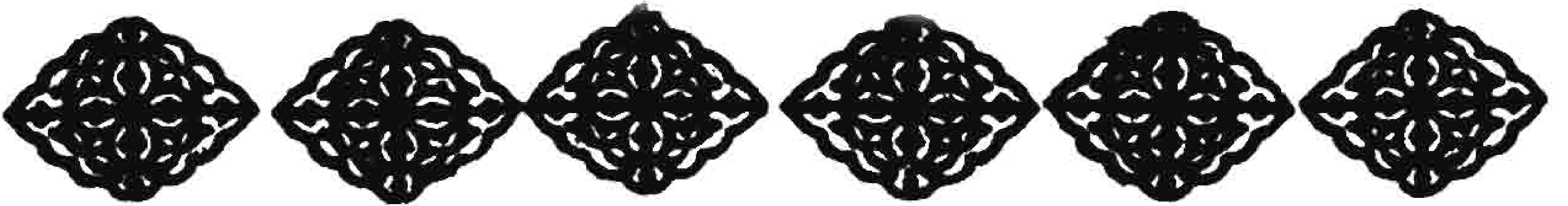
جمع کردہ

مولانا حبیب الرحمٰن رائپوری رحمہ اللہ تعالیٰ

ترتیب و تلخیص

مولانا محمد عبد اللہ

مہتمم دار الھدیٰ، بھکر



ناشر

سید احمد شہید اکیڈمی

۳/۱۷۷ کریم پارک ○ لاہور

نام کتاب ——— ارشادات

جمع کردہ ——— مولانا حبیب الرحمٰن رائپوری رح

مرتب ——— مولانا محمد عبداللہ

ناشر ——— اولمپیا آرٹ پریس

طبع اول ——— ۱۹۹۷ء

طبع دوم ——— ۲۰۰۶ء

تعداد ——— ۱۱۰۰

قیمت ———

ملنے کے پتے

۱۔ مکتبہ مناقب۔ محلہ عمر فاروق۔ بھکر

۲۔ قاری عبدالرحمٰن ضیا۔ مدرسہ حسنیہ تعلیم القرآن عقب نیازی ہسپتال سرگودھا

۳۔ مولانا محمد یعقوب احسن مدنی مسجد بھلوال ضلع سرگودھا۔

فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

پیش لفظ

حضرت اقدس مرشدنا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کے آباؤ اجداد علاقہ پوٹھوہار کے معروف گاؤں تھوہا محرم خان کے رہنے والے تھے، جو تحصیل تلہ گنگ (ضلع[1] چکوال) میں ہے، آپ کے والد صاحب کا اسم گرامی حافظ احمد تھا، قوم کے اعوان تھے، انہیں ان کی لاولد خالہ نے اپنے ہاں ڈھڈیاں (ضلع سرگودھا) بلا لیا تھا، بیٹے کی طرح رکھا اور اپنی جائیداد کا وارث بنا دیا، حضرت حافظ صاحب نے اپنے تینوں بڑے بھائیوں (مولانا محمد حسن، مولانا کلیم اللہ اور مولانا محمد لیسین) کو بھی جائیداد میں شریک کر لیا اور یہ تینوں بھائی بھی ڈھڈیاں آگئے، اللہ تعالیٰ نے حضرت حافظ صاحب کو قرآن مجید سے خاص لگاؤ اور مناسبت اور اس کے حفظ میں مثالی پختگی عطا فرمائی تھی، ساری عمر قرآن مجید پڑھانے میں گزاری، مقامی طلباء کے علاوہ ستر اسی مسافر

---

[1] تلہ گنگ پہلے ضلع اٹک کی تحصیل تھی ۱۹۸۵ء میں جب چکوال کو ضلع کا درجہ ملا تو تحصیل تلہ گنگ کو ضلع چکوال میں شامل کر دیا گیا۔

طالب علم بھی آپ کے پاس قرآن مجید پڑھا کرتے تھے، حضرت حافظ صاحب کی پہلی اہلیہ سے ایک بچی ہوئی تھی اور اہلیہ کا انتقال ہو گیا تھا، اس کے بعد تقریباً ساٹھ سال کی عمر تک شادی نہیں کی آپ کے بڑے بھائی مولانا کلیم اللہ صاحب نے آپ کی پشت میں نورِ ولایت محسوس کیا اور کوشش کر کے للہانی (تحصیل پھلوال) کے ایک معزز گھرانے میں آپ کی شادی کرا دی، جس سے اللہ تعالیٰ نے تین صاحبزادے اور ایک صاحبزادی عطا فرمائی، سب میں بڑے حضرت اقدس مولانا شاہ عبد القادر صاحب تھے، آپ کو بہت چھوٹی عمر میں مولانا کلیم اللہ صاحب اپنے پاس کھیوڑہ لے گئے جب آپ پڑھنے کے قابل ہوئے تو خود ہی آپ کو قرآن مجید حفظ کرانا شروع کر دیا، ہمیشہ آپ پر اپنی اولاد سے زیادہ شفقت فرماتے تھے، مولانا کلیم اللہ صاحب عابد، زاہد اور باکمال بزرگ تھے، حضرت مولانا عبد الغفور اخوند سواتی رحمۃ اللہ علیہ (المعروف بابا سیدو صاحب) سے خلافت و اجازت تھی، ڈھڈیاں کے بالمقابل دریائے جہلم کے مغرب میں کھیوڑہ (ضلع جہلم) کی ایک مسجد میں رہا کرتے تھے، حضرت اقدس شاہ عبد القادر صاحب نے اپنے تایا صاحب سے قرآن مجید حفظ کرنے کے بعد بھرت شریف اور ڈھڈیاں میں حضرت مولانا محمد خلیل صاحب اور ان کے فرزند مولانا محمد رفیق صاحب سے ابتدائی کتابیں پڑھیں، پھر ہندوستان تشریف لے گئے رام پور، دہلی، سہارنپور، بریلی اور گلاؤٹھی وغیرہ مقامات پر علوم متداولہ کی تکمیل کی، بریلی میں حکیم مختار احمد مرحوم سے طب بھی پڑھی، کچھ عرصہ بریلی میں مولانا احمد رضا خان کے مدرسہ میں تدریس بھی کی، مولانا احمد رضا خان کے لڑکے بھی آپ کے پاس پڑھتے رہے، ان دنوں مولانا احمد رضا خان کی سرگرمیاں علمائے دیوبند کے خلاف زوروں پر تھیں، آپ کو ان کے اس رویہ سے اذیت اور تکلیف ہوتی، وہاں سے جی اچاٹ ہو گیا اور تدریس ترک کر کے افضل گڑھ ضلع بجنور میں مطب کر لیا، شروع سے اللہ تعالیٰ کی معرفت کی طلب اور شوق دل میں جاگزیں تھا، عشقِ الٰہی کی چنگاری اندر ہی اندر سلگ رہی تھی، حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "تحفۃ العشاق" پڑھی تو دل بے چین ہو گیا، قبرستان میں تشریف لے جاتے اور

خوب رویا کرتے، مشکل سے چھ مہینے افضل گڑھ میں گزارے اور دل کی بے قراری اور خدا طلبی کی تڑپ نے خانقاہ رائے پور میں پہنچا دیا، خانقاہ کے مسند نشین عارف باللہ حضرت شاہ عبد الرحیم رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بیعت کی درخواست کی، اور گھر جانے کا ارادہ بھی بیان فرمایا، حضرت شاہ عبد الرحیم صاحب نے اللہ تعالیٰ کے ایک نام مبارک کا ورد بتا دیا اور فرمایا کہ گھر ہو آؤ پھر بیعت کریں گے، حضرت اقدس گھر سے واپس آئے تو حضرت شاہ عبد الرحیم صاحب نے ذکر کی کیفیت دریافت فرمائی اور بیعت بھی کر لیا، گھر کے افراد پوچھے تو آپ نے فرمایا کہ والدہ، بیوی، دو بھائی اور دو بہنیں ہیں، حضرت شاہ عبد الرحیم صاحب نے فرمایا کہ "یہ تو بڑا کنبہ ہے ہمارا تو جی چاہتا تھا کہ ہم آپ اکٹھے رہتے"، آپ نے عرض کیا کہ "حضرت: سب کے ہوتے ہوئے بھی میرا کوئی نہیں، میں تو یہ نیت سے کر آیا ہوں کہ ساتھ ہی رہوں گا"، آپ نے خانقاہ میں مستقل قیام کا فیصلہ کر لیا، خانقاہ سے ملحق حافظ یوسف علی خان مرحوم کا چھپر تھا جس کی چھت ٹین کی تھی، آپ نے حافظ صاحب سے اجازت لے کر اسی چھپر میں ایک طرف بستر کے لیے جگہ صاف کی، کوڑے کے ڈھیر پر ایک بڑا پرانا کمبل مل گیا تھا اس کو دھو کر بچھا لیا، چودہ سال تک یہی بچھونا رہا، ایک دفعہ ایسا ہوا کہ سردی کا موسم تھا، آپ کے پاس رضائی یا کوئی گرم کپڑا نہیں تھا، مغرب سے عشاء تک پانی گرم کرنے کی جگہ بیٹھے وظیفہ پڑھتے رہتے، عشاء کے بعد مسجد کے دروازے بند کر کے مسجد کی چٹائی میں اپنے آپ کو لپیٹ لیتے، سر اور پاؤں کی طرف سے سردی تنگ کرتی تو اٹھ کر ذکر میں مشغول ہو جاتے، ذکر کی گرمی سے رات گزار لیتے، سردی کا وہ سارا موسم اسی طرح گزرا لیکن آپ نے اس حال کو کسی پر ظاہر نہیں ہونے دیا۔

خانقاہ میں خورد و نوش کے اسباب کی بھی فراوانی نہیں تھی، قوت لایموت پر ہی گزر اوقات تھی، دس سال تو ایسے گزرے کہ خانقاہ کے تمام مقیم طالبین کو رات دن میں صرف ایک وقت مکئی کی ایک ایک روٹی ملتی تھی، وہ بھی صحیح پکی ہوئی نہ ہوتی تھی، سالن وغیرہ کا کوئی انتظام نہیں تھا، گاؤں سے کبھی لسی آجاتی تو وہ دن اس لحاظ سے خوشی کا دن ہوتا تھا، ایسے صبر آزما حالات میں بھی

آپ کے عزم واستقامت میں فرق نہ آیا۔ اپنے شیخ سے والہانہ محبت وعقیدت تھی، حضرت کے ارشاد اور ہدایت کے مطابق اوراد و وظائف بھی پورے کرتے اور سفر و حضر میں حضرت کی خدمت کے لیے ہر وقت مستعد رہتے تھے، حضرت کو آپ پر خصوصی شفقت، توجہ اور کامل اعتماد تھا، امتحان اور آزمائش کی کٹھالیوں سے نکالا، اللہ تعالیٰ نے آپ کو فائز المرام فرمایا، طریقت کی گھاٹیاں عبور ہوگئیں اور خلافت واجازت سے سرفراز ہوئے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ مقام عطا فرمایا کہ آپ کے شیخ اور مربی حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب نے اپنے بعد خانقاہ کی آبادی اور سلسلہ مبارک کی ترویج کے لیے آپ کے متعلق اپنی منشا ظاہر فرمائی اپنے متوسلین خصوصی شاہ زاہد حسن صاحب رئیس بہٹ اور چودھری محمد صدیق مرحوم کو فرمایا کہ میرے بعد مولوی عبدالقادر صاحب کا خیال رکھنا، چودھری صاحب کو آپ کے لیے مکان تعمیر کرانے کا بھی حکم فرمایا تھا، حضرت شاہ عبدالقادر صاحب کو فرمایا تھا کہ "شاہ زاہد حسن صاحب نے میری بہت خدمت کی ہے ان کا ہمیشہ خیال رکھنا" ان تینوں حضرات نے حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب کے فرمان کو خوب نبھایا، ساری عمر اس ارشاد کو سامنے رکھا اور اس کی تعمیل میں کبھی فرق نہیں آنے دیا۔

۲۶ ربیع الثانی ۱۳۳۸ھ ۲۹ جنوری ۱۹۲۰ء کو حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے دنیا سے سفر فرمایا، آپ نے اپنی رہائش کی کوٹھی مدرسہ کے نام وقف فرما دی تھی اور خود مدرسہ کو کرایہ ادا فرماتے تھے، یہ کوٹھی آپ کے لیے حاجی سوندھے خان صاحب خانپوری مرحوم نے آپ کے کسی طویل سفر کے دوران آپ کی اجازت اور اطلاع کے بغیر خانقاہ میں تعمیر کرائی تھی، آپ کے وصال کے بعد آپ کے بھانجے مولانا اشفاق احمد صاحب اس کوٹھی میں رہتے تھے وہی مدرسہ کے متولی تھے، چونکہ حضرت اقدس شاہ عبدالقادر صاحب کے جانشین ہونے کا کوئی رسمی اعلان نہیں ہوا تھا، اس لیے بعض لوگ مولانا اشفاق احمد صاحب کو حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب کی قرابت کی وجہ سے جانشین سمجھتے تھے، حضرت اقدس

شاہ عبدالقادر صاحب یہ خیال فرماتے تھے کہ از حالات میں رائے پور رہنے سے اختلاف کی کوئی شکل سامنے نہ آجائے اس لیے کچھ عرصہ باہر رہے، کبھی شاہ زاہد حسن صاحب کے ہاں بہٹ میں رہتے کبھی گھیڑی یا مرزا پور کے مخلصین کے ہاں قیام فرماتے اور کبھی ڈھڈیاں تشریف لے جاتے تھے، رائے پور تشریف لاتے تو بہت مختصر قیام فرماتے، اصلاح و تربیت کے خواہشمند اور ذکر الٰہی کا شوق اور تڑپ رکھنے والے لوگوں کا بڑی تیزی سے آپ کی طرف رجوع ہونے لگا اور بہت جلدی آپ کی شخصیت کو مرکزیت حاصل ہوگئی، سال سوا سال بعد ہی اختلاف کے امکانات معدوم ہوگئے اور آپ نے اہل رائے پور اور دوسرے اہل تعلق حضرات کی آرزو پوری فرمائی اور رائے پور میں مستقل قیام فرمالیا، چودھری محمد صدیق مرحوم نے آپ کے لیے مکان بنانا چاہا تو آپ نے منع فرما دیا، انہوں نے اصرار کیا تو فرمایا کہ بس میرے لیے ایک چھپر بنا دیجئے چودھری محمد صدیق صاحب نے بھی حاجی سوندے خاں مرحوم والا طریقہ اختیار کیا، موقع کی انتظار میں رہے، حضرت اقدس کہیں سفر میں تشریف لے گئے تو انہوں نے دالان اور چند کمرے تعمیر کرا دیئے، پھر ضرورت کے مطابق چھپر اور سائبان بنتے چلے گئے ہر طبقہ کے لوگ آنے لگے اور ہجوم بڑھتا چلا گیا، کوئی وقت اللہ کے ذکر سے خالی نہ ہوتا تھا، ذکر جہر سے فضا گونجتی رہتی تھی، حضرت شاہ عبدالرحیم کا جب وصال ہوا حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ

---

[1] شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے انگریزوں کو ہندوستان سے نکالنے اور ملک کو مکمل طور پر آزاد کرانے کا نظریہ سب سے پہلے پیش کیا تھا، اس مقصد کے لیے آپ نے وسیع بنیادوں پر تحریک منظم کی، دیوبند، دہلی، دین پور شریف، امروٹ شریف اور کراچی وغیرہ کئی مقامات پر جہاد کی تربیت اور اسلحہ وغیرہ سامان جنگ کے مراکز قائم کیے، باقاعدہ جہاد کی بیعت لی جاتی تھی، مولانا سیف الرحمٰن صاحب اور حاجی صاحب ترنگ زئی اور دوسرے رفقاء کے ذریعہ آزاد قبائل میں بہت بڑا لشکر تیار کیا، حضرت نے (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

جزیرہ مالٹا میں قید تھے، حضرت شاہ عبد الرحیم صاحب کے وصال کی خبر پہنچی تو حضرت شیخ الہند کو بہت صدمہ ہوا، برجستہ ایک دردناک اور طویل مرثیہ لکھا مالٹا سے رہا ہو کر آئے تو رائے پور بھی تشریف لے گئے اور وہاں ایک مجلس میں یہ مرثیہ بھی خود ہی پڑھ کر سنایا تھا۔

(پچھلے صفحہ کا حاشیہ) ان حضرات کو انگریزوں کے خلاف جنگ کرنے کا حکم دیا، اس لشکر نے انگریزی فوج سے لڑائی شروع کی اور انگریزوں کی کئی پلٹنیں تباہ کر دیں، مجاہدین کے پاس سامان جنگ ناکافی تھا حضرت نے مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ کو کابل بھیجا اور ترکی حکومت سے تعاون حاصل کرنے کے لیے خود سفر کی تیاری فرمائی، حضرت شاہ عبد الرحیم صاحب رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ آپ کی تحریک کے رکن تھے اور تحریک کے تمام امور میں رازدار اور مشیر تھے، حضرت شیخ الہند نے حضرت شاہ عبد الرحیم کو تحریک کی قیادت سپرد کی اور ۱۶ ستمبر ۱۹۱۵ء کو حجاز مقدس کو روانہ ہوئے، حجاز میں بھی ترکوں کی حکومت تھی، حضرت نے مکہ معظمہ کے گورنر غالب پاشا اور مدینہ منورہ کے گورنر بصری پاشا سے ملاقاتیں کیں، حضرت چاہتے تھے کہ ترکی جا کر وہاں سے کابل کے راستے محاذ جنگ پر پہنچیں اور جنگ کی خود کمان کریں لیکن شریف مکہ کی بغاوت اور جنگ عظیم کی وجہ سے حجاز مقدس سے آگے نہ جا سکے، مدینہ منورہ میں ترکی کے وزیر جنگ انور پاشا آئے تو ان سے ملاقات کی، دسمبر ۱۹۱۶ء میں انگریزوں نے شریف مکہ کے ذریعہ آپ کو رفقاء سمیت گرفتار کر لیا، ایک مہینہ جدہ میں کچھ عرصہ قاہرہ جیل میں رکھا اور پھر جزیرہ مالٹا میں نظر بند کر دیا، آپ کے ساتھ آپ کے شاگرد شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی، مولانا عزیر گل، مولانا سید وحید احمد اور حکیم نصرت حسین بھی تھے، حکیم صاحب کا وہیں مالٹا میں انتقال ہو گیا، باقی حضرات کو حضرت کے ساتھ بمبئی بندرگاہ لیجا کر ۸ رجون ۱۹۲۰ء کو رہا کر دیا گیا، ۳۰ نومبر ۱۹۲۰ء کو آپ نے دنیا سے سفر فرمایا، ملک کے اندر اس تحریک کا سارا کام خفیہ طریقے سے ہوتا تھا، محاذ جنگ تربیتی مراکز اور قیادت کے درمیان خط و کتابت ریشمی رومالوں کے ذریعہ ہوتی تھی، اس لیے تاریخ میں اس تحریک کو تحریک ریشمی رومال یا تحریک شیخ الہند کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، یہ تحریک آزادی کی بنیاد ثابت ہوئی، حضرت شیخ الہند کی (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

۱۹۸۰ء میں دار العلوم دیوبند کے صد سالہ جلسے کے موقع پر احقر ناکارہ کو بھی دیوبند اور رائے پور حاضری کی سعادت نصیب ہوئی، حضرت اقدس شاہ عبد القادر صاحبؒ کے خادم حاجی ظفر الدین صاحب مرحوم خانقاہ میں مقیم تھے، انہوں نے کرم فرمایا حضرت اقدس کا حجرہ کھول دیا ہمیں اُس میں کچھ دیر بیٹھنا نصیب ہوا، حاجی صاحب مرحوم حجرے کی شمالی دیوار کی کھڑکی کے سامنے کھڑے ہوئے اور کھڑکی کی دونوں طرف ہاتھ رکھ کر ہمیں بتایا کہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ مالٹا سے رہائی کے بعد تشریف لائے تو یہاں اس طرح کھڑے باہر کو دیکھ رہے تھے، حضرت اقدس شاہ عبد القادر صاحبؒ نے عرض کیا کہ "حضرت میرے لیے دعا فرمائیں، حضرت شیخ الہند نے فرمایا ابھی کچھ کمی ہے کہ دعا کر دوں"

حضرت اقدس شاہ عبد القادر صاحبؒ نے حضرت شیخ الہند سے خلوت میں عرض کیا کہ حضرت (شاہ عبد الرحیم صاحب) رحمۃ اللہ علیہ نے ہمیں آپ کے متعلق حکم دیا تھا کہ آپ مالٹا سے تشریف لائیں تو ہم آپ کا ہر طرح ساتھ دیں لہٰذا ہم غلام حاضر ہیں جو حکم ہو ارشاد فرمائیں، حضرت شیخ الہند نے فرمایا کہ میں ابھی آیا ہوں، حالات کا جائزہ لے رہا ہوں جب کام شروع کروں گا تو سب سے پہلے آپ کو ساتھ لوں گا، یہاں ریاست کے میدان میں جو کام ہو رہا ہے ہمارا کام اس سے بہت آگے ہے، حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی نے وفا نہ کی مالٹا سے تشریف لانے کے بعد جلدی دنیا سے سفر فرما گئے، حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ آپ کے جانشین ہوئے، آپ کی تحریک کی کمان سنبھالی جس طرح حضرت شاہ عبد الرحیم صاحب اور حضرت شیخ الہند صاحب کے درمیان گہرا تعلق اور اعتماد تھا بعد میں یہی تعلق اور اعتماد حضرت شاہ عبد القادر صاحب اور حضرت مدنی کے مابین تھا، حضرت اقدس اپنی مجلس میں حضرت

(بقیہ حاشیہ) وفات کے تقریباً تیس سال بعد انگریزوں کو مجبور ہو کر ہندوستان چھوڑ دینے کا فیصلہ کرنا پڑا اور ۱۹۴۷ء میں انگریز چلے گئے اور ملک آزاد ہو گیا۔

مدنیؒ کا بار بار تذکرہ فرماتے، ان کی عظمت، اخلاص اور دینی و ملی خدمات کی تحسین اور انکے نصب العین
کی بھرپور تائید فرمایا کرتے تھے، حضرت مدنیؒ کی ملاقات کے لیے دیوبند تشریف لے جایا کرتے
تھے، حضرت مدنی بھی حضرت اقدس کی ملاقات کے لیے رائے پور تشریف لایا کرتے تھے، اکثر
ایسا ہوتا تھا کہ حضرت مدنی کا کوئی دن سفر وغیرہ سے فارغ ہو جاتا تو سہارنپور تشریف لے جاتے
اور شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کو ساتھ لے کر رائے پور پہنچ جاتے تھے، حضرت مدنی رحمۃ اللہ
علیہ اپنی حیات مبارک کے آخری دنوں میں بیماری کی حالت میں رائے پور تشریف لے گئے تھے
یہ ان کا زندگی میں آخری سفر تھا۔

مولانا مقبول احمد (ساہیوال) لکھتے ہیں کہ احقر ۱۳۶۶ھ-۱۹۴۶ء میں دارالعلوم دیوبند میں پڑھتا تھا
مارچ ۱۹۴۷ء کے اوائل میں اچانک حضرت رائے پوری کا والا نامہ جو مولانا حبیب الرحمن صاحب
(رائے پوری) کے قلم سے تھا موصول ہوا جس میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے احقر سے حضرت
مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا پروگرام معلوم کیا تھا کہ آیا حضرت مدنی اس جمعہ کو دیوبند مقیم ہوں گے یا باہر
کا ارادہ ہے، حضرت رائے پوریؒ نے یہ بھی تحریر فرمایا کہ اپنے طور پر تحقیق کر کے جواب لکھیں
احقر عصر کے بعد حسب معمول حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی قیام گاہ پر حاضر ہوا، قبیل مغرب
جب مجلس برخاست ہوئی تو احقر نے حضرت سے دریافت کیا کہ حضرت اس جمعہ کو قیام ہوگا
یا سفر کا نظام ہے؟ حضرت نے فرمایا کیوں پوچھتے ہو؟ میں نے عرض کیا، حضرت ویسے ہی
پوچھ رہا ہوں، ہنس کر فرمانے لگے کہ "سی آئی ڈی تو نہیں ہو؟" میں بہت گھبرایا، میں نے حضرت
رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کا مکتوب گرامی پیش کر دیا حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے پڑھا اور
بوسہ دے کر پیشانی پر لگایا اور فرمایا کہ اس کا جواب میں خود تحریر کر دوں گا —— اب
مجھے تشویش ہوئی کہ حضرت رائے پوری خیال فرمائیں گے کہ مقبول رازداری سے کام نہ لے
سکا اور اس خدشہ کو حضرت مدنی کے سامنے پیش بھی کر دیا، حضرت نے ازراہ شفقت فرمایا کہ اچھا
تحریر کر دو کہ اس جمعہ کو انشاء اللہ قیام ہی ہوگا اور مجھ سے فرمانے لگے کہ جانا بھی ہوگا تو نہیں

جاؤں گا، جواب تحریر کر دیا گیا اور حضرت جمعہ کی صبح کو دیوبند تشریف فرما ہوئے اور اسی دن شام کی گاڑی پر سہارنپور واپسی ہوگئی [1]

اللہ تعالیٰ نے حضرت اقدس شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے ہمعصر مشائخ میں جو مقام عطا فرمایا تھا اس کا اندازہ ذیل کے واقعات سے بھی ہو سکتا ہے۔

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح "حکیم الامت" میں مولانا عبدالماجد دریا بادی مرحوم نے حضرت اقدس کے تھانہ بھون تشریف لے جانے کا تذکرہ کیا ہے اور اس بات کا بطور خاص ذکر کیا ہے کہ حضرت شاہ عبدالقادر صاحب کو پہنچانے کے لیے حضرت حکیم الامت خود اسٹیشن تک گئے اور اُن کے پیچھے ان کا ذکرِ خیر بار بار کرتے رہے مولانا عبدالماجد صاحب نے "حکیم الامت" میں اپنی تھانہ بھون کی ایک حاضری کے حالات میں لکھا ہے کہ:

"ایک خاص بات اب کی یہ رہی کہ ایک مجلس میں مشائخ قابلِ بیعت کا ذکر آ گیا۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت کے خیال میں اس وقت کون کون صاحب اس کے اہل ہیں۔ فرمایا کہ کسی وقت پرچہ پر لکھ کر دے دوں گا۔ چنانچہ اسی دن ایک چھوٹے سے پُرزے پر یہ نو نام اسی ترتیب سے لکھے ہوئے مرحمت ہوئے۔" [2]

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی ؒ نے ان نو جلیل القدر مشائخ میں سرِ فہرست حضرت اقدس شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کا نام مبارک تحریر فرمایا۔

مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ بھی حضرت کے ساتھ غیر معمولی تعلق اور ارتباط رکھتے تھے اور بڑے بلند کلمات ارشاد فرماتے تھے، ایک بار فرمایا کہ جب میوات کا سفر پیش آتا ہے اور اس

---

[1] سوانح از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ ص ۳۰۶

[2] حکیم الامت ص ۲۴۹

میں سخت اختلاط و مشغولیت رہتی ہے تو میں اس کے بعد یا تو اعتکاف کرتا ہوں یا رائے پور چلا جاتا ہوں، رائے پور بڑے اہتمام کے ساتھ حاضر ہوتے، عرصہ تک معمول رہا ہے کہ کچھ دور سے پیادہ پا تشریف لاتے، اپنے اہلِ تعلق و خدام کو کچھ دن یکسوئی کے ساتھ ذکر کرنے کے لیے اور حضرت کی صحبت سے مستفیض ہونے کے لیے بڑے اہتمام سے بھیجتے تھے، تبلیغی جماعتوں کو بھی اہتمام کے ساتھ روانہ کرتے اور بالعموم انہیں لوگوں کو امیر بناتے جو ذکر سے مانوس اور بزرگوں کی خدمت میں رہنے کے آداب سے واقف ہوتے[1]

بہٹ کا واقعہ ہے (مغرب کی) نماز سے فارغ ہونے کے بعد مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نوافلِ اوابین میں مشغول ہو گئے، مولانا کا معمول طویل قرأت کا تھا اور دیر میں فارغ ہوتے تھے، حضرت رائے پوری حسبِ معمول مغرب کی سنتوں سے فارغ ہو کر چارپائی پر تشریف لے آئے، مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے پہلی دو یا دوسری دو رکعتوں کے بعد خلافِ معمول جلد سلام پھیر لیا اور بڑے بڑے قدم اُٹھاتے ہوئے تیزی کے ساتھ حضرت کی طرف آئے اور فرمایا کہ حضرت میری نفلوں سے تو آپ کے پاس بیٹھنا زیادہ افضل ہے[2]

حضرت اقدس شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ جن دنوں لاہور میں تشریف فرما ہوتے حضرت شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ زیارت کے لیے تشریف لایا کرتے تھے، جب حضرت لاہوری کے پہنچنے کی حضرت اقدس کو اطلاع ہوتی یا خود دُور سے دیکھ لیتے تو اگر خدام سے کوئی بات ہو رہی ہوتی تو حضرت اقدس فرماتے کہ خاموش ہو جاؤ حضرت تشریف لے آئے ہیں، حضرت لاہوری بہت ادب سے حاضر ہوتے مصافحہ کر کے خاموشی سے مراقب ہو کر بیٹھ جاتے، اگر حضرت اقدس کوئی بات دریافت فرماتے تو بڑے ادب کے ساتھ آہستگی سے جواب دیتے، حضرت اقدس سے اجازت لے کر واپس جاتے تو سیدھا پیچھے کو چلتے باہر جا کر دروازہ سے ایک

---

[1] سوانح از مولانا سید ابوالحسن ندوی ص ۳۰۸ ، [2] سوانح ص ۳۱

طرف ہو کر پیٹھ پھیرتے تھے، کبھی ایسا نہیں ہوا کہ حضرت اقدس کی طرف پیٹھ کرکے چلے ہوں،

"جب حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ مودودی صاحب کے غلط عقائد و نظریات کے خلاف مضامین لکھ کر اخبار میں چھپوا رہے تھے، ایک مجلس میں کسی نے سوال کیا کہ آپ ایسا کیوں کر رہے ہیں تو حضرت لاہوری نے ارشاد فرمایا کہ میرے پاس دو سندیں ہیں ایک حضرت مدنی اور ایک حضرت رائے پوری، یہ دونوں بزرگ فرماتے ہیں کہ احمد علی! تو حق پر ہے اس لیے میں مطمئن ہوں کہ میں حق پر ہوں۔"[1]

قاری محمد اسحاق صاحب بیان کرتے ہیں :

"ایک مرتبہ حضرت رائے پوریؒ کا خط میرے نام آیا، اس میں حضرت مولانا احمد علی صاحبؒ کے نام سلام بھی تھا، میں مولانا کی خدمت میں حاضر ہوا تو حسب معمول ملاقات کرنے والوں کا بڑا مجمع تھا مجھے دیکھا تو فرمایا کہ آپ ٹھہریے جائیے گا نہیں، میں انتظار کرتا رہا، جب فراغت ہوئی تو مجھے اس چھوٹی مسجد میں لے گئے جو بڑی مسجد سے جانب جنوب ہے اور ابتدا میں وہی مسجد تھی، اندر لے جا کر دروازے بند کر لیے، پھر مجھ سے فرمایا کہ آپ کیا کہتے ہیں ؟ میں نے عرض کیا کہ حضرت کا خط آیا ہے اس میں آپ کو سلام لکھا ہے، حضرتؒ کا نام سنتے ہی بے اختیار رونے لگے پھر فرمایا کہ خط مجھے دے دیجیے میں رکھوں گا چنانچہ میں نے خط پیش کر دیا۔"[2]

حضرت اقدس شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حلقہ ارادت میں مختلف سیاسی فکر کے لوگ شامل تھے، جمعیۃ علماء ہند، مجلس احرار اسلام، کانگرس اور مسلم لیگ کے نمایاں اور ذمہ دار لوگوں کا حضرت اقدس سے بیعت کا تعلق تھا، مجلس احرار اسلام کے بانی راہنماؤں میں سے حضرت

---

[1] روایت حضرت سید انور حسین شاہ صاحب نفیس مدظلہ

[2] سوانح ص ۳۱۶

امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاریؒ اور حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ کو زیادہ قرب اور اختصاص حاصل تھا، حضرت اقدس کی مجلس میں جید علماء اور صلحاء کا مجمع ہوا کرتا تھا، روحانی افادہ و استفادہ کے ساتھ دینی و سیاسی مسائل پر گفتگو بھی ہوا کرتی تھی، کسی مسئلے کے متعلق سوال کیا جاتا تو آپ دوسرے علماء کی طرف محول فرماتے، بعض کا جواب خود ارشاد فرماتے تھے، آپ کے یہ ارشادات مختصر اور جامع ہوا کرتے تھے، بعض اوقات ضرورت کے مطابق تفصیل بھی ہوتی تھی، یہ کتاب جو آپ کے ہاتھوں میں ہے اس میں حضرت اقدس کے ایسے ہی مجلسی ارشادات ہیں

چالیس سال سے زیادہ مدت حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ رائے پور کی مسند ارشاد پر جلوہ فرما رہے، لاکھوں بندگان خدا آپ کے فیوض و برکات سے مستفیض ہوئے، تقسیم کے وقت ہندوستان کے بہت سے علاقوں سے مسلمان ترک وطن کر کے پاکستان آگئے تھے، جن میں حضرت اقدس کے متوسلین بھی بہت بڑی تعداد میں تھے، پاکستانی متعلقین کی دلداری کے لیے آپ پاسپورٹ پر رائے پور سے پاکستان تشریف لایا کرتے تھے، کئی کئی مہینے پاکستان میں آپ کا قیام ہوا کرتا تھا۔ میانوالی بھی دو دفعہ تشریف لائے تھے، یہ احقر ناکارہ کی تعلیم کا زمانہ تھا اللہ تعالیٰ نے اسی موقع پر میانوالی میں حضرت اقدس کے مبارک ہاتھوں میں ہاتھ دینے کی سعادت نصیب فرمائی، شروع میں حضرت اقدس کا زیادہ وقت ڈھڈیاں، سرگودھا، فیصل آباد اور لاہور میں گزرا کرتا تھا، اہل تعلق کے تقاضے پر دوسرے مقامات پر بھی کچھ وقت کے لیے تشریف لے جاتے تھے، حضرت اقدس جہاں بھی ہوتے مہمانوں کا ہجوم ہو جاتا تھا، ڈھڈیاں میں مہمانداری کا انتظام مولانا عبدالرحمٰن صاحب، مولانا عبدالجلیل صاحب اور مولانا عبدالوحید صاحب کے سپرد ہوا کرتا تھا، سرگودھا میں حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کے مکان پر قیام ہوتا تھا، فیصل آباد سنت پورہ میں مولانا محمد صاحبؒ کے اور خالصہ کالج میں مولانا انیس الرحمٰن صاحب فرزند مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی کو میزبانی نصیب ہوا کرتی تھی لاہور میں تقسیم سے کچھ عرصہ بعد تک مولانا عبداللہ صاحب فاروقی کے ہاں قیام ہوا کرتا تھا، مہمانوں کی کثرت کی وجہ سے یہ

جگہ تنگ ہو گئی تو جیل روڈ پر صوفی عبدالحمید صاحب مرحوم کو یہ سعادت حاصل ہونے لگی، آخری ایام میں شملہ پہاڑی کے نزدیک حاجی متین احمد صاحب کی کوٹھی میں قیام ہوتا تھا اور اسی کوٹھی میں ۱۶، ۱۷ اگست ۱۹۶۲ء کو آپ کی روح مبارک نے قفس عنصری سے پرواز کی، ڈھڈیاں میں آخری آرام گاہ بنی، حضرت اقدس نے حیات مبارک کے آخری دنوں میں حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نواسے حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کو اپنا جانشین مقرر کر دیا تھا، جنہوں نے تیس سال تک سلسلہ مبارک کی ترویج و اشاعت کی، ہزاروں لوگوں کو اللہ کا نام بتایا، ۳ رجون ۱۹۹۲ء کو دنیا سے سفر کیا اور رائے پور میں اپنے نانا حضرت شاہ عبدالرحیم صاحبؒ کے پہلو میں آخری آرام گاہ نصیب ہوئی۔

حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کے خصوصی اہل تعلق اور خانقاہ کے مقیم حضرات میں حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب رائے پوری بھی تھے، پٹیالہ کے راجپوت تھے، خاندانی تعلق سکھ مذہب سے تھا، اللہ تعالیٰ نے مولانا کو اسلام کی دولت سے نوازا، مصائب و آلام کا نشانہ بنے، گھر بار چھوڑ کر خانپور (انبالہ) میں آ گئے، اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کا علم بھی عطا فرمایا، حضرت اقدس سے روحانی تعلق نصیب ہوا اور رائے پور کو اپنا مستقل وطن بنا لیا۔

مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے چند سال حضرت اقدس کی مجالس اور اسفار قلم بند کئے تھے، حضرت اقدس اپنی مجلس میں جو کچھ ارشاد فرماتے مجلس کے اختتام پر ایک طرف بیٹھ کر مولانا اس کو لکھ لیا کرتے تھے، مولانا قابل اعتماد حافظہ کے مالک تھے حضرت اقدس کے حالات اور ارشادات کا اچھا خاصا ذخیرہ جمع کر لیا تھا، اب سے پندرہ سولہ سال پہلے مولانا حبیب الرحمٰن صاحبؒ نے پاکستان کا آخری سفر کیا تھا اور حسب معمول کلاکوٹ بھی تشریف لائے تھے حضرت اقدس کے قریبی عزیز اور مجاز طریقت حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب مدظلہ اور احقر ناکارہ مولانا کی ملاقات کے لیے کلورکوٹ گئے، ایک مجلس میں مولانا حبیب الرحمٰن صاحب کے فرزند حکیم محب الرحمٰن مرحوم نے مولانا سے ان مسودات کے بارے میں پوچھا کہ ان کا کیا کرنا چاہیے

مولانا نے مولانا عبد الرحمٰن صاحب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا یہ مالک ہیں ان کو دیدو اس طرح یہ قیمتی ذخیرہ ہمارے ہاتھ آیا، سب سے پہلے ان مسودات کی مکمل نقل کی گئی، پھر انہیں اول سے آخر تک کئی بار پڑھا اور ارشادات منتخب کر کے الگ نقل کئے، ترتیب تاریخوار رکھی، تلخیص اور ترتیب مکمل کرنے کے بعد کتاب کا مسودہ حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ مجاز حضرت سید انور حسین شاہ صاحب نفیس مدظلہ کی خدمت میں پیش کیا، حضرت شاہ صاحب نے پورے مسودے کا مطالعہ کر کے کاتب کے حوالے کیا، کتابت مکمل ہو کر آئی، احقر نے تصحیح کی، حضرت مولانا عبد الرحمٰن صاحب مدظلہ، حضرت سید نفیس صاحب اور احقر نے لاہور میں مل بیٹھ کر کتاب کی آخری خواندگی کی، اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے مولانا محمد عبد اللہ صاحب ملکیرہ اور مولانا محمد یوسف صاحب جنڈانوالہ کو، ان دونوں عزیزوں نے مسودات کے نقل کرنے میں احقر کی مدد کی اور اپنے تمام کاموں پر ترجیح دے کر مسودات کو بروقت نقل کیا، اللہ تعالیٰ اس کتاب کو اپنے بندوں کے لیے نافع بنائے، صاحب ارشادات، جامع، مرتب اور تمام معاونین کے لیے خیرات جاریہ اور اپنی رضا و قرب کا ذریعہ بنائے، آمین

احقر ناکارہ:

محمد عبد اللہ کان اللہ لہٗ

مہتمم مدرسہ دار الہدیٰ مسجد عمر فاروق بھکر

۱۶ر ذیقعدہ ۱۴۱۵ھ / ۱۷ر اپریل ۱۹۹۵ء

۱۔ کتاب میں حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائپوری رحمۃ اللہ علیہ کے صرف وہ ارشادات ہیں جو مولانا حبیب الرحمٰن صاحب رائپوری رحؒ کے مسودات سے نقل کیے گئے ہیں۔

۲۔ ارشادات کے ضمن میں مولانا حبیب الرحمٰن نام کے دو بزرگوں کا ذکر آئے گا۔ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی اور مولانا حبیب الرحمٰن صاحب رائے پوری، اول الذکر کے ساتھ ہر جگہ لدھیانوی لکھا ہوگا۔ مولانا حبیب الرحمٰن رائے پوری کے نام کے ساتھ کہیں رائے پوری لکھا ہوگا کہیں نہیں لکھا ہوگا، لہٰذا جہاں صرف مولانا حبیب الرحمٰن لکھا ہو وہاں مولانا رائے پوری سمجھے جائیں۔ (مرتب)



۴ رمضان المبارک ۱۳۶۵ھ مطابق ۲ اگست ۱۹۴۶ء مقام رائپور

ایک صاحب نے حضرت والا سے دریافت کیا کہ صحبت کا اثر مسلمات سے شمار ہوتا ہے مگر لوط علیہ السلام کی بیوی، نوح علیہ السلام کی بیوی اور فرعون کی بیوی کا قصہ ظاہر کرتا ہے کہ اثر ہونا لازمی نہیں۔ اس پر حضرت اقدس نے جو فرمایا اس کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ صحبت میں مناسبت شرط ہے اور عناد موانع میں سے ہے یعنی اگر صحبت اٹھانے والے کو جس کی صحبت اٹھا رہا ہے اس سے مناسبت ہے اور ضد نہیں تو صحبت کا اثر ہوگا۔

نیز فرمایا کہ پیغمبر ایسے خاندان میں پیدا ہوتے ہیں جو قوم میں ایسا ہو کہ لوگوں میں اس خاندان کی عزت ہو اور لوگ اس کے اتباع کو پسند کرتے ہوں اور اس خاندان میں سب سے زیادہ خوبیاں ہوں تاکہ پیغمبر کو لوگ طبعاً پسند کرتے ہوں، پیغمبر کے قومی اخلاق پسندیدہ

خوبیوں کے ہوں اور جو باتیں نخوت و تکبر وغیرہ کی خاندان میں ہوں وہ پیغمبر میں نہیں ہوتیں تاکہ اس سے لوگوں کو خاندانی اور قومی تصادم کم سے کم ہو بلکہ نہ ہو اور پھر اسی قوم میں سے اس پیغمبر کے مخالف اور خاندان میں سے اس کو رد کرنے والے ہوا کرتے ہیں تاکہ ان میں سے جو متاثر ہوں ان کی لوگ سند پکڑیں کہ یہ مان گئے تو ہم کو کیا مار ہے۔ اتنی مخالفت شدید کے بعد جو ملنے ہیں تو پیغمبر میں واقعی خوبی ہے ورنہ یہ کیوں مانتے۔

نیز فرمایا بہت سے ایسے پہلو جو پیغمبر سے مناسبت طبعی رکھنے والے اور شبہات کو رد کرنے والے ہوں خدا تعالیٰ ظہور میں لاتا ہے جو پیغمبر کی دنیاوی زندگی کے بعد کے زمانہ میں زیادہ اثر لینے میں کارگر اور سند بن سکیں۔ پیغمبر کے ہاتھ پر معجزات کا صادر ہونا اور پہلے پیغمبروں اور ان کے متبعین کے اقوال و ارشادات کا مواد جسے پیشینگوئی سے تعبیر کر سکتے ہیں یہ شرائط بھی مناسبت پیدا کرنے میں مؤید ہوتے ہیں علاوہ ازیں جو لوگ مخالف رہیں ان کے واقعات بھی آئندہ کو مزید دلائل نبوت مہیا کرنیوالے ہوتے ہیں۔

---

۵ رمضان المبارک ۱۳۶۵ھ مطابق ۳ اگست ۱۹۴۶ء مقام رائپور

فرمایا ہماری جماعت کے بزرگوں میں اخلاق تھے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ[1] کے بڑے عالی اخلاق تھے جن کو تم میں سے بھی کسی نے دیکھا ہوگا۔ حضرت شیخ الہند[2] کا میں زمانہ طالبعلمی

---

[1] حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ۔

[2] حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ۔

سے معتقد ہوں اور اپنے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو بھی ان کا معتقد پایا تو اپنا اعتقاد اور بھی حضرت شیخ الہند پر بڑھ گیا حضرت تھانوی[۱] رحمۃ اللہ علیہ کا بھی میں معتقد ہوں اور حضرت مولانا الیاس[۲] رحمۃ اللہ علیہ کو بھی میں نے سراپا اخلاص پایا یہ سب حضرات اب نہیں رہے۔ میں اب اپنی جماعت میں حضرت مدنی[۳] مدظلہ العالی کا بہت معتقد ہوں اور ان کو سراپا اخلاص اور حق پر سمجھتا ہوں۔

ہمارے حضرات کا مسلک خود حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے جو کچھ ہم نے سُن اور دیکھ رکھا ہے اور اس سے پہلے قرآن شریف کے استاد اور پھر دیگر اساتذہ کا جو اثر پڑا اس سے جو ذہن میرا بنا ہے میں اس میں مجبور ہوں اس لیے لیگ سے مجھے کوئی مناسبت نہیں ہوئی بلکہ ہمیشہ ان لوگوں کے خلاف ہی ذہن رہا۔ جو ذہن پچاس سال میں میرا بن گیا ہے وہ لیگ کے خلاف ہے ان کی کوئی بات مجھے صحیح معلوم نہیں ہوتی خواہ ہمارے بعض حضرات کو اچھا لگے یا نہ لگے میں اب معذور ہوں۔

ہمارے حضرات کے ہاں زیادہ اخبار تو نہیں پڑھے جاتے تھے مگر یہ سلسلہ تو خود ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں تھا اور مجھے بھی یہ مرض ہے۔ اب اخبار بند ہیں ورنہ جی چاہتا رہتا ہے کہ کوئی خبر ہو تو راؤ[۴] صاحب سے پوچھوں اسی طرح یہ

---

[۱] حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ۔

[۲] حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ۔

[۳] حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ

[۴] رائے پور میں راؤ فضل الرحمن صاحب حضرت کو روزنامہ الجمعیت دہلی سے خبریں سنایا کرتے تھے۔

سیاسی گفتگو بھی ہے میں خود بھی تو اس مرض میں مبتلا ہوں ۔ ذکر کے سوا میں بھی تو اِدھر اُدھر جھانک لیتا ہوں کیا کروں ایک دیرینہ عادت ہے ۔ جو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں بھی تھی ۔

---

۶ ر رمضان المبارک ۱۳۶۵ھ م ر اگست ۱۹۴۶ء مقام رائپور

فرمایا کہ جب آئندہ کا تصور کرتا ہوں تو سخت بے چین ہو جاتا ہوں ۔ بعض اوقات میری نیند اڑ جاتی ہے ۔ کیونکہ لوگوں پر دہریت کا غلبہ ہوتا جا رہا ہے دہریت کی طرف تو ساری دنیا جا رہی ہے مگر روس مذاہب کے حق میں ہیضہ اور انگریز دق ہے ہندوستان کی آزادی سے ہو سکتا ہے کہ ملک فارغ البال ہو جائے مگر مذہبی ترقی یا مذہبی بچاؤ کی کوئی تحریک اس وقت موجود نہیں اور برائے نام اگر موجود ہے تو وہ ایسے حالات اور حیثیت میں نہیں کہ کارگر اور کامیاب ہوتی نظر آتی ہو ۔ سیاست پر مذہبی لوگوں کے قبضہ کیئے بغیر کوئی صورت مذہب کے بچاؤ کی نہیں ہو سکتی ۔ مذہب اگر ہے تو علماء سے ہے اور مسلم لیگ اگر کامیاب ہو جائے وہ بھی باوجود مسلمانوں کی جماعت کہلانے کے مذہب کو اوروں کی نسبت زیادہ کامیابی سے مٹا دے گی ۔ قادیانی مذہب کے لوگ مسلم لیگ کے ساتھ اسی لیے ہوئے ہیں کہ وہ سمجھتے ہیں کہ مسلمانوں میں قادیانیت کی ترقی علماء کا وقار مٹنے پر ہوتی ہے اور علماء کا وقار جتنا لیگ مٹا رہی ہے اتنا اور کوئی نہیں مٹا رہا ۔

۷ رمضان المبارک ۱۳۶۵ھ ۵ راگست ۱۹۴۶ء رائپور

فرمایا: میں نے حضرت شیخ الہند کی زبانی خود سنا ہے وہ ہمارے حضرت کے سامنے بیان فرمارہے تھے کہ حضرت مولانا انور شاہ[1] صاحب اور مولوی عبید اللہ[2] صاحب دونوں کی بڑی استعداد ہے۔

حضرت مولوی عبید اللہ دہلی جا رہے ہیں۔ میں نے ان کو کہہ دیا ہے کہ وہاں کوئی ایسی بات نہ کرنا جس کو عام طور پر لوگ سمجھ نہ سکیں اور شور ہو۔ کیونکہ تمہاری بات کو میں ہی سمجھتا ہوں اور کوئی یہاں نہیں سمجھتا اور مولوی کفایت اللہ[3] صاحب بھی منتظم ہیں۔ میں نے ان کو کہہ دیا ہے کہ مولوی عبید اللہ صاحب کو روکتے ٹوکتے رہیں تاکہ کوئی ایسی بات بیان کرنا نہ شروع کر دیں جس کا عام طور پر سمجھنا دشوار ہو اور شور و شر پیدا ہو جائے۔ میں نے ان کو حدیث پڑھانے کو کہا ہے کیونکہ حدیث پڑھانے میں آدمی کھل جاتا ہے۔

---

۸ رمضان المبارک ۱۳۶۵ھ ۶ راگست ۱۹۴۶ء رائپور

فرمایا حاجی عبد الرحمٰن صاحب نو مسلم میواتی مرحوم تھے ان کو کچھ اللہ نے ایسا ملکہ

---

[1] حضرت علامۃ العصر مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ۔

[2] امام انقلاب مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ۔

[3] مفتی اعظم مولانا مفتی محمد کفایت اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ۔

دیا تھا کہ جس ہندو کے پاس بیٹھتے تھوڑی دیر میں اس کو اسلام کے لیے گرویدہ کر لیتے۔

انہوں نے غالباً دو تین ہزار لوگوں کو زندگی میں مسلمان بنایا تھا وہ بہت نیک تھے ان کی نیکی کا بھی اثر ہوتا تھا نماز اور نوافل سے مناسبت تھی۔ ایک دفعہ میں لدھیانہ تھا کہ وہ ایک نومسلم کو لینے لائل پور یا پنجاب کا کوئی اور مقام فرمایا وہاں تک گئے مرحوم کہا کرتے تھے کہ اسلام سچا ہے مگر مسلمان کوڑی کے نہیں۔ مرحوم ایک دفعہ ایک نومسلم کنبہ کو چھوڑ کر حضرت نظام الدین بستی سے کسی کام کہیں گئے تو اس کنبہ کی وہاں کسی نے کوئی خبر وغیرہ نہ لی جب حاجی صاحب مرحوم آئے تو وہ کنبہ وہاں نہیں تھا جس سے پوچھتے وہ لاعلمی ظاہر کرتا۔ آخر حاجی صاحب نے ایک دھوبی سے جس کے پاس اس نومسلم کنبہ کا بڑا آدمی حقہ پیا کرتا تھا دریافت کیا۔ دھوبی نے بھی لاعلمی ظاہر کی مگر یہ بتایا کہ ہاں وہ دہلی شہر جانے کو کہتے تھے چنانچہ حاجی صاحب نے گیروے سے کپڑے رنگوا لیے۔ یعنی ہندو سادھوؤں کا بہروپ بھر کر دہلی کے ایک دھرم شالہ میں گئے۔ وہاں کے منتظم یا نگران سے باتوں باتوں میں مذہبی گفتگو میں مسلمانوں کے سوالات در سوالات کرتے رہے کہ ہمارے گاؤں کے مسلمان ہم سے یوں بات کرتے ہیں۔ جب وہ بند ہوگیا تو اس نے کتاب دیکھ کر دوسرے وقت جواب دینے کو کہا۔ حاجی صاحب نے بات ٹلا کر کہا کہ مسلمانوں نے ہمارے ایک گاؤں کے فلاں آدمی اور اس کے کنبہ کو مسلمان کر لیا ہے اور نظام الدین بستی میں ان کا پتہ چلا ہے ہو سکے تو تم ان کو شدھ کر دو اس نے کہا کہ وہ تو شدھ ہو چکے ہیں۔ حاجی صاحب نے کہا وہ تو شدھ نہ ہوئے جب دوسرہ کر اس نے یقین دلایا تو حاجی صاحب نے کہا وہ پھر کہاں ہیں اس نے گوردل

کا پتہ بتایا جو گرد کل میوات کے راستہ پر دہلی کے باہر بنا ہے۔ حاجی صاحب وہاں گئے اور وہاں کے نگران اور منتظم سے مل کر کئی دن وہاں رہے آخر اس کنبہ کو تلاش کیا ان کے پاس گرد کل میں رہے اور سمجھا بجھا کر دوبارہ اسلام میں لائے اور وہاں سے یہ سب ملے حاجی صاحب پانی موافق نہ آنے کے بہانے سے اپنے گاؤں واپس جانے کو کہہ کر بستی نظام الدین پہنچے اور اس کنبہ کو پھر کہیں چھوڑا۔ حضرت والا نے یہ بھی فرمایا کہ ہم نے کئی مرتبہ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب (لدھیانوی) اور شاہ صاحب[1] سے عرض کیا کہ آپ اہل لوگ ہیں نومسلموں کے لیے کوئی تربیت گاہ کا انتظام کرو۔

حضرت سے مولوی حبیب اللہ صاحب گمانوی[2] نے عرض کیا کہ حضرت مولوی شبیر احمد صاحب نومسلم جو مظاہر علوم کے فارغ ہیں اور ان کے خیالات خراب ہو گئے تھے وہ حضرت کی صحبت سے درست ہوئے تو تبلیغ آپ حضرات ہی اچھی کر سکتے ہیں۔ حضرت والا نے فرمایا اس میں میرا کچھ نہیں تھا اساتذہ کی توجہ سے ہوا اور اصل ہادی اللہ تعالیٰ ہے ایک ہندو سادھو کی نظر سے ان مولوی صاحب کے خیالات پر اثر پڑا۔ وہ کہتا تھا کہ میرا دل واپس والدین کے پاس مرتد ہو کر چلے جانے کو ہو گیا تھا اور اس ارادہ سے میں نے کتابیں مدرسہ کی کتب خانہ میں داخل بھی کر دی تھیں حضرت والا نے فرمایا کہ ایسے حالات پیش آئیں تو اللہ کے کسی بندہ کے پاس جانے سے نفع بھی ہو جاتا ہے اور یہی کرنا چاہیے۔ باقی اختیار سوا اللہ تعالیٰ کے کسی کا نہیں۔ کسی نے پوچھا کہ

---

[1] امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری رحمۃ اللہ علیہ

[2] حضرت مولانا حبیب اللہ صاحب گمانوی رحمۃ اللہ علیہ جو ریاست بہاولپور کے بڑے عالم اور بزرگ تھے۔ طاہر والی کا معروف مدرسہ انہی کا قائم کیا ہوا ہے۔

حضرت اگر کسی کے تصرف سے خیالات بگڑ جائیں تو جس پر اثر ہوا اس کا تو کوئی قصور نہیں اور وہ عند اللہ معذور ہے یا نہیں حضرت والا نے فرمایا اس کا علاج جاننے والوں سے دریافت کر کے اس پر عمل کرنا اس کے اختیار میں ہے اور فرمایا کہ ہر شخص کو ہر شخص سے نفع نہیں ہوا کرتا جس کی استعداد اونچی ہو ویسا ہی اس کو ہادی ملے تو نفع ہوا ور ہم مسلک بھی ہو کر مناسبت ہو تو نفع ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر فرمایا مولوی حبیب الرحمٰن (رائے پوری) کو کسی تحریک والے سے ہی نفع ہوگا۔ دوسرے کے پاس جو تحریک کے خلاف ہو خواہ وہ کتنا بڑا بھی ہو اس سے عدم مناسبت کی وجہ سے نفع نہیں ہوگا۔

۹۔ رمضان المبارک ۱۳۶۵ھ مطابق ۷ر اگست ۱۹۴۶ء مقام رائپور

رات کی مجلس میں حضرت والا نے فرمایا بغیر پوری توجہ کے کوئی کام نہیں ہوتا اور پوری توجہ سے عموماً اگر خدا کا فضل شامل حال ہو تو ایک ہی کام ہو سکتا ہے۔ جس طرح آپ حضرات یہ رمضان کا مہینہ یہاں رات دن ایک ہی خیال میں گزارنے کی کوشش کرتے ہیں اگر اسی طرح ایک زمانہ گزر جائے تو توجہ الی اللہ پیدا ہوتی ہے۔ ایک مہینہ سے کچھ نہیں ہوتا ہاں اگر پوری توجہ سے کام لے تو تھوڑے ہی عرصہ میں آثار ذکر کے پیدا ہو جاتے ہیں جو حالات بدلنے پر جاتے بھی رہتے ہیں۔ پختگی بڑی مشکل سے پیدا ہوتی ہے۔ حضرت بہاولنگری علیہ الرحمۃ (یعنی حضرت مولانا مولوی اللہ بخش صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو بہاولنگر کے متصل جٹو والے عرف دین پور رہا کرتے تھے مراد ہیں) کو بیعت ہونے کے پانچویں روز فتوح باب

ہوگیا تھا۔ فرماتے تھے کہ میرا حجرہ ذکر کے وقت روشن ہوجاتا تھا۔ آپ دہلی میں مہرکن کی مسجد کے حجرہ میں تشریف رکھا کرتے تھے اور پڑھاتے تھے فتوح باب کی اور بھی باتیں تھیں مگر انہوں نے خود اپنا حال سنایا کہ جب آپ بہاولنگر کے متصل یعنی اپنے گھر چلے گئے تو وہاں حکام بھی آیا کرتے تھے مگر ایک مولوی صاحب نے اپنی لڑکی کی شادی آپ سے کر دینے کا وعدہ کیا کچھ روپے بھی آپ سے لے لیے اور پھر شادی کرنے سے انکار کر دیا۔ اس کا تذکرہ بعض آنے والے حکام سے یونہی سا ہوگیا تو انہوں نے کہا کہ حضرت ایک درخواست دے دیں تو سب کچھ ذراسی دیر میں ہم خود کرلیں گے۔ حضرت بہاولنگری رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ میں ان کے کہنے میں آگیا اور درخواست دینے گیا تو عرضی نویس نے ۸ روپے کر درخواست لکھی۔ ہم نے کہا کہ ۸ ر خیر کوئی بات نہیں پھر تو ایسا ہوا کہ جو لوگ دو دو گھنٹے میرے انتظار میں میرے دروازے پر رہتے تھے اب میں ان کے دروازے پر دو دو گھنٹے انتظار کرنے پر مجبور ہوگیا اور کیا کرایا سب ایسا ہوگیا کہ گویا کیا ہی نہیں تھا یہ حالت حضرت بہاولنگری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو لکھی تو حضرت نے فرمایا کہ مولوی صاحب جانے دو۔ چنانچہ اس پر حضرت بہاولنگری نے وہ مقدمہ بیچ میں ہی چھوڑ دیا اور یکسو ہو گئے مجھے حضرت بہاولنگری رحمہ اللہ نے یہ حال اس مقدمہ کے ایک یا دو سال بعد سنایا تھا۔ فرماتے تھے کہ چھوڑنے کے بعد اب تک بھی وہ بات نہیں ہوئی جو مقدمہ سے پہلے تھی۔ لہذا اس راستہ میں جس نے لگنا ہو وہ اپنے نفع نقصان دنیوی سے بے پرواہ ہو کر لگے۔ خصوصاً وہ لوگ جن کے متعلق یہ امید ہو کہ ان سے لوگوں کی ہدایت کا کام لیا جاسکے گا۔ ان کو مشائخ تمام دیگر مشاغل اور دنیوی نفع نقصان کے خیال سے بھی الگ رہنے کی ہدایت کرتے ہیں۔ ہاں یہ سب

کے لیے نہیں کیونکہ دنیا میں بھی رہنا ہے۔

حضرت رحمتہ اللہ علیہ سے سُنا ہے کہ چراغ جلانے کے لیے چراغ، تیل بتی وغیرہ کئی چیزوں کا اہتمام کرنا پڑتا ہے مگر بجھانے کے لیے ایک پھونک کافی ہوتی ہے۔ ایک بری نظر بھی کسی طرف ڈالنا سب کچھ برباد کر سکتا ہے۔ منشی مظہر صاحب بہٹ والوں نے دریافت کیا کہ حضرت ہم جیسے لوگ جو عامی ہیں ان کو بھی ذکر کرنے سے کچھ فائدہ ہوتا ہے جو اور مشاغل چھوڑ نہیں سکتے۔ فرمایا ہاں کیوں نہیں ضرور ہوتا ہے کیونکہ انسانی ترقی تو قبر میں بلکہ پھر جنت میں بھی جاری رہے گی اور چونکہ باری تعالیٰ کی ذات و صفات لامتناہی ہیں لہذا انسانی ترقی تو کبھی ختم نہ ہوگی مگر ذکر سے جس کی زندگی کی رفتار اور اس کا رخ ٹھیک ہو جاتا ہے وہ فائدہ ہی ہے کہ مرنے کے بعد اپنا کام جاری رکھے گا۔

شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ مرنے کے بعد جب تک دماغ نہیں سڑتا گلتا اور بگڑتا اگر مردہ کو زندہ کر دیا جائے تو وہی خیالات جو پہلے تھے پھر ظاہر ہوں گے مگر جس نے توجہ الی اللہ حاصل کر لی جس درجہ کی بھی ہو تو جسم گل سڑ جائے اور مٹی بن جائے مگر روح میں جو ملکہ ہو گیا ہے وہ اپنا کام کرے گا اور انسان ترقی کرتا جائے گا۔ یہ جو جنت میں کھانے کے پھلوں کا ذکر ہے کہ ہر کھانا پہلے کھانے سے زیادہ لذیذ ہوگا یہ ترقی ہی تو ہے اور جنت میں جو کھانوں کا ذکر ہے سو مثال ہے ورنہ وہ تو اور ہی کچھ ہے ہو سکتا ہے وہی کچھ شروع میں کھانوں وغیرہ شکل میں متمثل ہو جائے ورنہ جنت میں یوں بھی آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں سے دریافت فرمائیں گے کہ اب اور کچھ چاہیے سب کہیں گے اور اب کیا چاہیے تو اللہ تعالیٰ اپنی تجلی ڈالیں گے

جس کی لذت میں سالہاسال لوگ مست رہیں گے وہاں جنت میں بھی شروع میں نہیں پھر کہیں جاکر لوگ خدا تعالیٰ کی تجلی کے متحمل ہوں گے۔ اس سے پہلے ان کی تربیت ہوگی جس کو جنت کی نعمتوں سے تعبیر کیا ہے ورنہ حدیث شریف میں یوں بھی تو آتا ہے۔ کہ جنت میں جو کچھ ہے نہ وہ کسی کان نے سنا نہ آنکھ نے دیکھا نہ کسی دل پر اس کا خطرہ گزرا اور پھر بھی کیسے سکتا ہے کہ وہاں کی چیزوں کو یہاں کی چیز سے مثال دی جائے۔ لہذا یہ سب کچھ مثالیں ہیں اور ہو سکتا ہے کہ شروع میں یہاں کی مناسبت سے وہاں بھی جنت کی نعمتیں کچھ ایسی ہی متمثل ہوں ورنہ خدا تعالیٰ جو اپنے بندوں پر بے حد مہربان ہے بخل کیوں کرے گا مگر انسان تربیت پائے بغیر اونچی چیز کا متحمل نہیں ہو سکتا بلکہ میں تو یہ کہتا ہوں کہ یہاں جو تکلیف بھی پیش آتی ہے یہ بھی خدا تعالیٰ کی مہربانی اور تربیت ہے دیکھتے نہیں کہ ماں دودھ چھڑانے کے لیے دودھی پر کوئی تلخ شئی لگاتی ہے اور جب انسان کو دودھ سے زیادہ اعلیٰ کھانوں کا چسکا پڑ جاتا ہے پھر اسے اگر ماں کے دودھ کی طرف متوجہ کرو تو کبھی آمادہ نہیں ہو سکتا۔ یہی حال جنت میں بھی ہوگا کہ جب انسان لقائے باری تعالیٰ کا اہل ہو جائے گا تو پھر جنت کی نعمتوں کو بھی بھول جائے گا اور ادھر متوجہ نہیں ہوگا۔ احادیث میں ایسی بہت باتیں آئی ہیں اور حضرت والا نے متعدد

آیات بھی پڑھیں جن میں ذکر تھا کہ خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کو سخت تکالیف اور آزمائشیں تربیت کے لیے بھیجیں اور فرمایا کہ کیا تم مجرد اقرار ایمان پر ہی جنت میں چلے جاؤ گے اور بخشے جاؤ گے اور کیا تمہاری آزمائش نہ ہوگی ؎ اور جہاد و صبر وغیرہ کا ذکر ہے اور حضور

؎ الم احسب الناس ان یترکوا ان یقولوا امنا وھم لا یفتنون۔

صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے سے محبت کرنے والوں کو جو فقر کا پتہ دیا ہے کہ ان پر تنگی آئے گی تو وہ آئی۔ حدیث میں ہے کہ بعض صحابہ نے فرمایا کہ ہم نے تو کچھ پھل بھی چکھ لیا مگر ہمارے بعض بھائی ایسی حالت میں دنیا سے سدھار گئے کہ انہوں نے فراخی کا نشان بھی نہ دیکھا اور یہ فراخی بھی ایسی تھی کہ وہ تو اس سے خود ایسے ہی کچھ متمتع ہوئے جیسا کہ حالات سے ظاہر ہے۔

دوبارہ فرمایا کہ بغیر پوری توجہ کے کوئی چیز پورے طور پر حاصل نہیں ہوتی اور جس سے مخلوق کو فائدہ پہنچنے کی امید ہو اس کو اپنے جائز دنیاوی نفع نقصان سے بھی اونچا ہو جانا چاہیے تب ہی نفع پہنچ سکتا ہے۔ خواہ پنجابی ہوں یا بنگالی علاقہ کو تبلیغ کرنی چاہیئے اور تبلیغ حضرت دہلوی کی دراصل سلوک تھا چنانچہ خلوت کو جلوت اور جلوت کو خلوت سے بدلا کرتے تھے۔

وصال سے ایک دو سال پہلے تک تو یہی حال رہا خود بھی ایسا ہی فرمایا کرتے تھے کہ میں ایسا کرتا ہوں۔ عوام کا اثر خواہ تبلیغ کے سلسلہ میں عوام سے ملنا پڑے کہ دراصل وہ اپنی اصلاح کا سلسلہ ہے خواص پر بھی پڑتا ہے مگر خواص اسے جھاڑتے رہتے ہیں۔ جھاڑنا یہی کہ اول تو تبلیغ قاعدہ سے کی جائے کہ اور باتوں کی طرف توجہ کم کرنی پڑے اور پھر اعتکاف وغیرہ کر لیا اور ایک دفعہ حضرت دہلوی رحمہ اللہ سہارنپور تشریف لائے ہم بیٹھے اپنی سیاسی باتیں کر رہے تھے میں نے عرض کیا کہ ہماری باتوں سے اب آپ کو قبض ہو گی تو فرمایا کہ میں عوام کے اثرات کو جھاڑنے کے لیے صحبت اٹھانے آیا ہوں میں نے کہا لو یہاں صحبت اٹھانے تشریف لائے ہیں۔

پہلے تو میں بہت بدکا مگر جب چند روز مولانا کو اپنے ہاں ٹھہرا کر زیادہ گفتگو کی تو معلوم ہوا کہ حقیقتاً باتیں کچھ ایسی نہ تھیں ہاں البتہ مولانا کی زبان پہلے مرحلہ میں سمجھ نہیں آتی تھی جس سے طبیعت الجھتی تھی۔

حضرت والا نے فرمایا کہ مکہ معظمہ میں تو مولانا کا یہ طرز گفتگو نہ تھا جو ہندوستان آکر مولانا نے اختیار فرمایا۔ وہاں بہت نرمی سے اور اچھی طرح باتیں کرتے تھے۔ مگر یہاں طرز گفتگو سخت تھا۔

حضرت شیخ الہند جس کی تعریف کریں میں تو ان کے متعلق نیک گمان ہی رکھتا ہوں۔ حضرت شیخ الہند کی سمجھ اور علم بہت گہرا تھا۔ حضرت مدنی بے شک بڑے بزرگ ہیں۔ مگر جو بات حضرت شیخ الہند میں تھی وہ بہت گہری تھی۔ لہٰذا مولانا عبید اللہ کے متعلق حضرت شیخ الہند کے اقوال کو سامنے رکھتے ہوئے میں تو مولوی عبید اللہ صاحب کو ایسا نہیں سمجھتا جیسا عام نکتہ چین یا بعض حضرات فرماتے ہیں۔ مولانا کا اپنا علم بھی بڑا وسیع تھا۔ سیاسیات سے لگاؤ اس درجہ تھا کہ حضرت شیخ الہند نے اپنے تمام شاگردوں میں سے کابل جانے کے لیے مولانا کو ہی بھیجنا مناسب سمجھا اگر حضرت شیخ الہند سے تعلیمی اور تربیتی تعلق نہ ہوتا تو شاید مولانا مسلمان بھی نہ رہتے کیونکہ وہ کسی کی تقلید میں بات ماننے کے عادی نہ تھے۔ مکہ معظمہ میں بڑے بڑے نجدی عالم ان کے علم کے قائل ہو گئے اور ان سے بعض نے پڑھا بھی مگر ان کے سامنے اپنے آپ کو حنفی کہتے تھے۔ میں نے جب مکہ شریف جانا ہوا مولانا کو بہت تلاش کیا نہ ملے پھر رات کو خود آکر ملے اور فرمایا کہ میں یہاں حج کے موقعہ پر چھپا چھپا رہتا ہوں ہر طرح کے لوگ اس موقعہ پر آئے ہوتے ہیں دانستہ میں لوگوں سے ملتا نہیں۔ میں نے عرض بھی کیا کہ آپ پڑھانا

میرا طریق اپنی طبیعت کے مطابق ذرا اور ہے اور ہر شخص کی طبیعت ہوتی ہے اس کے خلاف اس کو قبض پڑ جاتا ہے تو میں یہ سیاسی اور اور طرح کی باتیں طبیعت کی بحالی کے لیے بھی کیا کرتا ہوں ۔ نیز میرے نزدیک تھوڑی تنہائی اختیار کر کے قلبی یکسوئی کے بعد تبلیغ میں اپنی اصلاح کی نیت سے لگنا چاہیے اور آپ لوگ جو پڑھے ہیں ۔ آپ کو تبلیغ اپنے مشاغل کو ملحوظ رکھتے ہوئے کرنی چاہیے ۔ میرے نزدیک بہت مفید اور ضروری ہے اور ہر شخص کی تبلیغ کا طریق اس کے مناسب حال جُدا جُدا ہے مجھے تو ہر وقت کی تبلیغ سے قبض پڑ جائے تو میں بحالی طبع کے لیے اور باتیں بھی کرتا ہوں ۔

---

۱۰ رمضان المبارک ۱۳۶۵ھ مطابق ۸ اگست ۱۹۴۶ء مقام رائپور

فرمایا: میں نے تو حضرت شیخ الہند سے مولانا عبید اللہ سندھی کی تعریف سنی ہے کہ وہ بہت مستعد ہیں اور ان کی بہت ہی تعریف فرماتے تھے تو اب میرے خیال میں یہ ہے کہ مولانا کی بات سمجھنی دشوار ضرور تھی مگر بات صحیح کہتے تھے البتہ زبان ایسی بولتے تھے جس سے لوگ بدک جاتے تھے ۔ حضرت شیخ الہند بھی فرماتے تھے کہ میں نے مولوی عبید اللہ کو کہا ہے کہ تمہاری بات سمجھنے والا ہندوستان بھر میں بس میں ہی ہوں اس لیے لوگوں سے کوئی ایسی بات نہ کہنا جس سے وہ غلط فہمی میں پڑیں ۔ مولانا مولوی محمد منظور نعمانی (ایڈیٹر الفرقان) سے بھی میں نے سنا ہے کہ مولانا کی بات تو ایسی

شروع کر دیں تو فرمایا کہ میں اب اپنے خیال سے لوٹنے والا نہیں میرے لیے لوٹنا ناممکن ہے یعنی سیاسی مشاغل سے یکسو نہیں ہونا چاہتا۔ اگر مولانا پڑھاتے تو نجدی جن میں قومیت کا اثر کم ہے آپ کی بڑی قدر کیا کرتے تھے اور پڑھنا چاہتے تھے نجدیوں میں قومیت کا اثر ترکوں سے بہت کم ہے وہ دوسری اقوام کے اہل کمال پر ابھی بھروسہ کرتے ہیں اور باوجود حنفی ہونے کے وہ ان سے استفادہ کرنے کو آمادہ بلکہ خواہش مند تھے خواجہ[1] صاحب نے یہاں یہ عرض کیا کہ حضرت مولانا مجھے چھوڑنے جدہ تک تشریف لائے وہاں ایک نجدی عالم سے مولانا کی گفتگو ہوئی۔ اس نے دریافت کیا آپ کا مسلک کیا ہے تو مولانا نے فرمایا کہ میں بہت بڑا متعصب حنفی ہوں اور اس کی باتوں کو جو اس سلسلہ میں ہوئیں چٹکیوں میں اڑا دیا وہ بیچارہ آپ کے علم سے باوجود بڑا عالم ہونے کے ششدر رہ گیا اور خواجہ صاحب نے یہ بھی فرمایا کہ امام الائمہ ابو حنیفہ کے متعلق مولانا نے کسی زمانہ میں ایک مضمون لکھا تھا دو نمبر پڑھ کر تو مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری اور اہل حدیث حضرات خوش ہوئے مگر چوتھا اور پانچواں نمبر پڑھ کر کہنے لگے کہ یہ تو کٹر حنفی ہیں۔ عزیز[2] الرحمن نے عرض کیا کہ حضرت میں مکہ معظمہ میں بھی مولانا کے پاس کئی ماہ رہا ہوں وہاں بھی اگرچہ کچھ پوچھنے کی جرأت نہ ہوتی تھی اور اگر ہم لوگ پوچھتے تو جھڑکیاں کھاتے میں نے بھی یہی سمجھا کہ مولانا حنفی ہیں۔ فرمایا کرتے تھے کہ حنفی فقہ ہندوستان کے مسلمانوں کی قومی فقہ ہے۔ حضرت والا نے بھی فرمایا کہ ہاں مولانا اسی کے قائل تھے کہ

---

[1] خواجہ عبدالحئی فاروقی

[2] مولانا عزیز الرحمنؒ ابن مولانا حبیب الرحمن لدھیانویؒ

ہندوستان میں حنفی فقہ کے سوا اور فقہ پر عمل کرنے کا کسی کو حق حاصل نہیں ہے۔

اس پر خواجہ صاحب نے عرض کیا کہ حضرت جب پولیس نے تحریک شیخ الہند کے متعلق میرا بیان لیا تو مجھے کہا کہ تم کیوں درست نہیں بتلاتے اوروں نے تو یہ بیان دیے ہیں۔ بلکہ اوروں کے قلمی بیان دکھا دیے۔ اس پر حضرت والا نے فرمایا کہ ان کا پھسلا دینا، اور چپ بیٹھے رہنا بھی مگر یہ بیانات والی تمام بات درست نہیں ہے۔ عزیز الرحمن کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ لدھیانہ میں ان کے والد مجھے اور ایک اور شخص کو ٹانگہ پر دور لے گئے اور وہاں جنگل میں ان تیسرے صاحب نے حضرت سہارنپوری اور بعض اور حضرات کے متعلق بیان کیا کہ انہوں نے یہ یہ بیان دیے ہیں اور میں نے تحریریں ان کی دیکھی ہیں تو میں نے کہا کہ حضرت سہارنپوری کے متعلق تو میں وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ تمہارا بیان بالکل غلط ہے اور مجھے کچھ جوش بھی اس پر آگیا تھا جب تحقیق کی تو اوروں کے متعلق بھی معلوم ہوا کہ پولیس نے غلط فہمی پیدا کرنے کو کسی طرح فرضی تحریریں بھی بنائی تھیں تاکہ دھوکہ دے کر بیان حاصل کرلے۔ چنانچہ بعض کو اس طرح دھوکہ بھی لگا ہاں مجھے یہ بیان کرنا ہے کہ مولوی عبید اللہ صاحب سے مکہ معظمہ میں ملنا ہوا تو میں نے یہ بھی دریافت کیا کہ یہ جو لوگ کہتے ہیں کہ حضرت شیخ الہند پر آپ کا اثر تھا یہ کیا بات تھی۔ اس پر مولوی صاحب مرحوم رو پڑے اور فرمایا کہ میرا اثر کیا ہوتا۔ خدا کی قسم اگر مجھے اب بھی یہ معلوم ہو جائے کہ حضرت شیخ الہند میرے کام سے ناراض ہیں یا خوش نہیں تو باوجود اس پختگی کے جو میں نے بیان کی میں فوراً اس کام سے رک جاؤں۔ اس لیے میں اسے چھوڑ کر اور کسی طرف توجہ نہیں کر سکتا۔

۱۱ رمضان المبارک ۱۳۶۵ھ مطابق ۹ اگست ۱۹۴۶ء مقام رائے پور

فرمایا، آجکل کی سائنس کی ترقیوں نے بہت سی قرآن و حدیث میں بیان کی ہوئی پیشینگوئیوں اور پہلے زمانے کے بعض معجزات کا سمجھنا آسان کر دیا ہے۔ اگرچہ حقیقت کا علم تو کسی چیز کے واقع ہونے پر ہی ہوتا ہے۔ مگر اعتراض کرنے والوں کو اب گنجائش ہی نہیں حضرت سلیمان علیہ السلام کا تخت اڑتا تھا اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے ہواؤں کو مسخر کر دیا تھا۔ اب خدا تعالیٰ نے بعض ہواؤں کو کہ گیس اور بھاپ وغیرہ بھی ہوائیں ہیں انسان کے قابو میں کر دیا ہے کہ بڑے بھاری ہوائی جہازوں کو بے تکلف آسمان میں اڑائے لیے پھرتے ہیں۔ دجال کی سواری کا بھی ذکر آتا ہے۔ ایک صاحب نے کہا کہ چالیس دن میں روئے زمین پر پھر جائے گا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ تو منجملہ ان ہوائی جہازوں سے بھی ہو سکتا ہے۔ جو آجکل ہیں ممکن ہے کوئی ایسی سواری نکلے کہ روئے زمین کا تفصیلی سفر بھی وہ کر سکے اور ہر جنگ کے بعد پہلے سے زیادہ تیز سواریاں ظاہر ہو جاتی ہیں اب آنے والی جنگ کے بعد اس سے بھی زیادہ تیز سواریاں نکلیں گی۔ ترقی کی رفتار بہت بڑھ جائے گی یہاں تک کہ دجال کے متعلق جو آیا ہے کہ وہ لوگوں کو زندہ کر سکے گا اور کہے گا کہ خدا بھی مارتا اور زندہ کرتا ہے اور میں بھی مارتا اور زندہ کرتا ہوں بس کافر و مؤمن کا یہی فرق ہے جیسا کہ اہل السنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ وہ ہر کام کا خالق اللہ تعالیٰ کو سمجھتے ہیں اور کافر ایسا نہیں سمجھتا۔

جب دجال یہ کہے کہ میں مُردوں کو زندہ کرتا ہوں۔ مومن یہ مانیں گے کہ یہ تو خدا تعالیٰ کے قائم کئے ہوئے اصولوں کا انکشاف ہو جانے کی وجہ سے

ان کا استعمال ہے۔ جس پر نتائج مرتب کرنا خدا تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے اور
دراصل جب چاہتے ہیں باری تعالیٰ ہی ایسا کرتے ہیں جیسے نطفہ کی پرورش کرکے
بچہ بننے کے جو مرحلے ہیں اگر ان کا صحیح انکشاف ہو جائے اور انسان ویسا ہی کرے
تو جان جو پڑے گی وہ تو ہمارے عقیدہ کے مطابق اللہ تعالیٰ ہی ڈالیں گے۔ انسان
سمجھتا ہے کہ میں کرتا ہوں اور جب کامیابی نہیں ہوتی تو قرار دیتا ہے کہ کوئی نقص
رہ گیا ہے۔ کسی صاحب نے کہا کہ روسی سائنسدان مُردوں کو زندہ کرنے کے
تجربات کر رہے ہیں گو ابھی کامیابی نہیں ہوئی مگر ہو سکتا ہے کہ کامیابی ہو جائے
حضرت والا نے فرمایا کہ مشیت الٰہی پر موقوف ہے جب وہ چاہیں گے کامیابی ہو
جائے گی اور لوگ جو اعتراضات کرتے ہیں کہ ہمارے پہلوں نے کوتاہی اور سستی کی
ورنہ یہ ترقی ایجادات کی وہ کر سکتے تھے اس پر ہم کہتے ہیں کہ انسان کوشش کرتا ہے
مگر کامیابی مشیت الٰہی پر موقوف ہے اس زمانہ میں مشیت الٰہی نہ تھی اب خدا تعالیٰ
کو منظور ہے کہ یہ چیزیں بن جائیں

۱۱؍ رمضان المبارک ۱۳۶۵ھ مطابق ۱۰؍ اگست ۱۹۴۶ء مقام رائے پور

رامپور کے ایک مہمان نے بیان کیا کہ جتنا انسانی جسم کم ہوتا جاتا ہے اتنی روحانیت
بڑھتی ہے اور جتنی جسمانیت بڑھتی ہے روحانیت کم ہو جاتی ہے۔ اس پر جناب
عزیز الرحمٰن صاحب لدھیانوی نے کہا کہ صحابہ کرام میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ
جیسوں میں جسمانی قوت بھی بہت تھی اور روحانیت بھی بہت تھی یہ کیا بات تھی۔ اس پر

حضرت والا نے فرمایا کہ اسلام میں اخلاق کا انسلاخ نہیں ہوتا بلکہ رخ بدلتا ہے جتنی طاقت ہو اس کو اگر رضائے الٰہی کے لیے استعمال کیا جائے تو وہ اخلاق حمیدہ ہیں اور اس کے خلاف اخلاق رذیلہ۔ جن میں زیادہ طاقت ہوتی ہے ان کا مجاہدہ بھی زوردار ہوتا ہے اور ان پر حالات بھی بہت عجیب آتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بڑے سخت تھے مگر اسلام کے بعد وہ سختی مخالفین اسلام کے لیے ہو گئی باہمی طور پر کچھ نہ رہی یہ ذکر طالم بھی یاد ہے : خیارکم فی الجاهلیة خیارکم فی الاسلام۔

عزیز الرحمٰن نے عرض کیا حضرت اخلاق پیدائشی ہوتے ہیں یا کیا۔ حضرت والا نے فرمایا اخلاق پیدائشی ہوتے ہیں جو بھی ہوں مگر ان کا رخ بدلنا ہوتا ہے یہی تو مطلب خیارکم والی حدیث کا ہے پس اپنے اخلاق کا رخ بدل لو۔

کسی نے عرض کیا کہ حضرت یہ جو چشتیہ کے ہاں سماع ہوتا ہے یہ کچھ مفید ہے۔ حضرت والا نے فرمایا کہ کچھ کچھ ذکر کے وقت شعر پڑھنے کو میں بھی کہہ دیا کرتا ہوں تاکہ بالیدگی ہو مگر اسی کو سب کچھ بنا لینا یہ غلط اور بے فائدہ ہے۔ باقی اگر ہم میاں جی نور محمد صاحب[1] حضرت حاجی صاحب[2] اور حضرت گنگوہی[3] ان حضرات کو نہ دیکھتے تو شاید سمجھتے کہ سماع چشتیہ کے لوازمات سے ہے مگر یہ حضرات چشتی تھے اور سماع سے مجتنب بھی اس لیے یہ کچھ ضروری نہیں۔ ہاں ایک معذوری ہوتی ہے اگر کوئی معذوری میں ایسا کر لیتا ہے ہم ان حضرات کو معذور سمجھیں گے کیونکہ یہ تو مرض کا ایک علاج ہے اس پر کیا حکم لگایا جا سکتا ہے۔ ہم ان بزرگوں پر جنہوں نے سماع سنا اعتراض تو نہیں کرتے مگر ہمارے ہاں یہ نہیں۔

---

[1] حضرت میاں جی نور محمد جھنجھانوی مرشد حضرت حاجی امداد اللہ
[2] حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی۔ [3] حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی

مزامیر تو ویسے ہی جائز نہیں۔ بڑی بات شریعت کا اتباع ہے یہی اپنے بزرگوں سے
ہم نے سنا ہے۔ قرآن پاک کی تلاوت سے مناسبت پیدا کرنی چاہیے۔

رامپور کے مہمانوں میں سے ایک نے دریافت کیا کہ حضرت قرب خداوندی کا کیا
مطلب ہے۔ حضرت والا نے فرمایا رضائے خداوندی کے مطابق کام کرنے سے قرب
خداوندی حاصل ہوتا ہے۔ دریافت کیا کہ حضرت قرب کیسے؟ فرمایا وہ جو آتا ہے کہ میں اس
کے ہاتھ ہو جاتا ہوں اس کے پاؤں ہو جاتا ہوں جن سے وہ چلتا ہے۔ فرمایا ایک دفعہ
ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے فرمایا کہ مولوی صاحب کھانا کھا لو۔ میں نے اپنی عادت
کے مطابق عرض کر دیا کہ حضرت مجھے بھوک نہیں یا یہ کہ میں نے کھا لیا تو فرمایا کہ مولوی صاحب
میں اپنی طرف سے نہیں کہتا۔ اس پر آئندہ کبھی انکار نہ کرتا اور کھانا کھا لیا ہوتا تو بھی فرمانے
پر اور کھا لیتا۔ ایک دفعہ حضرت سہارنپوری[1] تشریف لائے میں کھانا کھا چکا تھا جب
حضرت سہارنپوری کے ساتھ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کھانا تناول فرمانے لگے مجھے بھی فرمایا
اور میں بھی شریک ہو گیا۔ حضرت نے مجھے فرمایا کہ مولوی صاحب میں تمہارا خیر خواہ ہوں
اس سے معلوم ہوا کہ بزرگوں کے ساتھ کھانا کھانے کا بھی فائدہ ہے۔

---

۱۲ رمضان المبارک ۱۳۶۵ھ مطابق ۱۱ اگست ۱۹۴۶ء مقام رائپور

حضرت والا نے مولانا عبدالوہاب خان صاحب رامپوری کو مخاطب کر کے
اپنے طالب علمی کے زمانہ کے دیکھے ہوئے رامپور کے حالات بیان فرمائے کہ ایک دفعہ

---

[1] حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ

پٹھان ایک دیہاتی سے مذاق کر رہے تھے کوئی اس کو کسی طرح پریشان کرتا تھا کوئی کس طرح چھیڑتا تھا اور خوش ہوتا اور وہ دیہاتی بیچارہ کس مپرسی کے عالم میں بے کسی کی حالت میں حیران کھڑا تھا۔

حامد علی خاں (یا اور نامی) تھے جو کہ عیاشی میں غرق تھے۔ مولوی جعفر علی صاحب والی مسجد کے پاس جھیوروں کا محلہ ہے۔ سرکاری شاہی باورچی خانہ میں جو نوکر جھیور رہتے وہ بتایا کرتے تھے کہ رات کھانا تیار کر کے گرم رکھنے کے لیے صبح تک ہم بیٹھے رہتے تھے رات کو عیاشی سے فارغ ہو کر صبح تین چار بجے نواب کھانا کھاتا اور پھر سو کر شام کے چار بجے اٹھتا۔ اس کی رامپور کے مہمانوں نے بھی تصدیق کی۔

نواب صاحب اپنی منظور نظر عورتوں سے بھی ناراض ہو جاتے تھے اور بعض کو مروا کر بھس کے ڈھیروں میں رکھ کر ناراضگی میں آگ لگوا دیتے تھے کہ لاش کا نشان تک بھی غائب ہو اور بعض کو طرح طرح کے عذاب دے کر اس طرح مروا دیتے کہ سن کر رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔

نیز فرمایا کہ رامپور میں ہم نے تو جو سنا اس زمانہ میں کسی کی عزت محفوظ نہ تھی اب خبر نہیں کیا حال ہے لوگوں کو چاہیے کہ کوشش کر کے ریاستوں میں کونسلیں وغیرہ بنائیں جس طرح ولایت میں پارلیمنٹ ہے اور ضلعوں میں لوگوں کے نمائندوں کی ڈسٹرکٹ بورڈ بنتا ہے۔ مہمانوں میں سے مولوی عبدالوہاب خان صاحب نے عرض کیا کہ حضرت اب وہ حالات تو نہیں پہلے سے بہت فرق ہے مگر اب بھی بڑے مظالم ہیں لوگوں کا مطالبہ تو اب یہی ہے اور میں بھی اس کوشش میں ہوں چنانچہ میں اس کام میں بدنام بھی ہوں اور

ڈرتا ہوں حضرت سے عرض بھی نہیں کرنا چاہتا تھا کہ حضرت کہیں ناراض نہ ہوں حضرت نے فرمایا کہ اس میں ڈرنے کی کیا بات ہے یہ تو بہت اچھا کام ہے میں اس کام کی وجہ سے ناراض نہیں بلکہ خوش ہوں۔ لوگوں کو دلیری کرنی چاہیے۔ حضرت والا نے یہ بھی فرمایا کہ ریاست رامپور پٹیالہ اور بہاولپور کے حالات تو ہم نے خود دیکھے ہیں اور ریاستوں کا بھی اکثر ایسا ہی حال ہوگا۔ لوگوں کو ہر جگہ اصلاحات کی کوشش کر کے انتظام کونسلوں کے ذریعہ اپنے ہاتھ میں لے لینا چاہیے۔

فرمایا ہمارے ان مولوی عبدالرحمٰن[له] صاحب کے دادا تھے جب میں پڑھ کر گیا ہوں تو ان کو گھر جا کر دیکھا کہ ان کو بواسیر کا مرض تھا اور ایسی سخت بواسیر تھی کہ وہ ہر وقت بے حد بے قرار رہتے اور کہا کرتے تھے کہ پاخانہ کی جگہ گویا انگارا رکھا ہوا ہے ہر وقت ایسی جلن سوزش رہتی ہے اگر تھوڑی دیر کو کم ہوتی ہے تو دست آ کر پھر وہی حال ہو جاتا ہے۔ حالانکہ بڑے نفیس طبع تھے مگر نجاست میں مجبوراً ہر وقت ملوث رہتے اور ہر وقت تکلیف شدید سے بے قرار رہا کرتے تھے وہ اپنی جوانی میں کاٹھیا واڑ کی ریاستوں میں اچھے ملازم رہے وہ ریاست جوناگڑھ میں بھی رہے وہاں کے بھی ایسے ہی واہی تباہی حالات سنایا کرتے تھے میں نے ایک دفعہ ان سے دریافت کیا کہ آپ سچ بتائیں کہ آپ نے کیا سخت گناہ کیا ہے جس کا آپ کو یہ عذاب ہے ورنہ بواسیر کے میں نے بھی بہت مریض بہت جگہ دیکھے ہیں یہ حال نہیں دیکھا وہ سچے آدمی تھے کہنے لگے کہ جوناگڑھ کے رئیس کے ہاں ہم چار مصاحب تھے بڑے رازدار اور رئیس کے

له حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب ساکن چک ۱۰۳ ایم ایل ضلع بھکر۔

بہت مونہہ چڑھے۔ اس ریاست میں دستور تھا کہ شاہی خاندان میں لڑکے ہوتے ان کے لیے ریاست سے جاگیر مقرر کی جاتی۔ نواب صاحب نے کہا کہ اس طرح تو ریاست جاگیروں میں بٹ جائے گی اس کے تدارک کے لیے ہم چاروں کے ذمہ یہ کام بھی لگا رکھا تھا کہ شاہی خاندان میں اگر کوئی لڑکا پیدا ہوتا تو ہم اس بچہ کو کسی نہ کسی تدبیر سے چرا لیتے اور قلعہ کی ایک گہری خندق تھی بچہ کو مار کر اس کی تہ میں گڑھا کھود کر نمک ساتھ ڈال کر دبا دیتے تھے اور میں نے اس طرح کئی بچوں کو ٹھکانے لگایا ہے۔ حضرت والا نے فرمایا یہ سن کر میں نے مولوی عبدالرحمٰن صاحب کے دادا کو کہا کہ یہ عذاب تو آپ وہیں سے خرید کر لائے ہیں۔

مولوی صاحب! یہ خیال نہ کرو ان بیچاروں کا کیا ہے ان کو طاقت ملی ہم کو نہ ملی ورنہ ہم ان کو بھی مات کر دیتے مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ اصلاح کی کوشش کا کام جو آپ کر رہے ہیں وہ نہ کیا جائے وہ بھی ضرور کرنا چاہیے مگر محض اللہ واسطے اور یہ بھی سمجھنا چاہیے کہ اگر ان کی جگہ ہم ہوتے تو ان سے بھی زیادہ خرابیاں کرتے۔

مولوی عبدالوہاب صاحب رامپوری نے حضرت سے عرض کیا کہ حضرت میں ریاست میں کہیں اگر مدرسہ کے کام یا اور کسی کام بھی جاتا ہوں تو جہاں جس کے ہاں ٹھہرتا ہوں ریاست والوں کو وہ بھی کھٹکنے لگتا ہے یہ بڑی مشکل ہے حضرت والا نے فرمایا ہمت سے کئے جاؤ مگر خدا واسطے اور لوگوں کو بھی دلیری سے کام لینا چاہیے۔

مولوی حبیب اللہ صاحب گنگا نوی بہاولپوری نے دریافت کیا کہ ایک ولی دوسرے ولی کی نسبت بھی سلب کر لیتا ہے حضرت والا نے فرمایا کہ ہمیں تو پتہ نہیں کیونکہ کوئی

ایسی بات دیکھی نہیں ہاں حضرت حاجی صاحب کے متعلق حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے سنا ہے انہوں نے فرمایا کہ جو شخص ایسا تصرف کرے تو وہ بہت بُرا ہے یہ سب خیال کی قوت پر موقوف ہے۔ جو کوئی اس طرح اثر ڈال کر کسی سے کچھ پیسے بٹورے وہ ویسا ہی ہے جیسے چوری یا غصب اور ڈاکہ ڈال کر کچھ لے لیا۔ حضرت حاجی صاحب نے اس آیت مبارکہ سے جس میں ہے کہ دوسرے کے گھر میں داخل نہ ہو مگر اس کی اجازت سے کر" استنباط فرمایا ہے کہ کسی کی اندرونی حالت بھی ایسے طریق سے نہ دیکھنے کی کوشش کرے چہ جائیکہ تصرف کرنا۔ دریافت کیا کہ حضرت ایسا ہو بھی جاتا ہے فرمایا نسبت تو کیا ہاں توفیق سلب ہو جاتی ہے اور یہ سحر کی قسم ہے۔

یہ کوئی بزرگی کی بات نہیں خیالی قوت کی بات ہے جو کافر بھی کر سکتا ہے۔ بشرطیکہ دوسرا خیال کا کمزور ہو یا بے خیال ہو۔ ان باتوں میں کیا رکھا ہے ویسے یہ تو آپ کو معلوم ہے کہ ایک کافر کو دیکھ کر اثر ہو جاتا ہے۔ اس پر جناب مولوی عبداللہ صاحب جالندھری نے عرض کیا کہ حضرت پھر میرے جیسے کمزور طبیعت اور خام آدمی کو تو ایسے کسی آدمی کی صحبت میں نہ بیٹھنا چاہیے۔ حضرت والا نے فرمایا کہ ہاں نہیں بیٹھنا چاہیے ویسے ایک دوسرے کا اثر تو سب لیتے ہیں مگر جو جھاڑ سکتے ہیں اس کو جھاڑ دیتے ہیں۔

نیز فرمایا کہ ایک بات میں سب کو خصوصاً علماء حضرات کو جو پڑھانے کا کام کرتے ہیں کہنا چاہتا ہوں کہ خواہ دس منٹ میں خواہ دس گھنٹہ میں خواہ دس دن میں یا دس سال میں غرض جتنے عرصہ میں بھی یہ خیال پک سکے پکانے کی کوشش کرنی چاہیے کہ جو کام میں کر رہا ہوں یہ اللہ واسطے ہو۔ ایک تو منہیات ہیں ایک مباحات اور ایک مستحبات وغیرہ۔

سب مباحات بھی اگر اس نیت کے ساتھ کیے جائیں مستحب کا اثر ہوا ور مستحب تو مستحب ہے ہی۔ ایک ہر کام کی اجمالی نیت ہے اور ایک ہر ہر کام کی تفصیلی نیت۔ جس شخص کو یہ مشق ہو جائے غنیمت ہے اگر ایک شخص اس نیت سے ہل چلاتا ہے کہ اس پر اپنے بیوی بچوں کی پرورش واجب ہے تو اس کا ہل چلانا جبکہ غفلت کے ساتھ نہ ہو نوافل سے افضل ہے کہ وہ تو مستحب ہیں اور جو شخص غفلت سے فرائض نماز ادا کرتا ہے اس کے فرائض سے بھی پہلے شخص کا مباح کام افضل ہوا۔ جو لوگ دین کے کام میں لگے ہیں اگر وہ نیت کو خالص اور تفصیلی طور پر تازہ کرتے رہیں تو یہی کام ان کے لیے اکسیر ہے ذکر کی ضرورت نہیں مگر چونکہ ذکر کے بغیر غفلت بھی عموماً ضرور ہو جاتی ہے۔ اس لیے ساتھ کچھ ذکر ضرور لگائے رکھنا چاہیے۔ حضرت شیخ الہند کو ہم نے اسارت مالٹا سے پہلے بھی دیکھا اور بعد میں بھی۔ زمین و آسمان کا فرق تھا۔ بڈھے میاں قید سے وہ کما کر لائے جو تصور میں بھی نہیں آسکتا تھا۔ ایک دفعہ چائے آئی تو کسی نے کہہ دیا کہ حضرت یہ کالی چائے انگریز پیا کرتے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ اگر کالی چائے انگریز پیتے ہیں تو ہم آئندہ سبز چائے پیا کریں گے۔ چنانچہ دیوبند حاضری ہوئی تو دیکھا کہ حضرت شیخ الہند کے لیے مہتمم صاحب کے ہاں سے سبز چائے بنکر آیا کرتی تھی ان کی اس بات میں بھی ایک بات تھی۔

نواب جوناگڑھ یا اور جگہ کے نواب کا واقعہ مولوی عبدالرحمن صاحب کے

دادا کی روایت سے بیان فرمایا کہ نواب صاحب کو امراء اور وزراء نے ایسا اُلو بنایا کہ اس کی والدہ کو ایک جگہ نظر بند کر کے نواب کو کہہ دیا کہ وہ تو فوت ہو گئیں ایک دفعہ عید کے دن ہاتھی پر سوار نواب اپنی والدہ کی نظر بندی کے محل کے پاس سے گزرا تو تاکی میں سے اس کی والدہ نے نواب کو مخاطب کر کے اپنا سر پیٹا کہ میں نے تجھے بڑی مصیبتوں سے

پالا تھا مگر تو نے مجھے قید میں ڈال رکھا ہے۔ نواب ہاتھی پر سے اتر کر دروازے کی طرف سے والدہ کے ملنے کے لیے گھوڑے پر سوار ہو کر چلا تو امراء وزراء دوڑے ہوئے گئے اور فوراً آگئے آدمیوں سے تصدیق کروا کر نواب کو روک دیا کہ حضور اس مکان میں تو آسیب رہتے ہیں۔ اس لیے یہ مکان مدت سے ویران پڑا ہے اور جو کچھ آپ نے تاکی میں دیکھا ہے وہ سب آسیب کی کارستانی تھی نواب لوٹ آیا اور پھر کبھی ادھر کا رخ نہ کیا یہاں تک کہ نواب کی لاعلمی میں آخر اس کی والدہ کا اسی مکان میں انتقال ہو گیا۔ کسی کو جرأت نہ تھی کہ نواب کو صحیح بات سے اطلاع دے کر اپنی موت اور تباہی خریدتا۔

۱۴۔ رمضان المبارک ۱۳۶۵ھ مطابق ۱۲ اگست ۱۹۴۶ء مقام رائپور

مولوی فضل احمد صاحب کو مخاطب کر کے فرمایا کہ مولوی صاحب جناب کو شاید یاد ہے کہ جب سہارنپور سے ہم رامپور کو جانے لگے آپ کو بتایا تھا مولوی صاحب نے کہا کہ ہاں حضرت یاد ہے۔ فرمایا ہم دو طالب علم پیدل جا رہے تھے راستہ میں کئی جگہ ہمارے سفر کا مقصد سن کر بعض لوگوں نے ہمیں کہا۔ انگریزی پڑھو تاکہ کچھ ترقی کر دیہ عربی تعلیم کے پیچھے پھر کر کیوں وقت ضائع کرتے ہو مگر ہمارے خیال ہی کچھ اور تھے۔ اب تو زمانہ ہی بدل گیا ہے۔ پنجاب کے بہت علماء نے تو اپنی اولاد کو اب انگریزیوں میں لگا دیا ہے۔ ایک صاحب سے میں نے کہا تو وہ سن کر باوجود بڑی عقیدت اور محبت کے جلال میں آکر بولے کہ کچھ کھائے بھی۔ میں نے کہا اچھا جیسے آپ کی مرضی۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں مولانا سر رحیم بخش آیا ہی کرتے تھے اور جو ہمارے حضرات سے ان کو تعلق تھا وہ بھی آپ لوگوں کو معلوم ہے تو مولانا سر رحیم بخش صاحب بھی حضرت سے ایک دفعہ کچھ ایسا ہی عرض کر رہے تھے کہ حضرت نے فرمایا کہ مولوی صاحب صحبت کا اثر ہونا آپ کو تسلیم ہے انہوں نے تسلیم کیا تو حضرت نے فرمایا کہ مولوی صاحب جس طرح صحبت کا اثر ہوتا ہے

اسی طرح تصنیف کا بھی اثر ہوتا ہے۔ چنانچہ منطق کی کتابیں جو دراصل مسلمانوں کی ہی لکھی ہوئی ہیں جیسے قاضی مبارک، حمداللہ، ملاحسن یہ سب تو مسلمان ہی تھے مگر ہم دیکھتے ہیں کہ جو علماء صرف دینی تعلیم حاصل کرتے ہیں ان کی اور حالت ہوتی ہے اور جو صرف منطق وغیرہ کا شغل رکھتے ہیں ان کی حالت تکبر تعلی یہاں تک کہ اپنے استاد کو بھی ہیچ سمجھنا آپ لوگ بھی جانتے ہیں اور جو دونوں کا شغل رکھتے ہیں ان پر جو اثر ہوتا ہے وہ نہ تیتر نہ بٹیر الا ماشاء اللہ کہ ان پر کسی اور صحبت کا غلبہ ہوگیا ہو۔ پھر جو لوگ دوسری زبان اور دوسرے علوم اور ان میں دہریوں کی تصانیف پڑھتے ہیں ان کا جو حال ہو سکتا ہے وہ ظاہر ہے بڑے راؤ عبدالحمید خاں صاحب عرض کیا کہ حضرت اب تو ناگری ہی پڑھائی جائے گی اس پر حضرت نے جوش میں فرمایا کہ انگریزی اور ناگری میں کیا فرق ہے ایک پاخانہ تو ایک پیشاب جو لوگ انگریزی کا خیال نہیں کرتے اور ناگری سے بدکتے ہیں وہ عجیب ہیں۔ نہیں معلوم مسلمانوں کی عقل کو کیا ہوگیا۔ ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ انگریزی اور ناگری میں کیا فرق ہے وہ بھی ایک زبان ہے وہ بھی ایک زبان ہے۔ میرا ایک خیال ہے نہیں معلوم کیسا ہے مگر خیال یہ ہے کہ عربی تو اب کوئی لانے سے رہا اب تو دہریت لائے گی ابتداً مذاہب گروہ بندی میں

ہوں گے پھر جو لوگ آئیں گے وہ کہیں گے کہ جب یہی بات ہے تو ہم مذہب کے نام پر کیوں لڑتے رہیں اس لیے ان سب کو چھوڑ دو۔ اس پر شائد مولوی عبداللہ صاحب جالندھری نے دریافت کیا کہ حضرت جب یہی حالات ہونے ہیں تو پھر ہمیں کیا کرنا چاہیے۔ حضرت والا نے فرمایا کہ آپ لوگوں کو کچھ نہ کچھ تو کرتے ہی رہنا چاہیے کوئی مانے یا نہ مانے۔

نیز فرمایا کہ ایک سفر میں مجھے بہاولپور حضرت شیخ الجامعہ (مولانا غلام محمد صاحب) سے ملاقات کا موقعہ ہوا تو حضرت شیخ الجامعہ نے بھی یہی حدیث پڑھی تھی اور اس پر یہی فرماتے رہے تھے کہ اب کوئی سنتا نہیں اور یہ کوئی غیبت نہیں ایک واقعہ ہے اس لیے بیان کرتا ہوں کہ انہوں نے نام تو لیا نہیں مگر میں جی میں یہ سمجھ رہا تھا کہ حضرت مدنی مدظلہ العالی کے متعلق فرما رہے ہیں۔ کیونکہ یہ بڑے میاں ہر طرف ڈنگیاں لگاتے پھر رہے ہیں خواہ قوم سنے یا نہ سنے۔ اس پر رامپور کے مہمانوں میں سے ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت مولانا عبدالوہاب حضرت شیخ الجامعہ کے شاگرد ہیں تو حضرت والا نے فرمایا کہ حضرت شیخ الجامعہ نے حدیث کہاں پڑھی ہے تو (مولانا عبدالوہاب نے) عرض کیا کہ کہیں باقاعدہ نہیں پڑھا ایک دفعہ میں اور حضرت شیخ الجامعہ حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب کی خدمت میں گولڑہ اس لیے حاضر ہوئے کہ حضرت پیر صاحب سے حدیث کی سند کچھ احادیث سنا کر لیں۔ کیونکہ پیر صاحب کا واسطہ حدیث میں مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوری کی وساطت سے شاہ اسحاق صاحب سے ملتا ہے اور سند میں وسائط کی کمی کا خیال ہے کہ ہم گئے تھے اور اس وقت حضرت پیر صاحب کو ہچکی لگ رہی تھی اس لیے پھر کسی وقت آنے کو فرمایا تو ہم دونوں چلے آئے اور پھر کسی دوسرے موقع پر حضرت شیخ الجامعہ نے سند لے لی مگر مجھے پھر موقع نہ ملا۔ حضرت نے فرمایا کہ حضرت شیخ الجامعہ بڑے عالم ہیں

بڑے مستعد ہیں مجھے دوسری مرتبہ بہاولپور جانے کا اتفاق ہوا تو ارادہ تھا کہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوں مگر اپنی کاہلی کے باعث حاضر نہ ہو سکا حضرت نے رامپور کے مولانا عبدالوہاب خان صاحب کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ ایک بات عرض کرنا چاہتا ہوں سال بھر تو اور کاموں میں مشغول ہونا پڑتا ہے مگر رمضان شریف کا ایک مہینہ پابندی سے کسی اعتکاف میں گزارو تاکہ ذکر میں یکسوئی پیدا ہو کیونکہ انسان جب سے پیدا ہوتا ہے اور ہوش سنبھالتا ہے تو دنیا کی طرف متوجہ رہتا ہے چونکہ اس کے نفع نقد ہیں اس لیے پوری توجہ اُدھر ہی ہوتی ہے تو جتنا خیال کو یکسو کیا جا سکے ضروری ہے۔ اس لیے پورا رمضان اور دس دن قبل رمضان چالیس دن تو سال میں کم از کم پابندی کی جائے تاکہ جلد ہو جائے کوئی مسجد ہے جہاں اعتکاف کر سکیں انہوں نے عرض کیا کہ جی ہاں حضرت تو فرمایا بس پھر ہمارے ہاں تو نہیں ہے اعتکاف ہے تاکہ نماز جماعت کے ساتھ مل سکے اور جمعہ بھی وہاں ہوتا ہو تو اچھا ہے۔ رامپور میں تو ہر چھوٹی بڑی مسجد میں جمعہ ہوتا ہے۔

اس مجلس میں حضرت والا نے ایک موقع پر یہ بھی فرمایا کہ ایک مسجد جلوائیوں کے بازار سے لگے چھوٹی سی محلہ میں تھی جس کی سڑک بھی اب مجھے یاد نہیں ایک دفعہ وہاں روٹی کی وجہ کسی نے مجھے ٹھہرالیا اور گھر بتا دیے کہ یہاں سے روٹی لے آیا کرنا میں گیا تو میری آواز پر گھر میں سے مستورات نے آپس میں کہا کہ شاید سقہ ہے پھر کہا نہیں بھنگی ہے شاید پھر کہا کہ ہاں بھنگی نہیں مُلا ہے۔ میں اپنی وہ ڈھوبری جو میں نے کورڑی پہ سے اٹھا کر دھو دھا کر کھانا لانے کو ساتھ لی تھی یہ سنتے ہی وہیں پھینک کر واپس چلا آیا اور پھر نہیں گیا۔

۱۶ ر رمضان المبارک ۱۳۶۵ھ مطابق ۱۴ اگست ۱۹۴۶ء مقام رائپور

رات کی مجلس میں سورہ بنی اسرائیل کی اس آیت کا تذکرہ ہوا جس میں ہے کہ بنی اسرائیل زمین میں دو دفعہ فساد اور تکبر کریں گے اور ان کی سرکوبی کرنے والوں کو خدا تعالیٰ نے عباد لنا قرار دیا ہے جبکہ تاریخوں میں بخت نصر وغیرہ کو کافر بتایا ہے۔ حضرت والا نے فرمایا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے ہاں تکبر و نخوت وغیرہ بہت ہی بُرا سمجھا جاتا ہے۔ ولا تنابزوا بالالقاب کا کیا مطلب ہے یعنی بُرے نام رکھنا طعن تشنیع یہ بھی بُرا ہے اور یہ بھی قرآن مجید میں آتا ہے کہ جب بادشاہ کسی ملک، قوم یا شہر پر قبضہ کرتے ہیں تو وہاں کے معززین کو ذلیل کر دیتے ہیں۔ زمینداروں میں یہ چیز بہت آگئی تھی۔ گاڑھوں کو بھی ذلیل سمجھتے تھے گوجروں کو بھی ایسا ہی سمجھتے تھے اور چماروں کو تو کچھ سمجھتے ہی نہیں۔ اس کے ردعمل میں دوسری قومیں بھی اپنی ترقی اور تنظیم کر رہی ہیں اور اس میں بہت غلو سے کام لے رہی ہیں۔ زمینداروں کے علاوہ دوسرے مسلمانوں میں بھی طعن و تشنیع بہت آگیا ہے۔ اس لیے خواہ قوۃ بیانیہ نہ ہونے کی وجہ سے میں دلائل سے ثابت اور ساکت نہ کر سکوں مگر کچھ وجدان ہوتا ہے۔ کہ اگر یہ انقلاب ہے اور ایسا ہی کچھ معلوم بھی ہو رہا ہے۔ تو ضروری ہے کہ ایسے حالات پیش آئیں جو سخت ناگوار ہوں۔ عزیز الرحمٰن کے والد (مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی) نے زمینداروں میں یہ چیز محسوس کی تو تقریر کر دی۔ مگر وہ زبان کے سخت ہیں لہٰذا اس وقت ان کی بات کئی آدمیوں کو ناگوار ہوئی۔ چنانچہ راؤ نعیم خان صاحب نے اس کا مجھ سے ذکر بھی کیا اور مولانا سے بات بھی کی مگر ایک الیکشن آیا تو جن لوگوں سے بات اور سلام کلام کرنا بھی کسر شان سمجھا جاتا تھا کئی مہینہ ان کے گھروں میں میل جول پیدا کرتے اور خوشامدیں

کرتے پھرتے اور جب کئی ماہ بعد یہاں آئے تو میں نے کہا آپ کو مین سلام اس وقت تو مولوی صاحب کی بات سے بُرا منایا۔ مگر اب یہ حال ہے۔ حضرت والا نے یہ بھی فرمایا کہ جب کوئی کسی قسم کی تقریر کرتا ہے تو ہم بھی متاثر ہو جاتے ہیں۔ مگر جب تنہائی میں بیٹھ کر سوچتا ہوں تو پھر خیال آتا ہے لاحول ولاقوۃ یہ بات کیا تھی۔ چنانچہ کل تو ہم مولانا عبدالعزیز صاحب کے ہمنوا سے ہو گئے تھے مگر آج جب سوچا تو پھر کچھ اور ہی بات سمجھ میں آئی کہ یہ اگر اتفاق ہے تو ہو کر رہے گا اور اسی تکبر نخوت غرور اور تعلی طعن کا نتیجہ اور بھی ہو سکتا ہے۔ بعض حضرات نے تو کتاب بھی لکھ دی جس میں بعض قوموں کی شرعی طور پر برتری اور عزت شرافت اور بعض کو اس کے خلاف ثابت کیا۔ ایسے موقع پر تو اگر کچھ تھوڑی بہت گنجائش تھی بھی یہ نہ لکھنا چاہیے تھا۔ ہم نے دہرہ دون میں پادریوں کے ہاتھ میں یہ کتابیں دیکھیں وہ کہتے تھے کہ اسلام میں انسانی مساوات کہاں ہے علماء تو یہ لکھتے ہیں۔

باقی جمعیۃ کانگرس کا ساتھ کیوں دیتی ہے اس کے متعلق مولوی عبدالعزیز صاحب سے فرمایا کہ مولانا مدنی کے متعلق تو جذبات وغیرہ بیان کئے جاتے ہیں مگر مفتی کفایت اللہ صاحب کے متعلق تو معلوم ہے کہ وہ سیاست کو خوب سمجھتے ہیں۔ ہم نے تو ان کی حقانیت اور ذہانت کی تعریف حضرت شیخ الہند سے سنی ہوئی ہے۔ یہاں خواجہ صاحب نے بیان کیا کہ صدر پٹیل جو بڑا ہی فہیم اور ذہین ہے۔ جس نے بارہا اپنی قابلیت کے اسمبلی میں جوہر دکھائے اور وائسرائے تک سے معافی منگوائی وہ فساد کوہاٹ کی تحقیقاتی کمیٹی کے صدر اور مفتی صاحب اراکین میں سے تھے تو مفتی صاحب کی قابلیت کی پٹیل نے بھی بے حد تعریف کی کہ انہوں نے ایسے سوالات مرتب کئے جو بے نظیر تھے پھر حضرت والا نے بیان شروع کیا کہ بے شک اگر دینی اعلیٰ تعلیم والے تیس سالہ سیاسی تجربہ رکھنے اور پوری توجہ دینے کے بعد بھی سیاست کو نہ سمجھ سکیں تو گویا دینی

تعلیم کچھ تعلیم نہ ہوئی اور پھر ان کو ڈوب مرنا چاہیے مولانا عبدالعزیز صاحب نے فرمایا اگر آپ کو کچھ شبہات ہیں تو ہم دہلی جائیں گے۔ اور آپ مفتی صاحب سے اچھی طرح گفتگو کرنا۔ اس پر مولانا موصوف نے عرض کیا کہ حضرت مجھے بھی تحریک خلافت سے کر اب تک غور کرنے کا موقع رہا ہے اور گفتگو کر کے دیکھی ہے۔ حضرت والا نے فرمایا کہ سنی سنائی باتوں سے کام لینا ٹھیک نہیں تو مولانا صاحب نے عرض کیا حضرت!

مجھے تو یاد ہے شائد حضرت کو یاد آجائے جب حضرت شیخ الحدیث[1] کے ہاں حضرت مدنی مدظلہ العالی سے گفتگو ہوئی تھی اور آپ دونوں حضرات بھی حضرت مدنی سے بحث کر رہے تھے۔ اس پر حضرت والا نے فرمایا کہ وہ چلتے جاتے ایک آدھ ادھوری بات ہو جانا یا لیے آدمی سمجھ کر مذاق میں کچھ کہہ دینا گفتگو نہیں ہوتی۔ اور پھر مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب سے اس سلسلہ میں گفتگو کرنا میرے نزدیک اور بات ہے کیونکہ مفتی صاحب سیاست کو میرے خیال میں سمجھ کے اعتبار سے زیادہ سمجھتے ہیں اور حضرت شیخ الحدیث کے متعلق یہ ہے کہ تقویٰ میں خواہ کتنے بڑھے ہوئے ہوں مگر ان باتوں میں زیادہ نہیں پڑے اور میرے نزدیک سیاسیات سے اتنے واقف نہیں تو اگر آپ کو شبہ ہے اس کا طریق یہی ہے کہ میں بھی چلوں اور تم بھی۔

---

۱۷ رمضان المبارک ۱۳۶۵ھ مطابق ۱۵ اگست ۱۹۴۶ء بمقام رائپور

فرمایا حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے دو آدمیوں کو مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ جاتے ہوئے

---

[1] حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی

ایک خاص راستہ سے جانے کے لیے منع فرمایا تھا مگر انہوں نے نہیں مانا. ایک کے متعلق تو ہمیں معلوم ہے کہ اس کا اونٹ لوٹا گیا اور اونٹ سے گر کر اس کی ٹانگ ٹوٹ گئی دوسرے کے متعلق کچھ علم نہیں ہوا کہ اس پر کیا گزری فرمایا کہ یہ کشف نہیں تھا بلکہ بعض اوقات اللہ کے بندوں کے دل پر کچھ ایسی بات گزر جاتی ہے یہ کچھ ملکہ کی قسم کی چیز ہے. جیسے مجتہد کہ اس کو مہارت تامہ کی وجہ سے بعض امور کی طرف رجحان ہو جاتا ہے اور وہ کشف نہیں ہے. مصیب ہوتا ہے تو دو ثواب پاتا ہے اور خطا کرے تو بھی ایک ثواب پاتا ہے. اس پر مولوی حبیب الرحمن صاحب رائپوری نے عرض کیا کہ حضرت یہ کیا بات ہے. کہ باہمی اختلاف ہوتا ہے فرمایا کہ یہ طبائع اور مناسبت کا اختلاف بھی ہوتا ہے اور اجتہادی اصولوں کا بھی چنانچہ ایک مولوی صاحب جو آج کل بھوپال کے مفتی ہیں. جب حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ کی خدمت میں حدیث پڑھنے آئے تو حضرت گنگوہی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ جب تک آپ مجھ سے نور الانوار نہ پڑھ لیں میں حدیث نہیں پڑھاؤں گا. کیونکہ ہر جگہ کی دماغ سوزی کے بجائے اصول میں جب بات طے ہو جائے تو پھر ہر مقام کو اس کے مطابق حل کر لینا آسان ہو جاتا ہے. ان مولوی صاحب کا رجحان بدعات کی طرف تھا مگر حضرت کو ان کی رعایت منظور تھی اس لیے پڑھانے سے انکار نہیں کیا. ہاں اصول کی کتاب پڑھنے کی شرط لگا دی جس طرح مجتہدین کا سلسلہ ہوتا ہے اسی طرح اولیاء اللہ میں بھی اس فن کے مجتہد ہوتے ہیں چنانچہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ تصوف میں مجتہد گزرے ہیں کسی سوال کے جواب میں حضرت والا نے یہ بھی فرمایا کہ ہمارے علماء کا بڑا احسان ہے جو انہوں نے یہ قاعدہ بیان کر دیا کہ کسی کا کشف دوسرے کے لیے حجت نہیں ورنہ بڑی مشکل پیش آتی یہ بھی فرمایا کہ اولیاء اللہ لاتنے ہوئے ہیں کہ میں انھیں اسلام کی صداقت کی دلیل کے طور پر

بیان کیا کرتا ہوں۔ کسی صاحب نے دریافت کیا کہ حضرت اولیاء اللہ کو غیب کی باتوں کا علم ہو جاتا ہے یا نہیں اور جو ہونا مانتے ہیں ان کو کافر سمجھنا چاہیے یا نہ۔ فرمایا کافر تو نہیں کہنا چاہیے کیونکہ کافر تو وہی ہوتا ہے جو کسی دوسرے کا علم خدا تعالیٰ کے برابر بلانے اور اس طرح خدا کا دوسرے کو شریک ٹھہرائے ایک صاحب نے کہا کہ حضرت! بریلوی حضرات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کو برابر تو نہیں قرار دیتے۔ دوسرے صاحب نے کہا کہ ان میں دو فرقے ہیں۔ بعض برابر نہیں مانتے حضرت والا نے فرمایا کہ مولوی احمد رضا خان صاحب نے جن دنوں رسالہ . . . لکھا تو میں بھی بریلی ہی میں تھا۔ تمام دن وہاں اسی کے رد و ثبوت کا سلسلہ جاری رہتا۔ ایک صاحب نے کہا کہ حضور نے خود اپنے سے قیامت کے علم کی نفی فرمائی ہے البتہ علامات کا ذکر فرمایا ہے۔ حضرت والا نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت کے جس علم کی نفی فرمائی ہے وہ شاید تفصیلی علم ہو اور یہ کہ کب، کس دن کس وقت ہوگی اس کا علم نہ ہوگا۔ ورنہ علامات اور قیامت میں پیش آنے والے واقعات کا تو حضور نے بیان فرمایا ہی ہے۔ تو غرض یہ ہے کہ کلی علم اور خدا تعالیٰ کے برابر علم اور بغیر عطائے الٰہی خود بخود علم ہونا یہ خدا کے سوا اور میں نہیں اور جو یہ مانے وہ مشرک کافر ہے۔ اس لیے ایسے باہمی مسائل کے اختلاف میں کافر کہنا میرے نزدیک درست نہیں ہے۔

عزیز الرحمٰن صاحب نے دریافت کیا کہ حضرت یہ صوفیوں کا سلسلہ اسلام کے شروع میں تو معلوم نہیں ہوتا کب سے شروع ہوا ہے یہ بیعت لینے کا رواج کب سے ہے۔ حضرت نے عزیز الرحمٰن سے فرمایا تم لکھے[1] نہ پڑھے نہ کچھ معلوم اور ہر بات میں دخل تم تو لیڈر محض ہو اگر غور سے سنو تو کچھ کہوں سنو۔ جب تک خلافت میں یہ بات رہی

---

[1] عزیز الرحمٰن صاحب جیانوری سے شفقت خصوصی کی وجہ سے ایسے الفاظ فرمائے۔

کہ وہ صفت احسان سے متصف رہے اس وقت تک بیعت نہ تھی مگر خلافت کی البتہ صحبت تھی انبیاء کا آنا بھی اسی لیے تھا کہ صحبت کے بغیر اخلاق کی اصلاح نہیں ہوتی۔ نبی صرف لڑنے بھڑنے کے لیے نہیں آیا کرتے۔ وہ تو لوگوں کی اخلاقی تربیت اور روحانی ترقی کے لیے آتے اور تبلیغ کرتے ہیں۔ مگر یہ کام کمال کو آسانی سے تبھی پہنچ سکتے ہیں کہ امن ہو اور موانع رفع کئے جائیں اس لیے سلطنت کی ضرورت پیش آتی ہے۔

خواجہ صاحب[۱] نے سوال کیا کہ حضرت سلطنت کی اگر اوّل میں اہمیت نہیں تو ثانوی حیثیت تو ثابت ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ ہاں جب موقعہ ہو مگر ہے انسانی فلاح کے لیے۔ چنانچہ آیت شریفہ پڑھی کہ نماز، زکوٰۃ وغیرہ کو ہی انسانی فلاح کا موجب قرار دیا ہے۔ عرب کی سرحدوں کی حفاظت شروع میں مطلب تھی اور تبلیغ بھی جس کی وجہ سے روم و ایران سے ٹکر ہوئی اور جہاد کرنا پڑا پیغمبر اسلام جب کہیں جاتے تھے تو یہی کہتے تھے کہ تم مسلمان ہو جاؤ گو پھر ہم تمہارا ملک تمہارے ہی قبضے میں چھوڑ کر چلے جائیں گے ہمیں ملک گیری سے سروکار نہیں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہر فن کو جس کی طبیعت اس کے موافق تھی لیا۔ جب خلافت باطنی کیفیات کی جامع نہ رہی اور خلفاء محض سلطنت میں ہی الجھ کر رہ گئے تو جس طرح محدثین پیدا ہوئے کہ حدیث کو سنبھالیں۔ قاری ہوئے کہ قرآن پاک کو اپنے اساتذہ کے عربی لحن میں پڑھنے کی حفاظت کریں اسی طرح جو لوگ مسلمانوں کو صحبتوں کے ذریعہ صفت احسان حاصل کرنے میں مناسب کارآمد اور موزوں تھے اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں یہ خدمت ڈالی۔ چنانچہ بعض صوفی مجتہدین تبع تابعین تو ضرور ہوئے ہیں۔ جیسے صحبت کا سلسلہ حضرت

۱؎ خواجہ عبدالحیؒ صاحب فاروقی رح

علی رضی اللہ عنہ پر کثرت سے اور نقشبندی سلسلہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ دونوں تک پہنچتا ہے یہ سب اس لیے ہیں کہ حدیث شریف میں آیا۔ الاحسان ان تعبد اللّٰہ کانک تراہ وان لم تکن تراہ فانہٗ یراک۔

---

۱۸ ار رمضان المبارک ۱۳۶۵ھ ۱۶ اراگست ۱۹۴۶ء جمعہ رائے پور

مولانا حبیب اللہ صاحب نے مثنوی کا شعر پڑھا۔

کور کورانہ مرو در کربلا تانیفتی چوں حسینؓ اندر بلا

اور حضرت کی خدمت میں عرض کیا کہ حضرت امام حسینؓ نے کربلا جانے میں کیا کوئی غلطی کھائی تھی جس کی طرف اس شعر میں اشارہ ہے کہ کربلا میں نہ جا تاکہ حضرت امام حسینؓ کی طرح مصیبت میں نہ پڑے۔

حضرت والا نے فرمایا کہ شعر کا مطلب ہمیں پتہ نہیں مگر حضرت امام حسینؓ اور تمام صحابہ کرامؓ کے متعلق ایسا کہنا بُری بات ہے۔ ہرگز ایسا خیال نہیں کرنا چاہیئے۔

ایک دفعہ مجھ سے بعض آدمیوں نے کہا کہ اس معاملہ میں ہمیں آخر تحقیق کرنی چاہیئے تو میں نے کہا کہ بس تحقیق وحقیق رہنے دو۔ کہاں کے محقق بنتے ہو۔ حضرت مولانا محمد انوریؒ نے عرض کیا کہ امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے کہ صحابہؓ کا ہر ارشاد ہم سر آنکھوں پر رکھیں گے اور ان کے بعد والوں کے معاملہ میں ہم سینگ سے سینگ اڑا دیں گے۔ حضرت والا نے اس پر فرمایا، امام صاحب بھی اس زمانے کے ہیں۔ اس لئے اپنے ہم عصروں کے متعلق کہنے کا ان کو حق پہنچتا ہے۔ باقی صحابہ رضی اللہ عنہم سب عدول ہیں۔ اگر ایسا نہ مانیں گے تو کوئی علم دین کا مضبوط بنیادوں پر قائم نہ رہ سکے گا آخر دین تو سب ان کے ذریعے ہی پہنچا ہے۔

۲۱ رمضان المبارک ۱۳۶۵ھ مطابق ۱۹ اگست ۱۹۴۶ء رائپور

رات کی مجلس میں حضرت والا نے سورۃ والتین کی آیت لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم ثم رددنٰہ اسفل سٰفلین ۝ الا الذین اٰمنوا وعملوا الصٰلحٰت فلھم اجر غیر ممنون ۔ کی تفسیر میں فرمایا کہ خدا تعالیٰ نے انسان میں بڑی صلاحیت رکھی ہے اور اسے عالم ناسوت میں بھیج دیا تاکہ وہ ترقی کرے کیونکہ جو کوئی یہاں کی سرد گرم نہ چکھے اس کی تربیت و ترقی نہیں ہوتی جو ایمان لاتے اور عمل نیک کرتے ہیں ان کے لیے اجر غیر ممنون ہے مولوی عبداللہ صاحب جالندھری نے دریافت کیا کہ حضرت جو گناہ ہو جاتے ہیں ان سے جب توبہ کرتے ہیں اگر وہ توبہ قبول ہو گئی تو پھر اس برائی کے اعادہ کی نوبت نہ آنی چاہیے ؟ حضرت والا نے فرمایا کہ یہ بات نہیں ۔ بار بار توبہ سچے جی سے کرو اگر سچے جی سے توبہ ہو تو قبولیت کی توقع ضرور ہے خواہ وہ گناہ پھر سرزد ہو جائے مگر اس وقت اس کا ارادہ یہ ہو کہ آئندہ نہیں کروں گا ۔ پھر فرمایا کہ آپ تو محدث ہیں حدیث میں آتا ہے کہ اگر لوگ گناہ نہ کرتے تو خدا تعالیٰ اور مخلوق گناہ کرنے والی پیدا کرتا کہ وہ گناہ کرتے اور توبہ سے بخشے جاتے اور اگر انسان سے گناہ نہ ہو تو وہ ملک محبوس ہو جائے اور فرشتوں کی طرح وہ بھی ترقی نہ کرے گناہ ہو جانا بھی انسان کی ترقی کے لیے بعض اوقات ذریعہ بن جاتا ہے ۔ عاجزی کا احساس ہو جو عین مقصود ہے اور اس دربار میں تو عاجزی ہی سب کچھ ہے اور تکبر ہی محرومی کا باعث ہے ۔ احادیث میں آتا ہے کہ خدا تعالیٰ اپنے گناہ کرنے والے بندوں سے جو توبہ کرتے ہیں خوش ہوتا ہے ۔ کہ

انہوں نے مجھے رب سمجھا اور حضرت ماعزؓ کی توبہ کا ذکر تو آپ کو یاد ہی ہوگا۔

۲۲۔ رمضان المبارک ۱۳۶۵ھ مطابق ۲۰ اگست ۱۹۴۶ء بروز منگل رائپور

رات کی مجلس میں مولانا مولوی حبیب اللہ صاحب بہاولپوری نے عرض کیا بعض صوفی بزرگوں کے عشق مجازی کے متعلق اشعار ہیں کہ عشق مجازی عشق حقیقی کے لیے کارساز ہے اور ایسے قصے بھی مشہور ہیں۔ تو ان کی کیا حقیقت ہے۔

اس پر حضرت والا نے فرمایا کہ میرے نزدیک ایسے اشعار کا یہ مطلب ہے کہ اگر سالک کو اپنے شیخ کی محبت بڑھ کر عشق کے درجہ کو پہنچ جائے تو اس کا انجام باری تعالیٰ کا عشق ہوتا ہے۔ جیسا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت انتہا کو تھی کیونکہ جس کی محبت ہو محب اس کے اخلاق اور اس کی ہر خوبی سے حصہ پاتا ہے۔ باقی یہ قصے ممکن ہے کوئی طبیعت ایسی جو کسی طرح بھی نہ چلتی ہو تو ایسا عشق اس کے جمود کو توڑ کر حرکت میں لائے اور پھر اس کو خوبیٔ قسمت سے کوئی ایسی ٹھوکر لگے کہ وہ ادھر سے لوٹ کر حسن و خوبی کے خالق کی طرف متوجہ ہو جائے تو جس کے ساتھ ایسا معاملہ ہوا ہوگا وہ اس کو بیان کرے تو صحیح ہے مگر یہ قاعدہ اور کلیہ نہیں اور یہ بھی ہے کہ اگر ایسے عاشق کو وصال ہو جائے تو پھر یہ انتقال نہیں ہوتا پھر یہ ممکن ہے اور وہ بھی پرانے زمانہ میں اس کی کوئی مثال مل جائے تو مل جائے۔ آج کل کے پر فسق ماحول میں تو بالکل نہ چاہیئے اور یہ تو ایسا ہے جیسا کسی نے زہر کھا لیا مگر خدا نے فضل کر دیا کہ وہ کسی اور مرض کے ازالہ کا باعث ہو گیا اور کسی وجہ سے زہر کھانے والے کو اتفاقاً

ہلاکت سے بچانے والا تریاق مل گیا اور یہ بھی سب شاذ و اتفاقی ہے۔ ورنہ یہ حقیقۃً
زہر کھانا ہے۔ دراصل شیخ سے عشق کا نام عشق مجازی ہے۔ کیونکہ حقیقۃً شیخ اور پیغمبر باری تعالیٰ
کے غیر ہی تو ہیں۔ انسان خدا سے براہِ راست محبت کرے یہ طبعی بات ہے لہٰذا شیخ
سے محبت اُس کا ذریعہ بن جانی آسان ہے۔ نیکوں کی محبت کا بھی یہی حکم ہے کیونکہ محبت
انسان میں وہ رنگ لاتی ہے جو محبوب میں ہو یہ بھی فرمایا کہ ذکر تو آہستہ آواز سے ہی کرنا
چاہیے اور حضرت والا نے کر کے بھی دکھلایا کہ حضرتؒ نے تو مجھے اس طرح کر کے بتایا
تھا۔ مگر خود بخود شوق میں اگر آواز بلند ہو جائے تو وہ جہر وہ نہیں جس کی ممانعت آئی
ہے کہ چلا کر ذکر نہ کرو۔ میرا حجرہ حالانکہ مدرسہ کے پاس تھا مگر جہر کی وجہ سے مدرسہ
اور دیگر قسم کے شور و غل بالکل سنائی نہیں دیا کرتے تھے اور رفع خیالات اور یکسوئی کے
خیال سے اگر شیخ کسی کو زور کے ذکر کو فرمائے تو وہ ازالۂ مرض کے لیے ہے۔ علاج
کے لیے ایسا کرنا منع نہیں ہے اور یہ ذکر جہر کچھ صحبت کی کمی کو بھی تھوڑا بہت پورا کرتا
ہے۔ ورنہ اصل تو صحبت ہے۔ غلام مصطفٰے صاحب کو اور بعض اور حضرات کو مخاطب کر کے
فرمایا کہ اپنے مسلک پر سختی اور لوگوں سے نرمی یہ ہم نے اپنے بزرگوں میں دیکھی اوروں میں ہونے
کا انکار نہیں مگر اوروں کی صحبت کا ہمیں اتفاق نہیں ہوا۔ اپنے بزرگوں کو اگر ہم نہ دیکھتے
تو یا تو یوں سمجھتے کہ سلسلہ یونہی ہے یا یہ کہ پہلے کوئی بزرگ ہوں گے جن کا ذکر کتابوں میں ہے
ہمارے حضرت کے ایسے اخلاق تھے کہ مداہنت ذرہ بھر نہ تھی۔ مگر درست بات
حالانکہ تلخ ہوتی ہے ایسے نرم طریق پر فرمایا کرتے کہ گویا والدہ گود میں بٹھا کر سمجھا رہی ہے
میرے اندر تو یہ بات نہیں مگر اپنے بزرگوں میں ضرور دیکھی ہے اور اس کا نام حسنِ
معاشرت ہے۔ جو نہایت ضروری ہے۔

عزیزالرحمٰن نے دریافت کیا کہ حضرت اسلام نے معاشرت کی کچھ ایسی باتیں بھی بتائی ہیں جو بغیر جغرافیائی اختلاف کے ہر جگہ یکساں قابل عمل ہوں حضرت والا نے فرمایا ہاں ۔ مثلاً یہ کہ اپنے بھائی کے لیے وہی چاہو جو اپنے لیے چاہتے ہو ۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ اگر اس ایک حدیث پر عمل ہو جائے تو دنیا کے جھگڑے مٹ جائیں اور برائے نام کوئی جھگڑا رہے ۔ پوشاک کے متعلق عزیزالرحمٰن کے سوال کرنے پر حضرت والا نے فرمایا کہ اسلام نے کوئی خاص پوشاک مقرر نہیں کی البتہ پوشاک میں بعض امور سے منع فرمایا ہے اور ستر پوشی کو لازم کیا ہے ۔ تو جس پوشاک میں ستر پوشی ہو اور منہی عنہ امور نہ ہوں وہ جائز اور اپنے صالحین کا لباس اختیار کرنا افضل ہے ۔ مثلاً ہندوستان میں جو لباس اہل اللہ نے اختیار کر رکھا ہے نہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے نہ اہل عرب کا ہندوستان کا قومی اور ملکی لباس ہے ۔ تو جو چیز اس میں صلحاء اختیار کرلیں وہ اوروں کے لیے قابل اختیار اور افضل ہو جاتا ہے ۔

---

۲۵ رمضان المبارک مطابق ۲۳ اگست ۱۹۴۷ء بروز جمعہ

ایک دن حضرت والا نے فرمایا عشق مجازی بہر حقیقت کارساز بعض اوقات ہو بھی جاتا ہے بشرطیکہ وصال نہ ہو خواہ وہ عشق کسی عورت سے ہو مگر یہ کلیہ نہیں چنانچہ میاں صاحب یعنی خان صاحب عبدالرحمٰن تھانوی جو حضرت والا کے پیر بھائی تھے ان کا قصہ بیان فرمایا کہ وہ بہت غصیار سے تھے اور کسی انگریز افسر کے نوکر تھے تو ایک شخص اس انگریز کی ملازمت میں نمازی آگیا ۔ تو اس خیال سے کہ یہ نماز کے لیے کہا سنا کرے گا ایک چینی کا برتن توڑ کر اس کے ذمہ لگا کر اس کو نکلوا دیا مگر اس ملازمت

کے بعد بیل گاڑی کرایہ پر چلا کر کسب معاش کرتے تھے۔ ایک دفعہ جمنا پار کے کسی گاؤں کے لیے کسی بنیا نے ان کی بہلی کرایہ پر کی راستہ میں ایک جگہ بہلی میں سے عورت نے اتر توقف ساتھ کے بنیا سے کہا کہ میں تو کھانا نہائے بغیر نہیں کھاؤں گی میری ہانڈی کا پلہ مُسلے یعنی اس مسلمان پہلوان سے چھو گیا ہے۔ خان صاحب نے بھی یہ سُن لیا نہایت غصہ اور غیرت آئی۔ ہر چند بنیا ان کو بھی کھانا دینے کی کوشش کرتا تھا مگر انہوں نے بھوکا رہنا گوارا کیا اور خلاف معمول کھانا نہیں لیا۔ ان کے طبعی میلان کا اثر بنیانی پر یہ ہوا کہ وہ کہنے لگی کہ میں تو عبدالرحمٰن کے ساتھ مسلمان ہو کر نکاح کر جاؤں گی۔ جب اس قصہ نے طول پکڑا تو بنیوں نے اس عورت کا گلہ گھونٹ کر مار کر لے جمنا میں بہادیا۔ خان صاحب پر اس کے عشق کا یہ اثر ہوا کہ اس کے فراق میں تڑپنے لگے اور مدتوں یہی حالت رہی آخر ایک دن مسجد میں تھے اور تڑپ رہے تھے کہ بغیر بادل آسمان پر ایک بجلی سی کوندی اور آواز آئی کہ عبدالرحمٰن ادھر کیا دیکھتا ہے ادھر دیکھ۔ چنانچہ جو عشق اس عورت کا تھا اب اس نئی چیز کی طرف منتقل ہو گیا۔ میاں صاحب نے ایک موقعہ پر اللہ میاں کے حضور عرض کیا کہ باری تعالیٰ یہ کیسے ملے فرمایا گیا کہ شیخ کے ذریعہ اور شیخ کی پانچ چھ علامتیں بیان فرما دی گئیں کہ تمہارا شیخ جس کے ذریعہ تجھے یہ ملے ایسا ہوگا۔ چنانچہ کلکتہ سے پشاور تک بے ٹھور بے گھر ہو کر گیارہ سال تک شیخ کی تلاش میں پھرتے رہے مگر کوئی ایسا شیخ نہ ملا جس میں بتلائے ہوئے تمام نشان پائے جاتے۔ یہاں تک کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو وہ تمام نشان پائے اور یہیں بیعت ہو کر بڑے مرتبہ کو پہنچے۔ حضرت والا نے فرمایا کہ اگر میاں صاحب کے حالات میں نہ سنتا تو حضرت پیران پیر کے کتابوں میں بیان کیے گئے حالات کو یا تو

مبالغہ یا کہانی سمجھتا یا یہ کہ وہ اس زمانہ میں نہیں ہو سکتے۔ مگر میں نے اور حضرت بہاولنگری رحمہ اللہ نے ان سے مدتوں اصرار کیے تو انہوں نے کچھ حالات بتلائے تو معلوم ہوئے۔ مثلاً نفلوں میں کھڑے ہیں غربت کی وجہ سے کئی دن کا فاقہ ہے۔ مگر رات کو مسجد کی محراب سے ایک تشت گرم گرم پلاؤ کا میاں صاحب کی طرف بڑھتا چلا آرہا ہے۔ یہاں تک کہ منہ تک آگیا اور ناک جلنے لگی اور پھر غائب اور یہ اپنے نفلوں سے نہیں ہٹے۔ کبھی نہایت بڑا سانپ یعنی اژدہا نفلوں میں آس پاس پھر رہا ہے۔ کبھی گھڑا بھر کر لاتے ہیں پینے کو مگر اس میں گوبر گوبر ہو گیا پھر لے دھو کر پاک کر کے بھر لائے پھر ایسا ہی کچھ ہو جاتا وغیرہ وغیرہ۔ یہاں ایک حجرہ میں ہوتے ایک دفعہ کسی نے اچانک حجرہ میں جانے کی جرأت کی تو سانپ کو دیکھ کر بھاگا تو میاں صاحب نے فرمایا کہ اچانک اس طرح نہیں آنا چاہیے اور ایسے ہی بہت حالات تھے۔ تبلیغ بھی میاں صاحب جیسے لوگوں کی تھی۔ بعض بعض آدمی کو نیکی کی طرف لانے کی کوشش میں کئی کئی سال خرچ کر ڈالتے اس سے اللہ واسطے کی دوستی لگا کر مانوس کرتے۔ ایک دفعہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے کوئی بات آئی ہوگی۔ تو حضرت نے فرمایا کہ مٹی کے برتنوں کی دکان کر لو اب تھانہ بھون میں مٹی کے برتنوں کی دکان کر لی۔ دکان کے سامنے ایک رنڈی چوبارہ میں رہتی تھی۔ اس کا یہ کام تھا کہ چوبارہ سے اتر کر میاں صاحب کی دکان پر آبیٹھتی لوگ کہتے واہ میاں صاحب خوب کام بنا ہے مگر تھوڑے عرصہ میں رنڈی تائب ہوئی اور کسی سے نکاح کر لیا۔ چنانچہ میں نے دریافت کیا کہ میاں صاحب وہ دکان پھر کیا ہوئی تو فرمایا کہ معلوم نہیں کیا ہوئی۔ تبلیغ ان کی تبلیغ تھی اور بھی ایسے بہت قصے ہیں۔

---

۲۶ رمضان المبارک ۱۳۶۵ھ مطابق ۲۴ اگست ۱۹۴۶ء بروز ہفتہ رائپور

مولوی حبیب اللہ صاحب نے عرض کیا حضرت سنا ہے کہ حضرت کے ہاں سات پشت سے حافظ چلے آتے ہیں۔ فرمایا اگر اللہ نے ان کو قبول کر لیا تو ان کے لیے مبارک ہے ہم کو کیا ہماری تو وہی حقیقت ہے کوئی مجھ کو کہیں پوچھتا نہیں تھا جب یہاں حضرت کی خدمت میں آیا ہوں تو پیدل آیا ہوں یہ اپنی اوقات تھی۔ بہت ٹھہرنا ہوا تو لوگوں نے باجرے یا معلوم نہیں کاہے کی روٹی کھانے کو دی جو میں نے نہایت غنیمت سمجھی یہاں بھی خیال تھا کہ چنے کھایا کریں گے روٹی تو ہم کو کون دے گا مگر اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ بڑے آرام سے گزری۔ مولوی اکرام الحسن صاحب کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ خاندان ان کا ہے یہ فخر کریں تو بنتا ہے۔ اور مولانا عبدالعزیز صاحب کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ یہ خاندان ان کا ہے۔ یہ فخر کریں تو بنتا ہے ان کے نانا جی حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی جوتیوں کی برکت سے ہوا ہے جو ہوا ہے۔ بس ورنہ میں تو کچھ نہیں نہ کچھ خاندان ہے۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ پڑھے تو اس طرح تھے کہ جب شاید پانچ سال کے تھے تو فرمایا کہ خواب میں حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت ہوئی آپ نے توجہ دی کہ میرا بدن پانی پانی ہو گیا پھر اپنی حالت پر آیا تو فرمایا کہ پڑھ لو پھر حضرت نے پڑھنا شروع کیا اور سہارنپور میں جب پڑھنے آئے تو اس زمانہ میں طلباء بڑے نیک ہوتے تھے عصر کے بعد آج کل کی طرح سیر سپاٹا نہیں کرتے تھے کسی بزرگ کی صحبت میں پہنچ جاتے تو سہارنپور میں حضرت میاں صاحب (عبدالرحیم) سہارنپوری کی

خدمت میں اور طالبعلموں کے دستور کے مطابق حضرت رحمۃ اللہ علیہ بھی حاضر ہوا کرتے تھے۔ ایک دن حضرت میاں صاحب نے فرمایا کہ آپ سے بیعت کر لوں چنانچہ یہ بھی اللہ کی طرف سے ہوا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا معمول کبھی کبھی خاموشی اور پوشیدہ طور پر پیران کلیر جانے کا تھا۔ چنانچہ حضرت حاجی صاحب[1] فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت رائپور سے پیران کلیر کے ارادہ سے چلے میں بھی ساتھ تھا اور طے ہو گیا تھا کہ راستہ میں کہیں مولوی صاحب نہ کہیں جب حضرت گھنا دپہنچے تو بستی سے پہلے ہی پوچھا کہ حاجی کوئی باہر کا راستہ ہے جو بستی سے باہر باہر نکلتا ہو میں نے عرض کیا کہ ہے اس راستہ پر جا رہے تھے کہ ہمارے رشتہ داروں میں سے ایک صاحب آگے مل گئے۔ فرمایا کہ آہا میں تو تمہارے انتظار میں ہی تھا۔ کھانا کھلائے بغیر نہ جانے دوں گا حضرت نے بہت معذرت کی تو عرض کیا اچھا ذرا ٹھہر و اور کچھ آٹا گوشت وغیرہ کھانے کا سامان گھر سے لا کر اور ساتھ ہو لئے کہ جہاں جا کر ٹھہرو گے وہاں پکا کر کھلاؤں گا۔ چنانچہ مغرب کے وقت فتح پور تھانہ کی مسجد میں پہنچے راستہ میں سمجھا دیا تھا کہ مولوی وغیرہ کچھ نہ کہنا اور مسجد میں تینوں اکیلے اکیلے بیٹھنا حاجی صاحب نے فرمایا کہ میرے منہ سے نکل گیا کہ مولوی صاحب تو حضرت بہت ہنسے۔ خیر وہاں نمازی آئے اندھیرا تھا ایک صاحب نے چراغ لیا اور چراغ سے ہر شخص کو دیکھتا گیا حضرت کے برابر پہنچا تو کہا آہا میں تو آپ کو ہی دیکھتا تھا۔ حضرت نے ان سے بھی معذرت کی مگر پیش نہ گئی

---

[1] حضرت حاجی عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ

تو فرمایا کہ اچھا اس وقت تو گھمنا ور والے کھانا پکا کر کھلائیں گے۔ صبح آپ کھلا دینا صبح گھمنا ور والے کو تو واپس بھیج دیا اور کھانا کھا کر وہاں سے چلے پیران کلیر کی مسجد میں تنہائی میں وقت گزرنے لگا نہ دن بھر کچھ کھایا نہ رات کو نہ اگلے اور اگلے روز، ملاجی صاحب فرماتے تھے۔ کہ حضرت نے مجھے فرمایا کچھ چنوں کے ستو تیار کر لو میں نے بھنے چنے خرید کر میں کر ستو تیار کر لیے اور میری جیب میں ایک چائے پینے کی پیالی تھی اس میں گھولے۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے کچھ کھائے اور باقی کو فرمایا کہ تم کھا لو۔ رات کو حضرت تھوکنے کے لیے مسجد کی نالی کی طرف گئے اور کھنکھارے تو سامنے سجادوں کے ہاں خادم حسین صاحب گیگھر کے موجود تھے ان کے سجادہ صاحب سے تعلقات تھے۔ انہوں نے کھنکھار پہچان لی اور کہا آہا مولوی صاحب آج تو پکڑے گئے اور مُلّاجی صاحب سے اور بھی شکوہ کیا کہ مولوی صاحب کا اتنا شکوہ نہیں مگر آپ سے بہت شکوہ ہے چوری چوری آکر چلے جاتے ہیں۔ چنانچہ فوراً ایک کمرہ سجادہ صاحب نے خالی کر کے حضرت کے لیے صاف کرنے کا انتظام شروع کر دیا مگر حضرت نے ملاجی صاحب کو فرمایا کہ تنہائی کا مزہ جاتا رہا اور پیشاب وغیرہ کے بہانے سے دونوں وہاں سے چل دیے اور سہارنپور پہنچ گئے۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا گیا کہ حضرت آپ کو حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف رجوع کرنے کی کیسے نوبت آئی جبکہ آپ حضرت میاں صاحب سہارنپوری سے مجاز تھے تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایک دفعہ پیران کلیر حاضری ہوئی۔ گلابی جاڑے کا موسم تھا۔ رات کو مسجد میں لیٹا تو گرمی محسوس ہوئی باہر آکر ہلکی دلائی تھی لے کر لیٹا تو

بوندیں برسنے لگیں اندر چلا گیا پھر بارش بند معلوم ہوئی تو باہر آ لیٹا پھر بوندیں اتر آئیں۔
دو دفعہ ایسا ہی ہوا تو تیسری مرتبہ باہر آ کر لیٹا تو ارادہ کر لیا کہ خواہ زور کی بارش ہو
باہر ہی لیٹا رہوں گا۔ بارش شروع ہو گئی اور خوب بارش کا برسنا محسوس ہوا اور خیال ہوا کہ
رضائی تو اب بھیگ گئی ہے مگر جب دیکھا تو نہ فرش بھیگا تھا نہ رضائی بھیگی سب لوگ
سو رہے تھے۔ رات کو آواز آئی عبدالرحیم۔ میں سمجھا کہ کوئی اس نام کا خانقاہ کا خادم ہے
کوئی اسے آواز دے رہا ہے۔ کئی بار جب آواز آئی تو میں بولا تو آواز آئی ہاں تمہیں کو
بلاتا ہوں ـــــ یہاں کی برکت اور دولت اب گنگوہ میں پہنچ گئی ہے تمہارا حصہ
وہاں حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی کے پاس ہے۔ وہاں سے جا کر لے
لو۔ وہاں سے چلا آیا مگر حضرت گنگوہیؒ کی خدمت میں نہیں گیا۔ یہاں تک کہ حج کو جانا ہوا
وہاں حضرت حاجی صاحبؒ اس وقت حیات تھے۔ حضرت حاجی صاحب علیہ الرحمۃ
کی خدمت میں حاضری ہوئی تو حضرت نے فرمایا کہ تم حضرت گنگوہی کے پاس جاؤ اور
حضرت حاجی صاحب نے خط بھی حضرت گنگوہی کے نام عنایت فرمایا۔ چنانچہ واپس آ کر
گنگوہ حاضری ہوئی۔ حضرت کی خدمت میں خط پیش کیا۔ سہارنپور میں اپنے استاد کی
خدمت میں اس پہلی بات پیران کلیر والی کا بھی ذکر کیا تو انہوں نے فرمایا کہ تم نے دیر
کیوں کی۔ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا دستور تھا کہ صبح کو جانے والے مغرب کے
بعد ہی مصافحہ کر لیا کرتے تھے۔ شام کو جب حضرت گنگوہی سے مصافحہ کرنا چاہا تو
حضرت نے فرمایا کہ مولوی عبدالرحیم صاحب آپ بھی جانا چاہتے ہیں۔ عرض کیا گیا کہ
جی ہاں حضرت نے فرمایا عشاء کے بعد ملنا۔ عشاء کے بعد فرمایا کہ تہجد کے وقت۔ چنانچہ تہجد
کے وقت مصافحہ کے لیے حاضری ہوئی تو فرمایا کہ اچھا آؤ تمہیں بیعت کر لوں اور فرمایا

کہ کچھ کہنے کی ضرورت نہیں اسی میں نسبت بڑھتی رہے گی۔ چنانچہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ پہلے قادریہ نقشبندیہ میں بیعت لیا کرتے تھے جیسا کہ حضرت بہاولنگری رحمۃ اللہ علیہ کو ان ہی سلسلوں میں بیعت فرمایا مگر پھر چاروں خاندانوں میں بیعت فرمانے لگے۔ چنانچہ مجھے چاروں خاندانوں میں بیعت فرمایا۔

---

۲۷ رمضان المبارک ۱۳۶۹ھ رائپور

رات کی مجلس میں پیرجی مظہر صاحب بہٹ والوں نے دریافت کیا کہ توکل کے آثار کیسے پیدا ہوتے ہیں اس پر حضرت والا نے فرمایا کہ اپنا ذکر کئے جاؤ۔ جو کچھ ہونا ہوگا ہو رہے گا باقی توکل موقوف ہے یقین پر۔ اگر آپ میری دعوت کریں تو میں کوئی کا انتظام نہیں کرتا کیونکہ باوجود سینکڑوں احتمالات کے ایک درجہ یقین کا ہوتا ہے کہ آپ کھانا کھلانے کو کہہ چکے ہیں۔ تو جب کو باری تعالیٰ کے رزاق مطلق ہونے پر یقین ہو اور وعدۂ خداوندی جو رزق کے متعلق قرآن میں آتا ہے اس پر حقیقی یقین ہو تو جتنا یقین کا مرتبہ ہوگا اتنا ہی توکل ہوگا کسی بات پر حضرت باوا صاحب کی حکایت بیان فرمائی کہ بادشاہ نے اپنے کسی اہل کار کی معرفت حضرت باوا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ کی خدمت میں ایک تحریر کچھ علاقہ کی اور کچھ نقد پیش کیا تو باوا صاحب نے تحریر واپس کر دی کہ ہم گاؤں کے انتظام میں نہیں لگتے اور نقد لاؤ تاکہ میں تقسیم کر دوں حضرت والا نے فرمایا کہ میں بھی آپ لوگ جو نقد لاتے ہیں اس کے ذریعہ اپنے بزرگوں کی خدمت کرتا ہوں کہ اس کو سعادت سمجھتا ہوں۔

۲۸ رمضان المبارک ۱۳۶۵ھ ۲۶ اگست ۱۹۴۶ء بروز سوموار رائپور

ایک شخص نے دریافت کیا کہ حضرت قرآن پاک میں ہے ہر شخص کو دوزخ پر سے گزرنا ہوگا اس کا کیا مطلب ہے۔ فرمایا اللہ میاں اپنے بندوں پر بے حد مہربان ہیں جس طرح والدین اپنے بچوں کو بے حد پیار کرتے ہیں اللہ میاں اس سے بھی زیادہ اپنے بندوں کو پیار کرتے ہیں۔ تو جس طرح والدین بعض اوقات نشتر لگا کر بھی اولاد پر مہربانی کرتے ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی۔ تو یہ سلوک ہے کہ ہر شخص کو دوزخ پر سے گزرنا ہوگا۔ اس لیے آیا ہے کہ پل صراط پر سے کوئی اپنے عملوں کے مطابق بجلی کی طرح گزرے گا کوئی ہوا کی طرح کوئی سوار کی طرح کوئی پیدل کی طرح اور بعض دوزخ میں گر کر اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے نکلیں گے اور جنت میں جائیں گے جو بجلی کی طرح گزر جائیں گے وہ دریافت کریں گے کہ سنا تھا کہ دوزخ آئے گا وہ تو کہیں نظر نہ آیا وہ سونے بچارے نے گزرتے گزرتے جنت میں پہنچیں گے تو یوں سمجھو کہ جس طرح سونے میں کھوٹ ہو تو کٹھالی میں تپایا جاتا ہے یہی حال ہوگا (ایمان والوں کو گناہوں سے پاک کیا جائے گا) کسی نے عرض کیا کہ حضرت بزرگوں کے متعلق سنا ہے کہ رات میں بلکہ اس سے بھی کم مدت میں قرآن پاک ختم کر لیتے ہیں اس سے تو شبینہ کا جائز ہونا ثابت ہوا۔ حضرت والا نے فرمایا کہ وہ تو عشق کی بات ہے اور روحانی طور پر اس سے بھی کم میں ختم ہو سکتا ہے۔ مگر یہ سب ان حضرات کی بات ہے ہماری نہیں حضرت باوا صاحب کے متعلق حضرت سلطان جی نے ملفوظات میں تحریر فرمایا ہے۔ حضرت باوا صاحب نے فرمایا کہ ایک بزرگ رمضان شریف میں تراویح میں دو ختم اور چار پارے

کیا کرتے تھے بڑے مبارک بزرگ تھے اور فرمایا کہ اب بھی ۲۹ شعبان ہے کچھ ہمت ہے ـــــ تو سلطان جی لکھتے ہیں کہ ہم نے عرض کیا حضرت حاضر ہیں. تو حضرت باوا صاحب نے بھی تراویح میں ۲ ختم اور چار پارے کیے اور یہی معمول اس رمضان میں رہا. یہ زورح سے ہوتا ہوگا یا جیسے بھی ہمارے جیسے ضعیفوں کے بس کی بات نہیں یہاں شینہ میں کوئی کھڑا ہے کوئی بیٹھا ہے. کوئی لیٹا ہے نہ کوئی ترتیل ہے یہ کچھ نہیں.

فرمایا کہ انسان کی اصل کیا ہے ایک قطرہ منی جو کپڑے پر لگے تو صابن سے دھو ڈالیں. پھر جسم بنا خون حیض سے یہ سب چیزیں جن سے انسان کو گھن آئے. مگر باری تعالیٰ کا کمال ہے کہ اس نے لیسے کیے بنائے ہیں جسے ہر کوئی چومے چاٹے تو اپنے اندر جو خوبی نظر آتی ہے. سب ادھر سے نظر آتی ہے. اور اسی کا کمال ہے اپنے اندر تو سب نقص ہی نقص اور عجز ہی عجز ہے. انسان کو اپنی حقیقت جاننی اور پیش نظر رکھنی چاہیے. جو کوئی اپنے آپ کو کچھ سمجھتا ہے وہ ولی کہاں ہوا کیونکہ قرآن پاک میں ہے کہ خدا تعالیٰ فخر کرنے والوں شیخی کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا. اللہ کے بندے اپنے آپ کو کچھ نہیں سمجھتے جو کچھ بن آئے خدا کی قدرت اور توفیق سے ہی ہوتا ہے اور اس کے خلاف سمجھنا ان حضرات کے ہاں یہی تو شرک ہے اور الحمد میں الف لام استغراق کا ہے کہ جو خوبی کہیں ہے سب اللہ تعالیٰ کے لیے ہے. حضرت والا نے یہ بھی اسی مجلس میں فرمایا کہ حضرت میاں صاحب یعنی عبد الرحمٰن خان صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو جو سانپ شیر نظر آتے تھے تو واللہ اعلم جہاں تک میں نے خیال کیا اور یہ اپنا خیال ہے پختہ بات نہیں کہ یہ ان کے اپنے اندر کے اخلاق رذیلہ تھے جو شکل بن رہے تھے. چنانچہ انہوں نے خود سنایا ہے. کہ پہلے وہ کبھی کسی کلکٹر انگریز کے ہاں نوکر تھے تو ایک نوکر نمازی آ گیا اس کے نکلوانے کیلئے ایک برتن کو

توڑ کر اس کے ذمہ لگا دیا وہ بیچارہ بہتیرا کہتا رہا کہ میں نے نہیں توڑا مگر یہ نکتہ نہیں ہمارا ثقہ اور قابل اعتماد نوکر کہتا ہے کہ تم نے توڑا ہے لہذا تم چلے جاؤ۔ تو یہ چیزیں میاں صاحب کے اندر کی تھیں۔ یہ جو آتا ہے کہ ذکر سے ذاکر کے خیالات جمع ہوتے نکلتے ہیں تو یہی سانپ بچھو بھیڑیے ہیں۔ شریعت کی پابندی کرنا گویا اخلاق کو صحیح کرنا ہے۔ جو اخلاق صحیح کر لیتا ہے۔ وہ دائمی راحت اور آرام کی زندگی پاتا ہے۔ ہر شخص یہی سمجھ کر دہریوں کا مقصد بھی راحت کی دائمی زندگی حاصل کرنا ہے۔ تو جب انسان شریعت کے مطابق اخلاق کر لیتا ہے تو گویا خداوند تعالیٰ کی دائمی زندگی اور راحت کی زندگی سے حصہ پاتا ہے۔ کیونکہ ہر خوبی تو خداوند تعالیٰ ہی میں ہے۔ تو خوبیاں وہیں سے حاصل ہوئیں۔ اپنے اندر تو کوئی خوبی نہیں ہے اور اپنے اندر کوئی خوبی سمجھنا ان کے ہاں یہی تو شرک ہے۔

---

۲۹ رمضان المبارک ۱۳۶۵ھ مطابق ۲۷ اگست ۱۹۴۶ء بروز منگل رائپور

رات کی مجلس میں مولانا مولوی عبداللہ صاحب جالندھری کو نصاب کے بارہ میں فرمایا کہ مولوی صاحب! مولانا خیر محمد صاحب نے اتنا لمبا جو نصاب تجویز فرمایا ہے یہ ہماری سمجھ میں نہیں آیا۔ نصاب مختصر اور دینیات پر حاوی ہونا چاہیے۔ اس میں منطق فلسفہ قدیم اتنا زیادہ رکھنے کی ضرورت سمجھ میں نہیں آتی۔ طلبار جو ان مدارس میں آجکل بہت کم استعداد کے آتے ہیں حدیث تک پہنچنے سے پہلے ہی دماغ کھو بیٹھا کریں گے

اور علاج میں مشغول رہا کریں گے اور جدید تعلیم بھی اگر اس میں کچھ رکھی جائے تو نہ وہ ہوگی نہ یہ اس سے تو بہتر ہے کہ پھر کسی یونیورسٹی کا نصاب بے کر اس کو پورا کیا جائے اور دینیات میں پھر ایسی ہی بات ہوگی۔ جن لوگوں سے چندے وصول کرو گے ان کی خوشامد کرنا پڑے گی۔ مجھے جلسہ میں دیکھ کر بڑا خیال ہوا کہ ایک ان پڑھ آدمی کو چونکہ وہ پیسے والا ہے اور اس سے چندہ کی امید ہے کرسی پر بٹھا رکھا تھا اور علماء سب نیچے بیٹھے ہوئے تھے اس طرح علماء کی وقعت تو خود کم کی جا رہی ہے۔ یہی وہ شخص ہے جس نے علماء کی پھر خوب مخالفت کی۔ اب اگر دین کو جتنا کچھ وہ ہے باقی رکھنا ہے تو علماء کو تنگی سے رہنا اور بوریا نشینی اختیار کرنی چاہیے اور طلباء سے بھی کہہ دینا چاہیے کہ اگر دین سیکھنا ہے تو ایسا ہی رویہ اختیار کریں ورنہ قوم کا تو یہ حال ہے کہ وہ الحاد کی طرف کو چلی جا رہی ہے۔

وہ رامپور کے حکیم صاحب نے جو کچھ بیان کیا اور ہر جگہ حضرت مدنی کے ساتھ جو کچھ ہوا سنتے ہے جب بریلی میں پتھر برسنے لگے تو بعض جاں نثاروں نے حضرت سے عرض کیا کہ آپ کے اوپر دری تان دیں تو حضرت نے فرمایا کہ میرا سر آپ کے سروں سے زیادہ قیمتی نہیں ہے۔ لہٰذا اس کی ضرورت نہیں اس پر ان حکیم صاحب کو رقت طاری ہوگئی حضرت والا نے فرمایا کہ جب امیر حبیب اللہ صاحب ہندوستان میں آئے تھے تو ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اہتمام سے سفر کیا۔ ہم کو انبالہ چھوڑا اور حضرت سہارنپوری بھی ساتھ تھے حضرت سرہند پہنچے وہاں امیر صاحب کے پیر ملا شور بازار کی خدمت میں حاضر ہوئے اور چاہا کہ پیر صاحب امیر صاحب کو ملی کر دیں

کالج جانے سے روک دیں اور انہوں نے اطمینان بھی دلا دیا مگر آخر کیا ہوا امیر صاحب وہاں پہنچے علی گڑھ کالج والوں نے کہیں کہیں سے پرانے پرانے کتب خانے اٹھا کر منگوا لیے۔ عربی خطبات تیار کرائے اور بعض جگہ کے طلباء کو جمع کر کے امیر کو دکھا دیا کہ کالج عربی تعلیم بھی دیتا ہے اور جب امیر صاحب کالج دیکھ کر چلے گئے تو یہ سارا مواد منتشر کیا اور خوب خوب مذاق اڑایا کلکتہ میں انگریزوں نے امیر صاحب کو ایسی سیر کرائی کہ ایک افغان بیان کرتا تھا کہ اب ہندوستان سے جا کر امیر حبیب اللہ صاحب پہلے جیسے نہیں رہے۔ پہلے تو خود نماز کی امامت کیا کرتے تھے پھر اپنی نمازوں میں بھی سستی ہونے لگی۔ انگریزوں کے پاس بھی جادو ہے۔

تو اب مولوی خیر محمد صاحب نصاب کس بہتے پر بناتے ہیں

میں تو یہی کہوں گا کہ مسجدوں میں جب تک گنجائش ہے تنگی ترشی سے گزر کرو اور جو کوئی آتا ہے اس کو دین سکھاؤ اور جہاں تک ہو سکے اس کی دینی تربیت کرو اپنا دین سلامت لے کر چلتے بنو۔

۷ر شوال المکرم ۱۳۶۵ھ مطابق ۴ ستمبر ۱۹۴۶ء بروز بدھ

صبح کی مجلس میں حضرت والا نے کئی دن سے لیگ، کانگریس پر جاری ہونے والی کشمکش کے متعلق فرمایا ہم اور کچھ نہیں جانتے مگر اتنا ضرور کہتے ہیں کہ ہم حضرت مدنی کے ساتھ ہیں۔ مولوی احتشام الحسن نے کہا کہ حضرت خانقاہ میں ایسی بحثوں سے بہت وقت ضائع ہوتا ہے۔ حضرت والا نے فرمایا کہ کیا کروں میری تربیت کچھ ایسی ہوئی ہے اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شیخ الہند کے جو حالات دیکھے ہیں میرا خون کھولنے لگتا ہے۔ اور وہاں اور جو لوگ حضرت مدنی کو ایذا دیتے ہیں ان کے لیے دل سے بد دعا نکلتی ہے۔

۲۴ر ذیقعدہ ۱۳۶۵ھ مطابق ۱۹ر اکتوبر ۱۹۴۶ء بروز اتوار

صبح کی مجلس میں فرمایا کہ ہمارے نزدیک رویت الٰہی کے لیے طویل سفر ہے یہاں صحیح راستہ اختیار کرنے کے بعد پھر تمام عمر شریعت پر عمل پیہم گویا چلنا ہے پھر مرنا ہے وہاں بھی قیامت تک چلنا ہے۔ پھر قیامت کے بعد جب جنت میں پہنچ جائیں گے وہاں بھی چلا چل ہی ہے پھر خدا جانے کتنے عرصہ بعد جب اس کی اہلیت ہوگی تو رویت نصیب ہوگی۔ ورنہ چلنا ہی چلنا ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ ہر چلنا الگ ہے اور اس کی کیفیت و حیثیت بھی الگ ہے۔

---

۲۹ - ذیقعدہ ۱۳۶۵ھ مطابق ۲۵ اکتوبر ۱۹۴۶ء بروز جمعہ

شام کی مجلس میں راؤ فضل الرحمٰن خان صاحب نے اخباری بات سنائی کہ چند روز میں حکومت کا مشن لندن سے پھر ہندوستان فسادات کے معائنہ کے لیے آنا ہے۔ اس پر حضرت نے ہنس کر فرمایا کہ لو وہ بندر بانٹ سے کر پھر آرہا ہے خلافت کے زمانہ میں مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی بڑے جوش میں تھے اور رائے پور بھی تقریر کرنے تشریف لائے تھے تو انہوں نے بلیوں کے پنیر بانٹنے والے بندر کی حکایت جیسے وہ اکثر جگہ سنایا کرتے تھے یہاں بھی سنائی جو اکثر کتابوں میں بھی ہے۔ حضرت والا نے فرمایا ہم دونوں قومیں اپنا پنیر خود بانٹ لیں گے مگر بندر کو مہربانی کرنی چاہیے اور چلے جانا چاہیے۔ اب ہم ہرگز ہرگز بندر سے پنیر نہیں بٹوائیں گے۔ مگر وہ بندر تو ابھی تک پنیر بانٹ بانٹ کر اپنا پیٹ بھر رہا ہے اور بلیاں آپس میں لڑ رہی ہیں۔

لوگوں کو بجائے مذہبی لڑائی کے اب زمیندار، کاشتکار، مزدور، سرمایہ دار وغیرہ سوالات پر لڑنا چاہیے۔ اس سے مذہب کو بدنام کرنے کا قصہ تو ختم ہو جائے گا۔ ورنہ یہ خیال ہے کہ مذہب بدنام تو اب بھی ہے اور بھی زیادہ بدنام ہو جائے گا۔ ممکن کہ فسادات دیکھنے والے بیرونی ملکوں میں ہندوستان کو بدنام کرنے اور انگریزوں کی حکمرانی کے جواز میں دلائل قائم کرنے کے سوا کوئی مقصد نہیں ہو سکتا فرمایا کہ باہمی سمجھوتہ ہوتا نظر نہیں آتا کیونکہ سمجھوتہ تو وہاں ہوتا ہے جہاں کوئی شکایت ہو اور اس کا ازالہ مقصود ہو۔ لیکن جہاں غرض تو مخالف کو گرانا ہی مقصد ہو وہاں پھر سمجھوتہ کی صورت ہی کیا ہو۔ یہ فقرہ بڑا خطرناک اور بے معنی ہوتا ہے کہ صاحب باعزت سمجھوتہ ہو۔ کیونکہ اس فقرہ کے کہنے والے کا مقصد

سمجھوتہ کرنا نہیں بلکہ فساد کرنا ہوتا ہے۔ یہ ہمارا روزمرہ اور رات دن کا تجربہ ہے۔ زمینداروں میں بھی ایسا ہی ہوا کرتا ہے۔ اس کا نتیجہ سوائے تیسرے کی مداخلت کے اور کچھ نہیں ہوتا۔ میرے ایک زمیندار دوست نے بتایا تھا کہ جہاں رعایا میں لڑائی نہ ہو وہاں لڑائی کرانا اور جہاں لڑائی ہو اس کو جاری رکھنا یہ زمیندارہ کو مضبوط رکھنے کے لیے ضروری ہے اس لیے ہمارا یہ کہنا کہ رعایا میں ہم صلح کرنا چاہتے ہیں قطعاً غلط ہوتا ہے۔

نیز حضرت نے یہ بھی فرمایا کہ یہ تو معلوم نہیں کہ کیا ہو۔ ایک وہ دور تھا کہ انگریز کی ملازمت کرنے والوں کو لوگ اچھوت سمجھا کرتے تھے کاندھلہ میں ایک مولوی صاحب انگریز کے ملازم ہوئے ان سے انگریز افسر نے کہا کہ تمہاری تنخواہ کم ہے۔ چاہو تو ترقی دے کر بڑے عہدہ پر بھیج دوں۔ انہوں نے کہا کہ صاحب میں تنخواہ کیا کروں گا کیونکہ میرا کوئی عزیز و قریب یہاں تک کہ میری بیوی بھی تنخواہ کی کوئی چیز نہیں کھاتی، مہمان بھی کھانے کا انتظام اور جگہ کرتے ہیں۔ مجھے اور تنخواہ کیا کرنی ہے۔

اور ان کے صاحبزادہ[1] مولوی انوار الحق کا قصہ مولوی لطیف الرحمن صاحب کاندھلوی نے حضرت کو سنایا کہ ان کو سرسید کسی انگریز افسر کے پاس لے گیا کہ ان کو جج بنا دو اس نے کہا کہ یہ تو لنگڑے ہیں تو سرسید نے کہا میں کونسا ان کو لام پر بھیجتا ہوں انہیں تو جج بنانے کو   کہ یہ بیٹھے کرسی پر مقدمات فیصل کرتے رہا کریں گے چنانچہ اس نے ان کو جج بنا دیا۔ حضرت والا نے فرمایا کہ سرسید نے یہ اپنے استاد کے صاحبزادوں کے ساتھ حسن سلوک کے طور پر ان باپ بیٹوں کو نوکر کرایا تھا۔ مگر آج زمانہ کہاں سے کہاں

---

[1] یہاں مولوی صاحب کا نام ذکر نہیں ان کے صاحبزادہ کا نام انوار الحق لکھا ہے۔

چلا گیا۔ مولوی نے بہت کچھ انقلابی داؤ کئے مگر سیاست کے سامنے مذہب مات کھا گیا۔ پورا تو پتہ نہیں مگر خیال ہے کہ ہندوستان کی اگلی نسلیں یہ دیکھ کر کہ مذہب آپس میں نفاق کا موجب ہے مذہب کو ہی خیر باد کہہ دیں گی حالانکہ مذہب نفاق نہیں سکھاتا یہ تو کچھ اور ہی چیز ہے جو نفاق سکھا رہی ہے۔ مگر آنے والی ہندو مسلم نسلیں پھر بھی مذہب کو مطعون کریں گی اور مولوی بیچارہ پھر بھی پٹتا رہے گا یہ خیال ہے کوئی الہام نہیں۔

حضرت والا نے امیر عبدالرحمن والی کابل کے سفر ہندوستان اور غالباً حضرت امیر خان شاہ صاحب کا امیر کو سفر ہندوستان مبارک باشد کہنے کا ذکر فرمایا اور پھر ضمناً امیر یعقوب علی خاں کابل کے دہرہ دون کے قیام اور خاندانی حالات کا ذکر فرماتے ہوئے فرمایا۔ یہ خاندان دہرہ دون لدھیانہ وغیرہ میں چار جگہ مقیم ہے اور ان کے ساتھیوں میں سے دو شخص تھے جو امیر عبدالرحمن کے بھی ساتھ تھے۔ نیز حکیم مسعود احمد صاحب کا آگرہ جا کر امیر کو ملنا اور حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کا حمائل اور تلوار وغیرہ تبرکاً دینا بیان فرمایا اور فرمایا کہ امیر حبیب اللہ صاحب والی کابل نے انگریزوں سے نہیں بگاڑی اور فرمایا کہ ایک ایسا موقع بھی کھو دیا جو پھر نہیں آسکتا۔ وہ جنگ ۱۴-۱۸ میں جبکہ ہندوستان میں کل ۲ ہزار فوج تھی چپکے بیٹھا رہتا ہے۔ جبکہ ہندوستان کا تمام انقلابی عنصر مہندر راجہ پرتاپ اور مولوی عبید اللہ صاحب کابل ہی میں تھے۔ حبیب اللہ خان نے قتل ہونا گوارا کیا مگر انگریز کے خلاف خروج نہ کیا۔ پھر جب امان اللہ نے خروج کیا تو ہندوستان میں کافی افواج واپس آچکی تھیں مگر اس کا بھی فائدہ ہوا کہ افغانستان آزاد ہو گیا اور انگریزوں نے فوراً صلح کر لی اس جنگ کے بعد بھی اب انگریز نے ہندوستان کو بہلا رکھا ہے ورنہ ہندوستان کی خدا اسی کروٹ اس وقت انگریز کو تباہ کر سکتی ہے۔ مگر اس کی خوش قسمتی کہ یہاں آپس میں اختلاف ہے۔

اگر اس وقت لیگ، کانگریس سمجھوتہ ہو جائے تو فوراً انگریز ہندوستان سے باہر ہو جائیگے۔

---

۳۰ ذیقعدہ ۱۳۶۵ھ، ۲۶ اکتوبر ۱۹۴۶ء بروز ہفتہ

حضرت والا نے نواکھالی صوبہ بنگال کے واقعاتِ فسادات پر بڑا افسوس ظاہر فرمایا کہ عورتوں کا اغوا، عصمت دری اور بچوں کا اغوا جس کے متعلق اخباروں میں تذکرہ ہے اور جبراً مسلمان بنانے کے واقعات اسلام کو بدنام کرنے اور مذہبی بدنامی کے علاوہ ویسے بھی انسانی زاویہ نگاہ سے شدید ترین برائی ہے۔ صوفی عبدالحکیم لودی پوری کے اس سوال پر کہ جبراً کسی کو کلمہ پڑھانے سے کوئی مسلمان ہو جاتا ہے۔

حضرت والا نے فرمایا یوں جبر سے کلمہ پڑھا دینے سے شرعاً کوئی مسلمان نہیں بنتا۔ جب شرعاً اس فعل کا کوئی فائدہ نہیں تو پھر یہ اشد جرم دین کو بدنام کرنے کے سوا اور کسی فائدے کو کیا شامل ہو سکتا ہے۔

اور فرمایا کہ ہر بات میں پروپیگنڈہ کہہ کر پردہ ڈالنا بے معنی ہے۔ آخر سہارنپور میں جب فساد کے موقعہ پر ایسے واقعات ہوئے جن کا ہمیں پورا پورا علم ہے کیا وہ بھی پروپیگنڈہ تھا۔ یہ تو مسلمانوں کی جہالت کے کرشمے ہیں۔ حضرت مدنی پر امرتسر، جالندھر میں جو حملہ ہوا اس سے بھی میں تو اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ ہر جگہ کا ڈپٹی کمشنر اور اس کا کپتان پولیس فساد کراتا ہے تبھی تو پولیس نے حملہ کو نہیں روکا۔ بلکہ لوگوں کو ایسے واقعات کے لیے شہ دے دیتے ہیں۔ اگر پولیس چاہے تو فساد نہیں ہو سکتا مگر وہ خود شامل ہو جاتی ہے۔ پھر کوئی پولیس افسر اگر تحقیق کرتا ہے تو وہ پہلی پولیس کی حمایت ہی کرتا ہے۔

مجلس میں پہلے زمانہ کے لوگوں کی جرأت کا ذکر ہوا تو حضرت والا نے بھی اپنے وطن کا ایک قصہ سنایا کہ والدہ سے سنا ہے ۔ لوگ پہلے دنوں میں جب خشک سالی ہوتی تھی تو جہاں کہیں بارش ہوتی اور گھاس ہو جاتا تو دس ، دس ، پندرہ پندرہ کوس پر گھر چھوڑ کر مویشیوں کو لے جاتے تھے ایک دفعہ مرد جنگل میں ذرا دور چلے گئے ۔ ایک عورت پیچھے ڈیرہ پر رہ گئی ۔ ایک جوان بدمعاش اُدھر آنکلا اس نے عورت کو اکیلی دیکھ کر زیور اتروانے کو دھمکی دی ۔ عورت نے زیور اتار کر دے دیا اور کہا کہ جتنی دور تو جا کر سمجھے کہ اب یہ مجھے نہ پکڑ سکے گی آواز دے دینا اور پھر اگر ہو سکے تو بھاگ جانا وہ زیور لے کر ساٹھ ستر قدم گیا اور آواز دی ابھی دو قدم بھاگا ہو گا کہ عورت نے بجلی کی طرح کوند کر آلیا اور گلے سے ایسا دبایا کہ زیور ڈال کر چھٹکارا حاصل کرنا چاہا مگر لاحاصل آخر تھک گیا تو عورت نے کہا اب تجھے دودھ تو پلا دوں چنانچہ گھسیٹ کر ڈیرے پر لائی اور نہایت تیز گرم دودھ اس کے منہ میں ڈال دیا جب منہ جل اٹھا تو ٹھنڈے پانی کا پیالہ منہ میں انڈیل دیا اور منہ پر دانتوں کے عین اوپر دائیں بائیں اور سامنے تین مکے مار دیئے تمام دانت گر گئے اور عورت نے اسے یہ نشانی دیکر توبہ کرا کے چھوڑا ۔ چنانچہ وہ شخص باوجود جوانی اور سیاہ داڑھی ہونے کے تمام عمر بے دانتوں کے بڈھوں کی طرح رہا ۔ فرمایا کہ پہلے لوگ زور آور ہوتے تھے صاحب فن ہوتے تھے اور عورتیں بھی ایسے فنون سے واقف تھیں اور نیک بھی ہوا کرتی تھیں ۔

چودھری نصر اللہ صاحب سے گفتگو کے اثنا میں فرمایا کہ بیلی کے ایک صاحب جو قتل کے مقدمہ میں ماخوذ حوالات میں تھے ۔ پھانسی کے فکر میں انہوں نے توبہ تلا اور پڑھنا پڑھانا بکثرت کیا تو سنا ہے ان کی حالت بدل گئی اس لیے ہم کہتے ہیں کہ موت

کو یاد رکھو اور خدا کو یاد کیا کرو توبہ استغفار کرتے رہو جو غصہ وغیرہ آئے اس کو ترک کرو۔ انسان جب بوڑھا یا کمزور ہو جاتا ہے تو اس کے اخلاق خصوصاً حرص وغیرہ جوان ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ کمزوری میں عموماً انسان اپنی عادتوں کو قابو میں نہیں رکھ سکتا تو ان کا اظہار ہونے لگتا ہے۔ اس لیے موت کو یاد رکھنا اور یادِ خدا توبہ وغیرہ ضروری ہے تاکہ حرص وغیرہ کو ابھرنے کا موقعہ نہ ملے۔

فرمایا بریلی میں ایک بڑا شہد العینی بدمعاش تھا جو بڑوں بڑوں کو راہ چلتے پیٹ دیتا تھا کوتوال، مجسٹریٹ اور بڑے ذی وجاہت امراء حکام اس سے نالاں تھے۔ سب نے مل ملا کر اس کو ایک قتل کے مقدمہ میں پھانس دیا جب حوالات میں پھانسی کا حکم ہو تو وہ شخص توبہ تلا کرکے اور ہر وقت یادِ الٰہی میں رہنے کی وجہ سے بڑا نیک اور نورانی چہرا ہو گیا وہ کہا کرتا تھا کہ میں نے اور بڑے بڑے عیب کئے خدا معاف کرے مگر اس مقدمہ میں میں بے قصور ہوں مگر یہ گرفتاری اپنے گذشتہ عیوب کا بھگتان ہے پھانسی کے حکم پر اس نے اپیل کی مگر پہلے حکم کی بناء پر اس کو حکام نے جلد جلد پھانسی لٹکا دیا اور چند گھنٹے بعد اس کی اپیل کی منظوری کی اطلاع آئی مگر اب کیا تھا اور فرمایا کہ انسان کو اس طرح رہنا چاہیے جس طرح پھانسی کا حکم ہونے کے بعد وہ حوالاتی ہوتا ہے اور ہر وقت موت سے یاد رہے۔

راؤ عبدالعزیز صاحب کھیڑی والوں نے حضرت والا کی خدمت میں راستہ کی ناہمواری کا ذکر کیا تو حضرت والا نے فرمایا کہ کھیڑی کا راستہ بھی ایسا ہی ہے۔ فرمایا ایک دفعہ برسات میں ہم کھیڑی سے چلے تو سواری یار کی ایک بیل تانگا تھا جس پر بارش کی وجہ سے کمبل کی چھت بنائی تھی۔ اگرچہ ہمدی میں وحشن بے حد تھی مگر لوگوں نے اٹھا کر گاڑی پار کر

دی اور اس باغ سے سڑک کا راستہ ٹھیک بارہ بجے دوپہر کے شروع ہوا۔ موہنڈ کی مسجد میں نماز پڑھی۔ عشاء کی نماز بادلوں میں سے چمکنے والے چاند کی روشنی میں سڑک کے نیچے پانی تلاش کر کے پڑھی۔ تمام رات چلتے رہے۔ وہیرہ دون کا ایک انجن چل رہا تھا اس کی آواز بھی آتی رہی مگر ڈیرے صبح چار بجے پہنچے۔ جب وہاں سے اب کار یا لاری پر گزر ہوتا ہے تو وہ زمانہ اور اس زمانہ کی سواریاں یاد آتی ہیں۔

یکم ذی الحجہ ۱۳۶۵ھ مطابق ۲۷ر اکتوبر ۱۹۴۶ء بروز اتوار رائپور

صبح کی مجلس میں ایک صاحب نے پٹواریوں اور زمینداروں کی سازش سے خود کاشت کے طویل سلسلہ اور اسکے متعلق تحقیق کا ذکر کیا۔ اس پر حضرت والا نے فرمایا کہ حضور مولوی زاہد سوال کرائیں یا کوئی اور۔ اگر آپ خود جد وجہد کر کے اپنی زمینوں کی کاشت نہیں کرائیں گے۔ اس کا نتیجہ تو کاشتکاروں کا قبضہ ہونا ہی ہوگا۔ اگر تم سست پڑے رہو گے تو کون ہے جو محنت خود کرے اور اپنی محنت کا پھل تمہارے حوالے کر دیا کرے ہم نے تو شاہ زاہد حسن کو دیکھا ہے کہ خون پسینہ ایک کر کے اپنی کاشت کراتے تھے۔ اگر وہ ایسا نہ کرتے تو آج ان کو یا ان کے لڑکوں کو کون پوچھتا۔ اب ان کے لڑکے سستی کرتے ہیں۔ بس کا انجام بھی اچھا کیا ہو سکتا ہے۔

باقی رہا جس سے لوگوں کو مخالف بنانا ہو اور جس کے ساتھ دشمنی کرنی ہو میرا خیال ہے کہ آجکل اس کو ممبر بنوا دینا کافی ہے۔ لوگ اس کے خلاف ہو جائیں گے۔ ایک وہ زمانہ تھا کہ شاہ نظر اور شاہ محمد حسن کے خلاف تمام علاقہ میں کوئی شخص ایک بات نہیں سن سکتا تھا

اور ایک دن آج کا ہے کہ علاقہ کا سوائے خوشامدیوں کے بچہ بچہ خلاف ہو رہا ہے سامنے کام کے لیے لوگوں کی مخالفت مول لی اور اب تجارتوں کے پیچھے مارے مارے پھرتے ہیں. مگر آرام طلبی سے تو وہ بھی نہیں پروان چڑھ سکتی ایک صاحب کو کہا کہ اپنا کام دیکھا کرو تو انہوں نے کہا کہ جی نہیں لگتا۔ بھلا جب جی نہ لگے گا تو جائداد رہے گی. کفرانِ نعمت پر خدا تعالیٰ ان کو کیسے دے گا۔ اللہ تعالیٰ ان کو دے گا جو اس کا کفران نہیں کریں گے اور کام میں جی لگائیں گے ۔حدیث شریف میں بھی آیا ہے کہ خدا تعالیٰ نے جہاں سے رزق کا دروازہ کھول رکھا ہے. اسے خود نہ چھوڑو۔ وہ اسے بند کرے گا تو کوئی اور دروازہ کھولے گا ہاں کفرانِ نعمت کریں گے تو اس کا علاج نہیں۔

یہ پنجاب کے وزیرِ اعظم خضر حیات ہم سے چار برس بڑے ہیں اب تو یہ کچھ ادھر بھی مشغول ہیں۔ لہذا کارندے سے چھوڑ رکھے تھے مگر جب انہوں نے کھیتی کرائی تو خود ایک ایک بیسوہ زمین کی دیکھ بھال ان کو اور ان کے والد صاحب کو کرتے دیکھا ہے جس کا نتیجہ ہے کہ ان کے کاشتکاروں کے ہاں اتنا سونا ہے جتنا یہاں زمینداروں کے ہاں نہیں ان کی آمدنی گیارہ لاکھ سالانہ تک تھی باقی کارندے ہیں ان کا کام اپنا ہی ایک نہیں ہو سکتا

حضرت والا نے انسان کی اس کیفیت کا نقشہ کھینچتے ہوئے کہ انسان ایک وقت فرشتوں سے سبقت لے جاتا ہے اور دوسرے وقت شیاطین کو مات کرتا ہے ایک واقعہ نظیر کے طور پر بیان فرمایا کہ دہرہ دون کے راستہ میں آب سوڑی نامی پولیس کی چوکی کے پاس ایک چھوٹی سی مسجد میں کوئی میاں جی رہا کرتے تھے۔ ایک متمول سوداگر یا رئیس آدمی راستہ کا مسافر مسجد کے غسل خانہ میں نہایا اور وہاں کئی ہزار روپیہ کی تھیلی بھول گیا اور جلدی میں سہارنپور پہنچ کر اسے علم ہوا کہ وہ اپنی تھیلی گم کر چکا ہے۔ یہ اس کو معلوم نہ تھا کہ کہاں

گم ہوئی یا راستہ میں گری۔ ایک احتمال اس مسجد کا بھی تھا وہ تلاش میں اس مسجد میں پہنچا تو اس میاں جی نے فوراً وہ تھیلی اس کو دے دی کہ مجھے غسل خانہ سے ملی تھی اور سوا آپ کے وہاں اور کسی کے نہانے کا مجھے علم نہ تھا۔ چنانچہ اس تھیلی والے کے دل میں میاں جی کی دیانت کا سکہ جم گیا اور میاں جی نے بھی کمال دیانت داری سے کام لیا: اتفاق سے مسجد کے پاس ایک چھوٹی سی لڑکی کے قتل کے سلسلہ میں لاش برآمد ہوئی اور میاں جی کو پولیس نے چھوٹی چھوٹی دو بالیوں کے لالچ میں لڑکی قتل کرنے کے الزام میں گرفتار کر لیا۔ اس تھیلی والے آدمی کو اس مقدمہ کا علم ہوا تو اس نے اپنے اثر و رسوخ کو کام میں لاکر کسی بڑے افسر تک میاں جی کی دیانتداری کی داستان پہنچا کر سفارش کرائی اور وہ میاں جی بری ہو گیا۔ اس کے بعد میاں جی سے اس آدمی نے گفتگو کی تو میاں جی نے بتا دیا کہ دراصل بالیوں کے لالچ میں قتل میرے ہاتھ سے ہی ہوا تھا۔ یہ سن کر اسے بڑا افسوس ہوا اور آئندہ اس نے سفارش کرنے کی قسم اٹھالی۔

تو انسان کا ایسا ہی حال ہے کہ ؎

گہے بر طارم اعلیٰ نشینم　　گہے بر پشت پائے خود نہ بینم

ایک وقت میں ایک شخص فرشتوں پر فوقیت لے جاتا ہے اور دوسرے وقت میں وہی شخص شیطان کو بھی مات کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حفاظت کے بغیر کوئی خوبی انسان میں نہیں۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ اللھم احفظنا من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ۔

آج حضرت کے ہاں اخبار نہیں آیا اور کل سے راؤ فضل الرحمٰن خان صاحب بھی نہیں آئے۔ جو عموماً خبروں کا خلاصہ حضرت کے ہاں بیان کر دیا کرتے تھے۔ اس پر ملا

حبیب الرحمٰن صاحب رامپوری نے عرض کیا کہ حضرت ریڈیو کا انتظام کر لیا جائے حضرت والا
نے فرمایا کہ تمہاری یہ رائے ہمارے نزدیک صحیح نہیں ہے مولانا نے عرض کیا کہ حضرت
ریڈیو کو سوا خبروں کے گانے وغیرہ کے لیے استعمال کرنے سے روک دیا جائے گا فرمایا
کہ یہ بھی ایک رونک لڑائی کا سامان ہو جائے گا اور لوگ گانے سننے کے اشتیاق میں اگر تم
روکو گے تو لڑنے لگ جایا کریں گے۔ البتہ کچھ صبر کرو آگے چل کر لوگ خود کھل جائیں گے
اور شاید ریڈیو اور سینما سب تعلیم کا ذریعہ بنا لیے جائیں گے۔ ہاں جب تک کچھ [illegible]
ملا میں یہ وقت گذرے تم بھی اس ابتلا سے بچے رہو گے مگر بعد میں تو ایسا ہی قصہ ہو جاتا
ہے۔ فرمایا کہ ابھی ذرا حکومت کی توجہ نہیں ہوئی نیز فرمایا کہ سائنس نے تو اس سے بھی زیادہ
ترقی کرنی ہے چنانچہ چاند پر جانے کی تیاری تو ہو ہی رہی ہے اگر کوئی چیز درمیان میں حائل
ہو گئی تو چاند پر جانے والے گر ہی جائیں گے ورنہ پہنچ ہی جائیں گے اور میں نے اخبار میں یا رسالہ
میں دیکھا تھا کہ زمین سورج کا ٹکڑا ہے۔ مگر نور اس میں نہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سورج
میں بھی نور اس کا ذاتی نہیں وہ اور کسی سے ملا ہے اور ہم تو مانتے ہی ہیں کہ نور بلکہ وجود بھی سب
کو کسی اور نے ہی عطا کیا ہے۔ الحمد للہ کہ مجھے شبہ تو کبھی نہیں ہوا البتہ طبیعت رکا کرتی تھی
کہ فرشتوں کی کیا ضرورت ہے مگر اب سمجھ میں آیا کہ حدیث میں جو آیا ہے اگر ایک پردہ بھی
جو درمیان میں ہے اٹھ جائے تو تمام دنیا جل جائے تو یہ سب وسائط اس لیے
ہیں کہ ہم فیض باری تعالیٰ کے متحمل ہو جائیں ورنہ یہ تمام فیض جو ہم کو ہر شئی کے ذریعہ مل رہا
ہے اگر بے واسطے تو ہم متحمل نہ ہو سکیں۔ یہ تمام زندگی پھر حشر نشر اور دخول جنت
سب رؤیت باری تعالیٰ جو خصوصی قسم کی جنت میں ہو گی اس کے متحمل بنانے کیلیے ہے
ویسے تو ایک قسم کی رؤیت قیامت میں بھی ہو گی جنت کی سب نعمتیں بھی اسی غرض سے

ہیں تاکہ اس رویت کے متحمل انسان ہو سکیں۔ مولانا حبیب الرحمٰن نے قرآن مجید کی آیت پڑھی۔ کلما رزقوا منها من ثمرة رزقا الآیہ۔ اور اس کی قدر سے تشریح کی تو فرمایا کہ اہل جنت کی نعمتوں میں سے ہر نعمت جو دوسری کے بعد ملے گی وہ پہلی سے زیادہ مکمل اور افضل ہوگی اگرچہ بظاہر یہ معلوم ہو کہ وہ پہلی جیسی ہے اور وہاں کی تمام نعمتیں ثمرات ہوں گی تو یہ سب تمہید رویت باری کے متحمل ہونے کیلئے ہے۔ اگر اب فوراً جنت مل جائے تو جو اس کا اہل اور متحمل نہیں اس کو اس کا حاصل ہونا ہی محال ہے ویسے اللہ تعالیٰ جو چاہیں پل میں کر سکتے ہیں۔

۲ر ذی الحجہ ۱۳۶۵ھ مطابق ۲۸ر اکتوبر ۱۹۴۶ء بروز سوموار رائپور

فرمایا کہ اوپر تو انگریز کی قوت ہے اس لیے ہندو یا مسلمان جو آپس کی لڑائی میں بہادر بنتے ہیں فضول ہے۔

فساد ہونے کے بعد اس کے فوٹو اور ریکارڈ جب انگریز مہیا کر لیتا ہے تو پھر فساد کرنے والوں کو مقدمات میں پیش دیا جاتا ہے اور جس کی مدد کرنا انگریز کی مصلحت ہوتی ہے اس کو ابھار دیا جاتا ہے اور ہندوستانی حکام اور وزراء کی حکومت میں نالائقی پر مہر لگا دی جاتی ہے اور اپنے قیام کے جواز کا فتویٰ تصنیف کر لیا جاتا ہے۔

سہارنپور میں جو ایک چھوٹا سا شہر ہے۔ ایک دفعہ فساد ہوا مسلمانوں نے ایک لمبا بانس لیا اس پر ایک اور بانس باندھا چکی کے بھاری پتھر میں پھنسا کر اسے ایک ٹھیلے پر رکھ کر اس کا محرم کے موقعہ پر علم بنایا اور لے کر چلے پولیس اور حکام ہمراہ تھے آخر ایک ایسے

راستہ پر ہو لیے جو تنگ تھا اور جس کے راستہ میں پیپل پڑتا تھا۔ وہاں جا کر علم اٹک گیا تو مسلمان
کہنے لگے کہ ہمارا علم نہ تو جھکتا ہے اور نہ واپس جاتا ہے یہ تو یہاں سے ہی گزرے گا۔ اس
پر حکام نے پہلے تو سختی کا پھر ڈھیلے پڑ گئے اگر فساد روکنا ہوتا تو کچھ مشکل نہ تھا مگر موقعہ دیا کہ
پیپل کی ٹہنیاں کاٹی جائیں ہندو بگڑے کہ ہمارے مقدس پیپل دیوتا کو کاٹا جا رہا ہے اور ارد گرد
کے مکانوں سے اینٹیں پتھر برسنے شروع کر دیئے پولیس تو کھسک گئی اور خوب فساد ہوا
دو گھنٹے تک مسلمانوں نے اپنی حکومت قائم کرلی مارا تو کم لیکن مٹھائیاں اور ایسا ہی سامان جو
ملا دکانوں مکانوں سے لوٹ لیا جب یہ ہو لیا تو اب پولیس آئی اور جو راستہ چلتا ملا
گرفتار کر لیا۔ دو سال تک مقدمات اور تحقیقات چلتی رہی اور ایک کوتوال جو مسلمان تھے
انہوں نے مسلمانوں پر شفقت فرمائی جو مسلمانوں کو اطلاع کر دی کہ تیسرے دن ہم تمام شہر
کی تلاشی شروع کریں گے۔ مال ملا تو جرم ثابت ہوگا۔ چنانچہ اب لوٹا ہوا مال اگلنا شروع
ہوا۔ رات برات بازار میں مال اسباب پھینکا جاتا تھا کنوؤں میں ڈالا جاتا تھا اور ایک کسی
نے تو یہ کیا کہ اسباب مسروقہ گدھے پر لاد کر ہانک دیا۔ پولیس والوں نے گدھا پکڑا کوتوالی میں
دیا اور مذاقاً کہا لو صاحب مجرم مع مال مسروقہ حاضر ہے۔ الغرض پھر ایسی مصیبت آئی کہ
خدا کی پناہ ہر شخص یہی چاہتا تھا کہ اور کوئی پھنستا ہے تو پھنسے مگر وہ بچ جائے۔ ایک صاحب
پندرہ دن بعد شہر میں آئے تو دیکھا کہ جس شخص کو اپنی دانست میں مار کر گئے تھے وہ بھی زندہ
ہے یہ معلوم کرتے ہی سر پہ پاؤں رکھ کر پھر بھاگ گئے۔ اگر ادھر انگریز نہ ہو تو اس فساد کا خواہ
یہ ظلم ہی ہے کوئی نتیجہ نکلے کہ جس قوم کا جہاں زور جم جائے وہ جگہ اس کے تسلط میں آجائے
مگر اس وقت تو خواہ ہندو ہو یا مسلمان لڑنے والے فضول لڑتے اور اپنے ملک اور قوم کو
نقصان ہی پہنچاتے ہیں۔ خود مصائب اٹھاتے ہیں سوا اس کے ان فسادوں کا کوئی نتیجہ

نہیں ہاں مل کر انگریز کو نکال دیں تو پھر اس لڑائی کا اچھا بُرا کچھ تو نتیجہ نکلے اب تو یہ سب بے وقوفی بے معنی اور سراسر اپنے ملک اور قوم کی کھلی تباہی ہے اب سنا ہے ولایت سے کوئی مشن یا وفد پھر آرہا ہے اور خیر سے وہ عید کے موقع پہ آئے گا اور اس کے بعد ہی محرم لگا ہوا ہے تو ملک کے فساد کے شباب کے موقع پر فوٹو لے گا اور تمام دنیا کو اپنے ہندوستان میں رہنے کے جواز پر ہمنوا کرنے کا سامان کر کے چلتا بنے گا اور فساد کرنے والے مدتوں پھر مقدمات کے شکار رہیں گے۔

نرائن گڑھ کے ایک مہمان نے مولانا آزاد[1] اور مولانا مدنی پر اعتراض کیا کہ وہ اب ہندو کے ساتھ مل کر مسلمانوں کی تباہی کا سبب بن رہے ہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ اگر صرف اتفاق اور اتحاد سے ہی بغیر عقل کے کام چل سکتا تو اب سے زیادہ ہندوستانی مسلمان کب متحد تھے۔ اب جو لیگ کے ساتھ نہیں ہیں وہ تو گنتی کے لوگ ہیں جو کسی شمار میں نہیں مگر عقل سے نہ چلا جائے تو اتحاد بھی کچھ مفید نہیں پڑتا۔ لیگ اگر اپنے اس اتحاد کو عقل سے کارآمد بناتی تو اچھا تھا مگر عقل سے نہ چلیں اور اشتعال پھیلائیں تو مسلمانوں کو فائدہ کے بجائے نقصان پہنچا دیں گے اور پھر اوپر یہ ایسے لوگ ہیں جن میں قومی ہمدردی کا یہ حال ہے کہ ان کو موقع مل جائے تو قوم کو کٹوا ڈالیں اور کوئی پرواہ نہ کریں اور یا بے جا ہٹ ضد اور نیچے کی بات پر قوم کے مفاد کو قربان کر ڈالیں یہ تو خود غرضوں سے بھی زیادہ بُرا ہے۔ یہ ہٹ اور بے سمجھی نہ تو ذاتی طور پر کوئی فائدہ بخش ہے اور قوم کو تو تباہ کن ہے ہی۔ آخر لیگ نے بے سمجھی سے بلا کو چنگیز وغیرہ کا نام لے کر دھمکیاں بھی دیں تو دیکھنا چاہیئے کہ جب اسے مسلم رائے پر اخر ڈالنے کی حیثیت حاصل ہو گئی تو اس کا نتیجہ کیا نکلا کہیں

---

[1] مولانا ابوالکلام آزادؒ

اگر ہندو کو مار دیا تو دوسری جگہ ہندوؤں نے بھی اسی جذبے کے تحت مسلمانوں کو تباہ کر دیا آخر اس کی ذمہ داری کس پہ ہے۔

---

۲ ذی الحجہ ۱۳۶۵ھ مطابق ۱۹ اکتوبر ۱۹۴۶ء بروز منگل رائپور

سہارنپور کی جامع مسجد کے پیش امام نے بڑے اہتمام سے حضرت والا سے سوال کیا کہ آپ مولانا ابوالکلام آزاد کو کیسے سمجھتے ہیں۔ حضرت والا نے فرمایا ہمارے منشی اور متمول تو یہ مولانا مولوی اشفاق صاحب ہیں شاید ان کو کچھ زیادہ معلوم ہو باقی مجھے تو یہ علم ہے کہ ہمارے حضرت کے ہاں جنگ طرابلس و بلقان کے ایام میں مولانا آزاد کا اخبار الہلال پڑھا جاتا تھا۔ ان کے مضامین جو عموماً سیاسی ہوتے تھے پسند کیے جاتے تھے بلکہ یہ سمجھا جاتا تھا کہ مولانا آزاد نے ہمارے حضرات کو اس مد میں بیدار کیا ہے۔ میں کبھی مولانا آزاد سے نہیں ملا اور نہ کبھی اپنے حضرات کے علاوہ کسی اور سے ملنے کا شوق ہی پیدا ہوا۔ حضرت تھانوی علیہ الرحمۃ اور ان کا حلقہ تو ظاہر ہے کہ مولانا آزاد سے مانوس نہ تھا۔ حضرت شیخ الہند کے ہاں سنا ہے کہ مولانا آزاد ایک دفعہ پہنچے وہاں پہلے سے الہلال کے ذریعہ تعارف تھا تو حضرت شیخ الہند نے دیکھتے ہی فرمایا کہ آپ ابوالکلام آزاد معلوم ہوتے ہیں اور حضرت شیخ الہند کے ہاں سیاسی خیالات کی وجہ سے مولانا آزاد سے مناسبت اور انسیت تھی اور یہ بھی سنا ہے کہ حضرت شیخ الہند نے فرمایا کہ آپ نے ہمیں جگا دیا ہے۔ مولانا آزاد کے مضامین سے ان کی ذہانت نمایاں ہے۔ باقی آپ کا سوال اگر تقویٰ کے مد میں ہے تو یہ تو اس کو معلوم ہو جو ان کے ساتھ رہا ہو یا ان سے پیری مریدی کا تعلق ہوا ہو البتہ سیاسی مناسبت کا تذکرہ ہے

ہی امامت تو میں نے تو اپنے

حضرت اور پھر حضرت گنگوہی کی امامت مان رکھی ہے البتہ سیاسیات میں مولانا آزاد نے بھی ایک راستہ اختیار کیا ہے اور ہمارے حضرات میں سے بعض نے جس طرح حضرت شیخ الہند نے اس راستہ کو پسند کیا ہے یہ سیاسیات کی حد ہے اس سے زیادہ مجھے اس مد میں کچھ معلوم نہیں۔

حضرت والا نے انسان کی زندگی کی بے ثباتی اور موت کی ناگہانی آمد کے تذکرے میں حکیم اجمل خان، ڈاکٹر انصاری اور بعض اور مشاہیر کی اچانک موت کے واقعات بیان فرمائے۔ پھر سر سکندر وزیر اعظم پنجاب کی ناگہانی موت کا تذکرہ فرمایا اور شاہ زاہد حسن صاحب رئیس بہٹ کا بھی تذکرہ فرمایا کہ ایک مرتبہ میں نے ان سے کہا کہ میں مر جاؤں تو فلاں جگہ دفن کر دینا مگر جب وہ بیمار ہوئے اور علاج کے سلسلہ میں بعض ڈاکٹروں کو بلایا۔ ایک ان میں دعویٰ کرتا تھا کہ اب پانچ منٹ میں اثر دوائی کا دیکھو پانچ منٹ گزرنے پر فرق نہ آیا تو اس نے کہا کہ میں فیل ہو گیا۔ اسی طرح اور بھی فیل ہو گئے۔ شاہ صاحب نے کہا کہ خواہ پانچ لاکھ روپیہ صرف ہو کر صحیح علاج مل جائے تو بھی پرواہ نہیں اور ایک کار تو رات دن بہٹ اور سہارنپور کے درمیان ڈاکٹروں اور دوائیوں کے لانے میں مصروف تھی مگر ڈاکٹروں نے جواب دے دیا کہ گردے پیشاب ہی نہیں بناتے اب ہم کیا کریں تو شاہ صاحب نے مجھے کہا کہ تذکرہ تو آپ کے انتقال کا تھا مگر اب میں جا رہا ہوں میں نے کہا جو خدا کی مرضی۔ تو روپیہ اگر موت ٹال سکتی تو شاہ صاحب اور ان سے بھی زیادہ روپیہ والے موت کو ٹال دیتے حالانکہ وہ ایک منٹ بھی اِدھر اُدھر نہیں ہو سکے۔ لہٰذا انسان کو چاہیے کہ موت کو یاد کرتا رہے اور سمجھے کہ جو دم یادِ الٰہی میں گزرے شاید وہی کچھ کام آئے گا اور عبرت حاصل کرے۔

حضرت والا نے فرمایا کہ حضرت سلطان جی[1] نے حضرت بابا صاحب[2] کے ملفوظات تحریر

---

[1] حضرت سلطان جی خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ۔ [2] حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ۔

کئے ہیں ان میں سے ہے کہ باوا صاحب نے بیان کیا کہ بھائی! بہاء الدین زکریا صاحب ملتانی کی موت بڑے مزے کی موت تھی۔ ایک دن وہ وظائف میں مشغول تھے کہ ایک شخص نے ان کے ایک صاحبزادہ سے آکر ایک سُرخ لفافہ دیا کہ حضرت کو پہنچا دیا جائے صاحبزادہ نے کہا کہ وہ وظیفہ میں ہیں اس نامہ بر نے کہا کہ ان کے پاس رکھ آؤ چنانچہ وظیفہ سے جب حضرت کی توجہ ہٹ کر لفافہ کی طرف ہوئی تو لفافہ دیکھ کر صاحبزادہ کو بلا کر فرمایا یہ کس نے دیا ہے۔ انہوں نے عرض کیا کہ ایک شخص غیر معروف ہے آپ نے فرمایا اس لفافہ کو لانے والا وہ شخص ہے کہ اگر کوئی دھات کا مضبوط گنبد ہو تو اس میں بھی بغیر روک ٹوک جا سکتا ہے مگر اللہ تعالیٰ نے فضل فرمایا کہ وہ تیرے باپ کی عزت کرتا اور اجازت لے کر آنا چاہتا ہے اسے آنے دیا جائے چنانچہ وہ فوراً آموجود ہوا۔ حضرت نے ایک چیخ ماری اور وجد کی کیفیت طاری ہوئی اور اسی حجرہ میں جا کر واصل بحق ہوئے۔

حضرت بہاولنگری[1] کو میں نے خواب میں وصال کے بعد دیکھا تو میں نے ان کو بہت اچھی حالت میں بچہ سا پایا کہ گود میں بٹھا لیا اور عرض کیا کہ حضرت آپ کو تو سب تجربات ہو گئے جلد جلد مجھے سب حالات بیان فرما دیجئے کہ موت کس طرح آتی اور کیا کیا گزرتا ہے آنکھ کھل گئی تو آپ کہیں ہونگے اور ہم کہیں حضرت بہاولنگری نے جو فرمایا اس میں سے اتنا یاد ہے کہ جب موت آئی ہم نے اپنے آپ کو جدا نہیں پایا۔ یعنی باری تعالیٰ سے جدائی نہیں رہی۔ پھر آنکھ کھل گئی۔

میں نے حضرت منشی جی[2] صاحب کو خواب میں دیکھا اور گود میں بٹھا کر دریافت کیا کہ حضرت آپ کو تو بہت دن ہم سے رخصت ہوئے ہو گئے اور تمام حالات آخرت کے اچھی طرح دیکھ

---

[1] حضرت مولانا اللہ بخش صاحب بہاولنگری رحمۃ اللہ علیہ۔

[2] حضرت منشی رحمت علی صاحب جالندھری رحمۃ اللہ علیہ۔

بہت لیے آپ جلدی جلدی مجھ سے بیان فرما دیجئے ورنہ آنکھ کھل گئی تو آپ کہیں ہوں گے اور ہم کہیں۔ حضرت منشی جی صاحب نے بہت ہی تفصیل سے تمام حالات بیان کئے مگر جب آنکھ کھلی تو باوجود بے حد زور دینے کے حافظہ میں کچھ نہ رہا آخر یہ سمجھ کر حافظہ پر زور دینا چھوڑ دیا کہ جو بات اللہ پاک کو غیب میں کسی منظور ہے اسے ہم کیسے یاد اور محفوظ رکھ سکتے ہیں۔ حضرت مولانا مولوی یحییٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو میں نے خواب میں دیکھا کہ تشریف لائے ہیں ایک نہایت خوبصورت کوٹھی میں حضرت (رحمۃ اللہ علیہ) کے مہمان ہوتے ہیں۔ کھانا پکنے اور خدمت کا اہتمام ہم کو کرنا چاہیے تھا مگر ہم نہیں کر رہے۔ اس کوٹھی کی اردگرد کی بارکوں سے آ کر تمام خدمات اور اہتمامات ہندو نابالغ لڑکے کر رہے ہیں۔ کھانے میں مجھے شریک نہیں کیا گیا جس کا مجھے خیال بھی رہا ہے۔ گنگرولی کے ایک نوجوان لڑکے کو کھانے میں شریک کیا گیا جو یہاں طالب علم بھی رہا تھا۔ کھانے سے فارغ ہو کر حضرت رحمۃ اللہ علیہ تو کسی الگ کمرے میں چلے گئے مولانا یحییٰ صاحب کی جس طرح بے تکلفی کی عادت تھی آپ وہیں چارپائی پر لیٹ گئے۔ میں نے مولانا صاحب سے درخواست کی کہ مجھے آپ توجہ دیجئے بعد میں توجہ لینے کو گویا جھکا جاتا ہوں کہ جلدی کیجئے ورنہ آنکھ کھل گئی تو آپ کہیں ہوں گے اور میں کہیں پھر میں نے ساتھ چلنے کی بھی التجا کی تو مولانا نے میرے رخسار پر ایک زور کا تھپڑ مارا کہ ہم اکیلے چلے ہی لیں لے جاتے ہیں۔ آنکھ کھل گئی تو تھپڑ کا اثر رخسار سے پر محسوس ہوتا تھا چنانچہ میرا رخسار دوطلا بھی اور یہ خیال آیا کہ اگر یہ خواب خیال نہیں ہے تو اس گنگرولی والے لڑکے کی زندگی تھوڑی معلوم ہوتی ہے۔ چنانچہ اس کا جلد ہی انتقال ہو گیا جب اس کے انتقال کی خبر ملی تو فرمایا کہ میں نے خیال کیا کہ ابھی اور زندگی ہے اور کھانے میں شریک نہ ہونے کا جو خیال تھا وہ جاتا رہا۔

ؔ یہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کے والد گرامی ہیں۔

۴۔ ذی الحجہ ۱۳۶۵ھ مطابق ۳۰۔ اکتوبر ۱۹۴۶ء بروز بدھ ملتان پور

صبح کے وقت مولانا حبیب الرحمن صاحب لدھیانوی کو فرمایا کہ اگر کوئی شخص لیگ کانگریس کے متعلق بحث میں پڑا کرے تو میرا خیال ہے تم اس میں بحث نہ کیا کرو کیونکہ جہاں تک میں سمجھتا ہوں کوئی شخص فی زمانہ سمجھانے سے نہیں سمجھتا۔ چنانچہ میر صاحب (میر آل علی صاحب) کو میں نے بھی کئی دفعہ کہا مگر انہوں نے ہمیشہ یہی فرمایا کہ مجھے سمجھ میں نہیں آتا۔ مگر جب موٹر والوں پر ایک سکیم کے تحت زد پڑتی نظر آئی تو تمام ہندو مسلمان موٹر والوں نے ایک مشترکہ یونین بنائی تو میر صاحب کی سمجھ میں آ گیا کہ اس معاملہ میں ہندو مسلم اتحاد ہو سکتا ہے۔ مگر اونچے سیاسی معاملات سے انہیں دلچسپی نہ ہونے کے باعث وہاں ہندو مسلم اتحاد ان کی سمجھ میں نہ آ سکا۔ لہٰذا تم بھی ایسے معاملات میں میری طرح یہی کہہ دیا کرو کہ ہم زیادہ نہیں سمجھتے کیونکہ بحث سے کوئی فائدہ نہیں جو سمجھتا ہے واقعات سے سمجھتا ہے فرمایا کہ ملک کے شاید ٹکڑے ہو جائیں کیونکہ ابھی سے انگریز ہندو مسلم کے علاوہ بھی قوموں کو کھڑا کرنے کے درپے ہے اور مسلمانوں میں بھی مختلف قوموں کی بنا پر کئی ٹکڑے ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ ہر قوم مسلمانوں میں بھی دوسری کو ذلیل سمجھتی ہے اور چاہتی ہے کہ ہمارا اقتدار ان پر رہے۔ یہی چیز ٹکڑے بننے کا موجب ہو جائے گی۔ حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت چاہا کہ مسلمانوں میں قومی اختلاف پیدا نہ ہو اور اپنے زمانہ میں اس جذبہ کو مٹا بھی دیا۔

حضرت والا نے سب کو مخاطب فرماتے ہوئے فرمایا کہ مولوی حبیب الرحمن نے ایک بات پوچھی تھی اس پر دل میں کچھ بیان کرنے کی امنگ ہوتی ہے اور یہ مضمون کچھ میرا بھی نہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ علیہ الرحمۃ کی تصانیف کے بعض فقروں سے مستنبط ہے۔ شاہ صاحبؒ کے مولانا عبید اللہ صاحب سندھی کوئی خواہ مخواہ کے معتقد نہ تھے۔ شاہ صاحبؒ متاخرین میں زبردست علوم کے حامل ہوئے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کو ہر معاملہ میں بڑے بڑے علوم عطا فرمائے تھے حضرت شاہ صاحبؒ نے تحریر فرمایا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کو زمانہ میں کوئی رنگ پیدا کرنا ہوتا

ہے تو ویسے ہی لوگوں کو پیدا فرما دیتے ہیں اور ان کے جذبہ کی وجہ سے عام نفوس ادھر کو ہی کھنچ جاتے ہیں۔ میں نے اس سے یہی سمجھا ہے کہ ایک تو سلوک ہے یعنی چلنا اور ایک جذبہ ہے یعنی کھنچ جانا تو جب اللہ تعالیٰ کو دنیا میں کچھ کرنا منظور ہوتا ہے تو کسی ایسے قلب کے انسان کو دنیا میں بھیج دیتے ہیں۔ جس میں جذبہ ہو اور پھر اور لوگ بھی ایسے ہی پیدا ہو جاتے ہیں جن کو اس سے مناسبت ہو اس طرح وہ شخص ان کا مرکز بن جاتا ہے اور وہ اس کے گرد جمع ہو جاتے ہیں اور پھر ان کے اثرات سے زمانہ پر وہی رنگ چھا جاتا ہے۔ چنانچہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف لائے تو اس وقت اور بھی بعض لوگ تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ ایسے پیدا ہو گئے تھے جو عربوں کے عام مشغلۂ جدال و قتال اور ظلم و جبر اور بت پرستی وغیرہ سے دل برداشتہ تھے مگر ان کو کوئی رستہ نہیں ملتا تھا۔ حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ کا قصہ ہے کہ وہ ایک لوٹ مار کرنے والے قبیلہ کے فرد ہونے کے باوجود ان باتوں سے متنفر تھے اور چونکہ عام طور پر وہاں کے لوگوں کے ذہنوں میں کسی نبی کے ہونے کا دیرینہ مگر دھندلا خیال تھا اس لیے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق چرچا سنا تو اپنے بھائی کو تحقیق حال کے لیے مکہ بھیجا مگر آپ کے بھائی کو چونکہ اس طرف زیادہ توجہ نہ تھی صرف اتنی سی بات سن کر آ گئے کہ وہاں ایک شخص ہے جسے لوگ صابی یعنی بددین کہتے ہیں وہ چھپا چھپا رہتا ہے اور بس۔ اس پر حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ نے بھائی کو کہا کہ افسوس تم تو کچھ بھی حال کر کے نہ لائے اور خود تحقیق کے لیے بڑا سفر کر کے خانۂ کعبہ میں آکر مسافروں کی طرح ٹھہر گئے مگر سوا ان باتوں کے جو غیر متعلق لوگوں سے ادھوری بغیر پوچھے کانوں میں پڑ گئیں کسی سے کچھ پوچھنے کی اس وجہ سے جرأت نہ ہوتی کہ لوگ آپ کے اتنے خلاف تھے کہ ——— دریافت کرنے والے مسافروں تک کو نقصان کا اندیشہ ہو جاتا تھا۔

ایک شام حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کعبہ میں بیکار اکہ کوئی مسافر ہو۔ حضرت ابو ذرؓ کے متعلق معلوم ہوا ان کو ساتھ لے گئے۔ کھانا کھلایا اور پھر وہ حرم میں آکر ٹھہر گئے۔ تین دن ایسا ہی واقعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کھانا کھلانے کا ہوا تو تیسرے دن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دریافت

فرمایا کہ اے مسافر تیرا یہاں کوئی کام ہو تو بتا۔ انہوں نے آہستہ سے کہا میں بتاؤں تو بشرطیکہ تم ناراض نہ ہو۔ انہوں نے اطمینان دلایا تو حضرت ابو ذر نے عرض کیا کہ میں اس شخص کو ملنا چاہتا ہوں جس کو لوگ صابی کہتے ہیں اور اس غرض سے قبیلہ غفار کے علاقہ سے آیا ہوں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میرا رخ بھی اسی نبی کی طرف ہے اور کہا میں تمہارے آگے آگے چلوں گا اور چلتے چلتے ایک مکان پر نشان کروں گا وہ وہاں تم کو مل سکیں گے۔ چنانچہ اس وقت مخالفانہ حالات میں ایسا ہی کیا گیا۔ کیونکہ لوگ مسافروں کو حضور کا پتہ بتلانے پر بھی لڑتے تھے اور حضور بھی اسی طرح گمنام رہا کرتے تھے۔ آخر حضرت ابو ذرؓ نے حضورؐ کی زیارت کی اور چند باتیں دریافت کیں اور مسلمان ہو گئے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ اب تم چلے جاؤ جب تم سنو کہ ہمارا غلبہ اور اعلان ہو گیا ہے تو پھر چلے آنا اب تم کو یہاں تکلیف ہوگی۔ حضرت ابو ذرؓ حرم میں چلے آئے۔ وہاں دو عورتیں طواف میں دو بتوں سے مرادیں مانگنے لگیں جو مرد و عورت کے بت تھے تو حضرت ابو ذرؓ سے نہ رہا گیا ——— اور فرمایا کہ ان دونوں مرد و عورت بتوں کا نکاح کر دو [illegible]۔ اس پر حرم والوں میں شور پیدا ہو گیا کہ کوئی صابی یعنی بد دین حرم میں آکر بہت [illegible] ہے اور آپ کو مار لگنے لگی حضرت عباس رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور لوگوں کو یہ کہہ کر آپ کی مار پیٹ سے منع کیا کہ اگر یہ شخص مر گیا تو اس کی قوم غفار جو بڑی لٹیرہ ہے تمہارے شام کو جانے والے تجارتی قافلوں کو لوٹ لے گی۔ اس پر لوگ کچھ ٹھنڈے ہوئے۔ حضرت ابو ذرؓ

ایک مرتبہ پھر اسی طرح حضور سے ملے اور حضور نے وہی فرمایا مگر ان سے حرم میں آکر نہ رہا گیا تو پھر کلمہ شریف کا اعلان کر دیا اور اسی طرح حضرت عباسؓ نے انہیں پھر اہل مکہ سے چھڑایا اور وہ اپنے قبیلہ کو چلے گئے۔

ایسے ہی متعدد واقعات صحابہ کے ہیں، کہ انہوں نے نہ تو کچھ زیادہ صحبت اٹھائی تھی نہ اسلام کی کوئی باقاعدہ اشاعت ہوئی۔ مگر قلوب خود بخود حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی

طرف متوجہ ہو گئے۔ صحابہ میں ایمان اور کام تھا اور زیادہ متاخرین کی طرح کے مجاہدات
بھی ہمیں کتابوں میں نہیں ملتے مگر ان کو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جذبہ کی وجہ سے جذب
ہو جاتا تھا جس کا صحابہ کو بھی کم علم تھا۔ تم جانتے ہو کہ وہ لوگ اپنے کاروبار میں لگے رہتے تھے
اور اصحاب صفہ بھی صرف طالبعلموں کی طرح کچھ قرآن پڑھ لیتے تھے۔ کچھ لکڑیاں لے آتے
تھے اور کوئی خاص بات ابتداء میں نہ تھی چونکہ خدا تعالیٰ کو اسلام کا پھیلانا مقصود تھا اس
لیے گو دنیا نہیں مگر بعد میں بھی لوگوں میں جذب ہوا۔ اسلام کچھ بادشاہت کی وجہ سے
زیادہ نہیں پھیلا بلکہ جن کو جذب ہوتا تھا ان کا اثر تھا چنانچہ متاخرین میں حضرت مجدد صاحب
کے خلفاء میں سے حضرت آدم بنوری کا حال ہے کہ ہمیشہ دس ہزار علماء صلحاء طالبین ان
کے دسترخوان پر ہوتے تھے اس سے ان کی معتقد مخلوق کی تعداد کا اندازہ کرو۔ بادشاہ
الٹا ایسے فقراء سے خائف رہتے تھے کہ ہماری سلطنت پر قبضہ نہ کر لیں چنانچہ بادشاہ
نے حضرت آدم بنوری کے پاس دس ہزار روپیہ بھیجا اور دینے والے نے بڑی منتوں سے
حضرت کو روپیہ قبول کرنے پر آمادہ کیا اور جب روپیہ لے لیا تو جیسا اس کو سکھایا گیا تھا
اس نے عرض کیا کہ اب حضرت پر حج فرض ہو گیا ہے اس وقت حضرت لاہور کے سفر
میں تھے درویشوں کو بھی وہاں کا شوق ہوتا ہے اگرچہ سمجھ ہی گئے ہوں مگر ادھر سے اُدھر
دریاؤں کے راستہ کراچی سے ہوتے ہوئے حج کو تشریف لے گئے۔ الغرض یہ بیان کرنا
مقصود ہے کہ یہ تو متاخرین کا حال ہے اس سے ان لوگوں کا اندازہ کرو جو جذب میں
اصل اور مرکز عام ہوئے جب خدا تعالیٰ کو کوئی کام کرنا منظور ہوتا ہے تو ایسے لوگ دنیا میں بھیج
دیے جاتے ہیں اور عنایت خداوندی ان سے متعلق ہو جاتی ہے اور پھر بعد والے جذب سے خالی
اور صرف سالک رہ جاتے ہیں اور دنیا کی امامت کی باگ ڈور ان کے ہاتھ میں نہیں رہتی پھر اگر خدا تعالیٰ
کو کچھ کرنا ہوتا ہے تو عنایت خداوندی کسی اور سے متعلق ہو جاتی ہے خاندانوں اور خانزادوں کا یہی حال
ہوا ہے۔

حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کے متعلق خیال کیجیئے کہ وہاں بڑا مذہب تھا آپ کے حواریوں میں بھی بڑا مذہب تھا اور کتنی قوموں پر ان کے اثرات ہوئے اور لوگ نجات کی تلاش میں کیسے مارے مارے پھرتے رہے۔ پھر بعد کے راہبوں کا یہ حال ہوا کہ ان کی قوم اب اور طرف کو چل رہی ہے اور ان کی ایسی گت بنائی کہ اب وہاں اس دور کے لوگوں کو اور ان کے موجودہ متبعین کو کوئی نہیں پوچھتا الا ماشاء اللہ اور یہ سب عیسائی مشنریوں کا جال میرے خیال میں اہل یورپ کو سیاسی طور پر مطلوب ہے ورنہ تنہا یہ درخور اعتنا ء ان کو نہ سمجھا جائے اور گرجا جانا بھی لب رسمی اور بہت کچھ عورتوں کے دم قدم سے ہے جیسا منصوری وغیرہ میں ہم نے دیکھا ہے اب پادریوں کی یورپ وغیرہ میں ہمارے میاں جیوں وغیرہ سے بھی کم قدر ہے۔ لوگ صرف رسمی اور قانونی نکاح طلاق وغیرہ میں ان کی کچھ ضرورت اور دفن کفن میں ان کی خدمات کی ضرورت سمجھتے ہیں۔ ہندوؤں میں بھی جوگی وغیرہ اب بغیر مذہب کے بے نفیسے پھر رہے ہیں اور دنیا نقد کی طرف تو خود ہی چلا کرتی ہے۔ ہم خواہ لاکھ کہیں ہم پر بھی ماحول کا اثر پڑتا ہے اور وہ بات جو پہلے تھی اب نہیں رہی اب تو سلوک ہے اور یہ بھی یاد رکھو کہ مذہب کے بغیر ہر لمحہ حال میں بھی وصال نہیں ہوتا۔ ہاں سلوک کی بھی ضرورت ہے۔ کہ سلوک کے بغیر وہ ملکہ پیدا اور راسخ نہیں ہوتا جس کو ہم استقامت سے تعبیر کرتے ہیں۔ اب تو جن لوگوں سے کوئی کام بن نہیں آتا وہ ادھر محض اس لیے آتے ہیں کہ یہ بھی مفت خوروں کی ایک فوج ہے اور اسی طرح اپنے گزارہ کرو۔ وہ دیکھتے ہیں کہ آخر ان کو جو کچھ کھانے پینے کو ملتا رہتا ہے ان کے پاس بھی کچھ ہے اور لوگ اعتقاد میں سمجھتے رہتے ہیں کہ حضرت جی خواہ سو رہے ہوں نہیں معلوم کون سے آسمان اور کس مقام میں پھر رہے ہیں۔ اب جس کو کچھ دنیا کا کرنا آتا ہو وہ تو ادھر متوجہ نہیں ہوتا۔ بھائی جو کچھ ہے اب تو اسی کو غنیمت سمجھو اور اگرچہ کچھ زیادہ نہیں ہو سکتا مگر جو بن آئے کیے جاؤ شاید انفرادی طور پر کچھ دال دلیا ہو جائے۔ مگر یہ سب کچھ ایسا ہی رہے گا۔ حدیث میں جو آتا ہے کہ قیامت ایسے لوگوں پر قائم ہوگی جن میں کوئی اللہ اللہ کرنے والا نہ ہوگا۔ اس قصے میں تو سمجھتا ہوں کہ قیامت اس وقت آئے گی جب کوئی شخص خدا کو ماننے والا نہ رہے گا۔

---

۵ ذی الحجہ ۱۳۶۵ھ مطابق ۳۱ اکتوبر ۱۹۴۶ء بروز جمعرات رائپور

صبح کی مجلس میں حضرت والا نے فرمایا کہ میرے خیال میں جب قوم ترقی کرے گی تو مذہبیت سے بوجہ جدید علوم میں اشتغال و انہماک کے نا آشنا ہو جائے گی اور مذہب کا درجہ ثانوی اور ثالث بلکہ صفر کے برابر ہو جائے گا۔ عام رجحان مذہب سے بیگانگی کا جو ہوتا جا رہا ہے اسکے پیش نظر میرا خیال ہے کہ جتنی دنیاوی ترقی ہندوستان کرے گی یہاں سے مذہبیت رخصت ہو جائے گی کیونکہ فی زمانہ دنیاوی اور سیاسی ترقی جیسی یورپ لا رہا ہے وہ ایسے علوم کے اکتساب پر منحصر ہے جن میں انہماک سے مذہبی لاپرواہی اور بے دینی پیدا ہوتی ہے۔ گاندھی کے سوا موجودہ ہندو بڑے لیڈر بھی نام کو ہندو ہیں۔ ورنہ دہریہ ہیں۔ کیونکہ عوام کے بغیر ان کی گاڑی نہیں چلتی۔

دوران گفتگو حضرت والا نے یہ بھی فرمایا کہ ایک دفعہ کرتار پور سے ہم جالندھر آنے کو گاڑی میں بیٹھے تو چودھری عبد الخالق صاحب نے ہمیں انٹر میں بٹھا دیا اور بتایا کہ اس میں یہ شخص (چودھری افضل حق[1]) جو مشہور ہے بہت بولنے والا ہے۔ آپ کو ضرور چھیڑے گا۔ خیر ایک آدھ اسٹیشن گزرنے کے بعد چودھری صاحب ہماری طرف متوجہ ہوئے۔ منشی صاحب نے تو یہ کہہ کر پیچھا چھڑا لیا کہ میں مولوی نہیں پھر وہ میری طرف متوجہ ہوئے کیونکہ لوگ مجھے مولوی مولوی کہتے تھے۔ مسئلہ قتل مرتد کا ان دنوں چرچا تھا اس پر تھوڑی سی گفتگو ہوئی اور آگے ہمارا اسٹیشن آگیا وہیں وہ بھی اتر گئے اور ہم کو بھی پیچھے پہل وہاں ملنے کا اتفاق ہوا۔ اور پھر احرار کی برکت سے لاہور میں بھی شاید ایک دو دفعہ اتفاق ہوا۔ چودھری صاحب

---

[1] چودھری افضل حق صاحب مرحوم ضلع ہشیارپور کے راجپوت تھے، پولیس میں سب انسپکٹر تھے ملازمت سے متعلق مشہور ہے کہ حضرت امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ صاحب کی تقریر سنی اور نوکری چھوڑ کر انکے ساتھی ہو گئے، اور عمر بھر شاہ جی کے ساتھ تمام تحریکات میں اور مجلس احرار میں ہم سفر رہے، انکے اخلاص اور ایثار کے بہت واقعات ہیں، ساری عمر بیرون دہلی دروازہ لاہور مجلس احرار کے دفتر میں گزاری اور وہیں انتقال ہوا میانی صاحب کے قبرستان میں آخری آرام گاہ نصیب ہوئی، اللھم اغفر لہ وارحمہ۔
(مرتب)

خوب آدمی تھے۔ سنا ہے کہ ایثار کا مادہ بہت زیادہ تھا۔ جب ممبر اسمبلی تھے تو روپیہ اوروں پر خرچ کر دیتے خود مکئی کی روٹی اور چٹنی وغیرہ پر گزر کر لیتے۔

ایک عجیب بات ہے۔ اللہ کی دین کا کیا کہئے کشمیر کی تحریک میں مرحوم سے کوئی اخلاص کا کام ہو گیا ہوگا۔ اخلاص کی برکت سے ان پر ایسے انوار طاری ہو گئے تھے کہ جیسے ذاکر شاغل لوگوں پر ہوا کرتے ہیں۔ اور یہی کیفیتیں طاری ہونے لگی تھیں جو بڑی مبارک ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ عملوں کو نہیں بلکہ دلوں کو دیکھتا ہے۔ اگر دل اس کی طرف متوجہ نہ ہو تو نماز جیسے خالص عبادت کے کام بھی بے حقیقت ہوتے ہیں اور خلوص اور للہیت اور خدا کی طرف توجہ ہو تو ایسے کام بھی جو عام میں مباح ہیں بلکہ جن میں اجتہادی غلطی بھی خواہ ہو وہ بھی بڑے مفید بن جاتے ہیں۔

حضرت شیخ الحدیث کی صاحبزادی کی شادی کے موقعہ پر حضرت مولانا مدنی مدظلہ عالی تشریف لائے اس وقت بات کا اتفاق ہوا تو فرمایا کہ حضرت گنگوہی علیہ الرحمۃ نے جب ایک مسئلہ بیان فرمایا اور لوگوں نے برا بھلا کہنا شروع کیا تو حضرت گنگوہی نے فرمایا تھا کہ ارے یار یہ مسئلہ تو مجھے پہلے بھی معلوم تھا اگر پہلے سے معلوم ہوتا کہ اس کی بدولت اتنا نفع ہوگا تو میں پہلے ہی اس کو اٹھاتا۔ یہ سنا کر حضرت مدنی نے فرمایا کہ مجھے تو خبر نہ تھی کہ اس (یعنی موجودہ سیاسی کشمکش میں لیگی طبقہ کی طرف سے سب و شتم اور اہانت و تکرار اور قتل کی کوشش) سے مجھے اتنا فائدہ ہوگا (حضرت والا نے فرمایا) سچ ہے بڑے میاں یہ آپ کی شان ہے اخلاص سے کام کرنے سے بڑا نفع ہوتا ہے۔ خواہ اس کام میں اجتہادی غلطی ہو یا نہ ہو۔

۶، ذی الحجہ ۱۳۶۵ھ مطابق یکم نومبر ۱۹۴۶ء بروز جمعہ رائے پور

عصر کے بعد کی مجلس میں حضرت والا نے فرمایا کہ آج کل کیلئے عربی کا نصاب مختصر کر دینا چاہیے جس میں پانچ سال میں فقہ، حدیث اور ترجمہ قرآن مجید و تفسیر پر عبور ہو جائے اور منطق فلسفہ وغیرہ اور دیگر فنون پر زیادہ زور نہ دیا جائے۔ اگرچہ مدرسہ مظاہر علوم اور دیوبند میں موجود ہیں،

ملاحسن کا ہونا ضروری سمجھا جاتا ہے اور وہ حضرات ایک حد تک منفعل بھی کرتے ہیں۔ مگر میرا خیال اختصار نصاب کا ہے۔

عشاء کے بعد کی مجلس میں حضرت مدنی مدظلہ العالی کے سفر پنجاب اور اس میں لیگی حملوں اور بدتمیزیوں کا ذکر ہوا۔ جالندھر سے آنے والے حضرات نے بیان کیا کہ جب حضرت مدنی کی گاڑی جالندھر پہنچی تو لیگی گارڈ نے لیگیوں کو بتایا کہ آپ کے ساتھ امرتسر میں لیگیوں نے بدتمیزی کی ہے۔ لاہور میں بھی ایسا ہوا ہے تم بھی کچھ کر لو چنانچہ لیگ کے ذمہ دار مقامی لوگوں نے ہر طرح کی بدتمیزیوں اور باحیایانہ حرکات کے علاوہ یہ بھی کیا کہ مولانا کے ڈبے کے سامنے بالکل برہنہ ہو کر ناچے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ حضرت والا نے میر صاحب۔ صوفی عبدالحمید خان صاحب کو خصوصیت سے مخاطب کر کے فرمایا کہ جو لوگ ایسی حرکات کے باوجود واقعات کو محض یہ کہہ کر ٹالتے ہیں کہ پروپیگنڈہ ہے۔ وہ اس ظلم سے بھی زیادہ ظلم کرتے ہیں جو اہل مظاہرین نے کیا ــــــ حضرت مدنی کے ہاں میں نے کبھی نہیں سنا کہ حضرت نے مسلمانوں کی طرف سے ستائے جانے کی شکایت کی ہو ایک مضمون میں عربی الفاظ تو ضرور فرمائے جن کا مطلب یہ ہے کہ میرا شکوہ اللہ کے سامنے ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ایسی حرکات کرنے والی قوم کو اپنے کرتوت کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔

نیز فرمایا کہ میں یہ نہیں کہتا کہ اختلافِ خیال نہ رکھو۔ جس کو اپنا اور مسلمانوں کا مفاد دیانتداری سے جس چیز اور مسلک سیاسی میں نظر آتا ہے وہ اپنے خیالات وہ رکھے مگر یہ حملے ہلڑ بازیاں، سب و شتم تو انسانیت سے گری ہوئی اور شرمناک بات ہے یہ نہیں ہونا چاہیے۔ مولوی انیس صاحب نے کہا کہ بڑے میاں (حضرت مدنی) تو فرمایا کرتے ہیں کہ میرے والد کے لڑکوں میں سے ایک کی شہادت کی دعا یا کسی کی پیشینگوئی فرمایا ہے اور میں تمنا رکھتا ہوں کہ وہ میرے حق میں ہو۔ حضرت والا نے یہ سن کر فرمایا کہ مسلمانوں کے بداعمال پہلے کیا کم ہیں جو حضرت یہ بار بھی ان کے سر دھرنا چاہتے ہیں۔ اگر پنجاب یا سندھ میں جا کر شہید ہو گئے تب پہلے تو لوگ قتل کریں گے پھر معتقدین کی دکھا دیکھی ہائے حسین کہتے حد سے تجاوز کر کے قبر کی پوجا شروع

کریں گے ۔

نیز فرمایا کہ بیس تیس سال سے ہر طرح قوم کو سمجھا لیا اب قوم تو جیسی مانتی ہے ظاہر ہے میں نے بھی ایک دفعہ عرض کیا تھا کہ اب جانے دیجئے اور حضرت نے تلخ لہجہ میں فرمایا کہ جو کچھ کرتے ہیں کرنے دیجئے۔ اس پر بڑے میاں نے قرآن و حدیث پڑھنا شروع کر دیا کہ اظہار حق اور معذرت پیش حق تعالیٰ کے لیے ایسا کرتے ہیں۔ نیز حضرت والا نے فرمایا کہ مخلص جو کرے ہو سکتا ہے کہ اس میں غلطی کھا جائے مگر نیت کی وجہ سے ماجور ہوتا ہے۔

حضرت مدنی کے متعلق حضرت والا نے اس رات کی محفل میں ایک موقعہ پر یہ بھی فرمایا تھا کہ ایک دفعہ حضرت مدنی نے کچھ مسودہ تنہائی میں لکھنا تھا۔ اس کے لیے بجنور تشریف لے گئے وہاں کے ایک معتقد نے عرض کیا کہ حضرت میں نے آپ کی مدافعت کے لیے پانچ ہزار رضا کار بھرتی کئے ہیں۔ اور دس ہزار اور کروں گا۔ تو حضرت نے متاثر ہو کر ہاتھ سے قلم ڈال دیا اور فرمایا کہ کیا تم مسلمان کو مسلمان کے خلاف لڑانے کے لیے ایسا کرو گے یہ مجھے ہرگز پسند نہیں خواہ مجھ پر کیسے ہی حملے کیوں نہ ہوں۔ تم پندرہ ہزار بھرتی کرو گے۔ وہ بیس ہزار کریں گے اور اس طرح مسلمان مسلمان سے لڑیں گے یہ ہرگز نہیں ہو سکتا اور مجھے یہ ہرگز پسند نہیں حضرت والا نے فرمایا کہ خواہ کوئی راضی رہے یا ناراض رہے ہم تو اپنے بزرگوں کو راضی کرنا چاہتے ہیں۔ اور یہ اپنا پرانا قاعدہ ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ جب بیمار تھے تو حضرت بد پرہیزی بھی کر لیا کرتے تھے اور مجھے کچھ ایسی چیز لانے کو فرما دیا کرتے جو طبیبوں نے پرہیز بتا رکھا ہوتا تھا۔ تو بعض راؤ صاحبان اور دوسرے لوگوں نے مجھے کہا کہ حضرت کو تم بد پرہیزی کیوں کراتے ہو میں نے کہا کہ تمہارے پاس نہیں آیا حضرت کے پاس آیا ہوں اور ان کو راضی رکھنا ہے۔ لہٰذا میں تو جو حضرت فرمائیں گے کروں گا۔ پرہیز تم کراؤ انہوں نے کہا کہ حضرت زہر مانگیں تو تم زہر لا دو گے میں نے کہا کہ ہاں اگر حضرت زہر مانگیں گے تو میں زہر لا دوں گا۔ اس طرح بعض نے مجھے کہا کہ حضرت کو پہلیوں سے رائے پور چلنے پر آمادہ کرو۔ جب حضرت بیماری میں وہاں قیام فرما تھے ان دنوں کا قصہ ہے تو میں نے جواب دیا کہ میرے لیے تو جہاں حضرت ہیں وہی رائے پور

ہے اگر کہنا ہے تو تم کہو میں کیوں کہوں میرے لیے تو اگر حضرت جنگل میں ہیں وہی رائے یہ ہے وہی گذار رہے ہے۔ اسی طرح میرا حال رہے میں تو حضرت مدنی کے ساتھ ہوں مجھے تو جو امید اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی ہے وہ ان حضرات کی جوتیوں کے طفیل ہے۔ کسی نے مجھ سے کہا تھا کہ آپ تو حضرت تھانوی علیہ الرحمۃ کی بہت تعریف کیا کرتے تھے میں نے جواب دیا کہ دیکھو امام اعظم اور امام شافعی علیہما الرحمۃ دونوں اپنے سر کا تاج۔ ہم حضرت امام شافعی کو بھی پورے یقین کے ساتھ سمجھتے ہیں اور باوجود اس کے عمل امام اعظم کے فتویٰ پر کرتے ہیں۔ ہمارے تمام مجمع سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے صرف مجھے یہ فرمایا تھا کہ حضرت شیخ الہند ضرور انشاءاللہ ہندوستان تشریف لائیں گے میرے بعد جب وہ آجائیں تو ان کی خدمت میں ضرور آمد و رفت رکھنا اب اسی مسلک پر حضرت مدنی مدظلہ العالی ہیں۔

نیز فرمایا کہ آج کل شخصی حکومتیں ہرگز نہیں چل سکتیں آج کل تو جمہوری اور شورائی حکومتیں ہی چل سکتی ہیں۔ جن میں کچھ لوگوں کا مخالف رہنا عین اصولی بات ہے ـــــــ یہاں تو بہت غیر مسلم ہیں۔ حجاز، عراق، شام، ایران وہاں تو غیر مسلم نہیں ہیں مگر وہاں کے پاکستانی بھی کوئی ترقی نہیں کر رہے۔ حجاز میں تو جلالۃ الملک ابن سعود اتنا بھی نہیں کر سکا کہ زراعت کو پھیلا کر ملک کو غلہ کی کمی اور احتیاج سے نجات کا سامان کرے ہاں ہندوستان اگر ایک مرکز پر آزاد ہو جائے تو اپنی آبادی اور وسائل کے لحاظ سے بیس سال میں دنیا کو مات دے سکتا ہے۔ روس کی پندرہ کروڑ کی آبادی کی دنیا تاب نہیں لا سکتی۔ ہندوستان کے چالیس کروڑ میں سے آپ خیال کریں کتنے ذہین لوگ پیدا ہو سکتے ہیں۔ اور اگر اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے تو افغانستان، ایران، عراق، شام، حجاز، نجد، یمن اور شرق اردن وغیرہ کی طرح بڑی سلطنتوں کی حرص و آز کا شکار ہوتے رہیں گے۔

۷، ذی الحجہ ۱۳۶۵ھ مطابق ۲، نومبر ۱۹۴۶ء بروز ہفتہ رائے پور

ایک مجلس میں حضرت والا کے سامنے مولانا خیر محمد صاحب کے اس خیال کا ذکر آیا کہ طلباء کو اخبار وغیرہ بالکل نہیں دیکھنا چاہیے۔ تو حضرت نے فرمایا کہ ہاں تجربہ سے یہ بات مجھے معلوم ہوئی ہے کہ دورانِ تعلیم ان امور کی طرف متوجہ نہ ہوں۔ کیونکہ کام انسان سے ایک ہی اچھی طرح ہو سکتا ہے۔ خصوصاً اس زمانہ میں جو دماغی کمزوری پائی جاتی ہے۔ وہ تو بھی ایسی پابندی کی متقاضی ہے۔

۸، ذی الحجہ ۱۳۶۵ھ مطابق ۳، نومبر ۱۹۴۶ء رائے پور

صبح کی مجلس میں حضرت والا نے فرمایا کہ ہر طبقہ میں بے شمار درجے ہیں مگر سمجھنے کے لیے یوں کہہ سکتے ہیں کہ تین طبقے ہیں ایک تو عام مؤمنین کا جو جنت کی طلب اور دوزخ کے خوف سے متاثر رہتے ہیں۔ اور عام اعمال میں اپنی کوتاہیوں کے باوجود لگے رہتے ہیں ان میں بے شمار درجے ہیں۔ دوسرا طبقہ خواص کا ہے جو یقین میں ان پہلوں سے بڑھے ہوئے ہیں اور انہوں نے اذکار و اشغال سے تقلیدی یقین کو تحقیقی بنا لیا ہے ــــ یہ دوسرا طبقہ بھی اہم ہے ان کی استعداد پہلوں سے زیادہ ہوتی ہے۔ گویا عین الیقین حاصل کئے ہوئے ہوتے ہیں پہلے طبقہ والوں کی استعداد سے تو کوئی شخص خالی نہیں ہوتا اگرچہ ان میں درجے بے شمار اور مختلف ہیں شریعت میں اتنا گویا ہر شخص سے مطلوب ہے۔ تیسرا درجہ جو بہت کم ہے گویا حق الیقین والے ہیں۔ جن کو مشاہدات وغیرہ ہو کر یقین کا مرتبہ دونوں سے زیادہ حاصل ہوتا ہے۔ ان کو نفس الخواص سمجھیے فرمایا کہ نبی کا درجہ تو وہی ہے اللہ یعلم حیث یجعل رسالتہ، اگرچہ رسول کے لیے بھی استعداد ہوتی ہے اور بڑی استعداد ہوتی ہے۔ مگر یہ چیز نہ استعداد سے نہ کسب سے حاصل

ہوتی ہے یہ تو اللہ تعالیٰ حسب ضرورت جسے چاہیں دیتے ہیں۔ باقی غیر فرمی پہلے بیان کئے گئے تینوں درجوں میں پہلا عامہ مؤمنین کا درجہ تو عام طور پر ہر شخص میں اس کی استعداد اور حد تکلیف ہوتی ہے وہ تو مطلوب ہے وہ تو گویا علم الیقین ہوتا ہے۔ جیسے ہم سن لیں کہ آگ میں گرمی خشکی ہے اور یقین کر لیں۔ دوسرا طبقہ عین الیقین والوں کا۔ جیسے گویا آگ کو دیکھ لیا بلکہ پاس ہو کر محسوس کر لیا کہ اس میں گرمی اور خشکی ہے تو ان کا یقین آگ کے متعلق زیادہ بڑھا ہوا ہوگا۔ ان کا شریعت پر عمل کا نفس سے نہ ہوگا۔ یہ خواص ہوئے تیسرے اخص الخواص۔ یعنی حق الیقین جن کو حاصل ہو جیسے کوئی آگ کو چھوئے اور تجربہ سے جان لے کہ آگ گرم خشک ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کا یقین سب سے بڑھا ہوا ہوگا اور پھر اگر وہ آگ میں گھس کر آگ ہی ہو جائے۔ تو اپنے متعلق کسی کو جو یقین ہوتا ہے اس میں دو شان ہوتی ہے۔ کسی کا مرتبہ مشاہدات پر نہیں بلکہ یقین پر ہے۔ یہ آگ کی مثال ہے ورنہ صحیح مثال دنیا میں تعلق مع اللہ کی مشکل ہے اور اللہ تعالیٰ تو لیس کمثلہ شیٔ ہے۔ جس طرح حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے سورج اور کرنوں کی مثال سنی ہوئی ہے اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ یہ صرف فہم کے قریب کرنے کے لیے ہے ورنہ صحیح مثال تو دنیا میں کوئی ہو ہی نہیں سکتی۔

حضرت مولانا حبیب الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کیا کہ حضرت ہمہ اوست اور وحدت الوجود میں کچھ فرق ہے حضرت نے فرمایا کہ ہاں وحدت الوجود والے تو دو چیزیں عدم اور وجود مانتے ہیں اور وجود کو ایک مانتے ہیں اور ہمہ اوست والوں کے نزدیک وجود کے سوا کچھ ہے ہی نہیں۔ مولانا نے عرض کیا کہ کیا ان کے نزدیک عدم بھی معدوم ہے فرمایا یوں کہہ لو ورنہ اس کے لیے صحیح مثال اور نظیر کہاں سے مل سکے۔ ایک دفعہ ایک رمضان شریف میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے تمام رمضان حقیقت محمدیہ پر تقاریر فرمائیں۔ وہ کچھ واردات ہونگی۔ میں نے اس میں سے سنا بھی اس کے متعلق یہ خیال گزرتا تھا کہ شائین نے جو عقل اوّل کے متعلق بیان کیا ہے صوفیا کی اصطلاح میں شاید وہی حقیقت محمدیہ ہے اس کا ذکر میں نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے بھی کر دیا تو فرمایا کہ ہاں مگر مشائین کا یہ دعویٰ اور قول قطعاً غلط ہے لا یصدر من الواحد الا الواحد۔

نیز حضرت والا نے فرمایا کہ میں نے وہ تقاریر زیادہ نہیں سنیں۔ اس لیے کہ اگرچہ سننے کے وقت وہ مسئلہ اتنا سہل معلوم ہوا کرتا تھا کہ بیحد سہل مگر پھر بڑا مشکل اور الجھاؤ ہوتا تھا۔ میں نے یہ خیال کیا کہ اللہ تعالیٰ کو یہ علوم عطا فرمانے منظور ہوں گے تو خود بخود وارد ہو جائیں گے ورنہ نہیں معلوم کہ کیا سے کیا سمجھ لوں ——— ان تقاریر میں حضرت ملاجی صاحب اور حضرت بہاو لنگری صاحب اور حضرت منشی جی صاحب علیہم الرحمۃ تو یقیناً تھے اور مولانا نور محمد صاحب اور دوسرے حضرات کے ہونے کا بھی خیال پڑتا ہے۔ فرمایا کہ یہ انسان کی استعداد ہوتی ہے زیادہ تو پہلے طبقہ کی استعداد کے ہوتے ہیں اور دوسرے خواص وہ امت کے امام ہوتے ہیں اور بہت ہی کم تیسرے طبقہ کے یعنی اخص ہوتے ہیں۔ اور نبوت کا تو قصہ ہی الگ ہے تو انسان کو ذکر کا اہتمام کرنا چاہیے جس میں استعداد ہوگی خود بخود ادھر کو کھنچ جائے گا۔ بس اتنا ہے کہ غفلت دور ہو مقصود یہی ہے۔ کیونکہ غفلت سے عبادت بھی جو خالص عبادت ہے بے اثر اور بیداری کے ساتھ مباحات بھی مفید ہیں یہ مطلب نہیں کہ فرائض کا اہتمام نہ کرے کیونکہ اصل مضر چیز غفلت ہے۔ ہر عمل میں جتنی غفلت ہوگی اتنا ہی وہ عمل کم درجہ کا ہوگا اور غفلت سے مراد لغیر نیت اور احساس نیت کے کام کرنا ہے۔ فرمایا یاد رکھو ایک تو پڑھنا ہے ورد کے طور پر اگر چہ لفظ سے خالی تو غفلت سے پڑھنا بھی نہیں ورد کے طور پر پڑھنا پھر کیسے خالی از فائدہ ہو سکتا ہے۔ مگر تعشق کے طور پر پڑھنا خواہ پر شوق اشعار کے ساتھ ہو یا ویسے زیادہ نفع بخش ثابت ہوتا ہے حضرت والا نے ایک بات یہ بھی فرمائی کہ شہوات تو انسان میں قریب اور سامنے ہیں مثلاً شہوت دیکھنے کی شہوت کھانے کی الغرض انسان کو شہوات کی طرف جھکاؤ تو ہے ہی مگر ان سے رکنا ہی مجاہدہ ہے اور ان میں دل کا لگنا توجہ کو کھینچ کر بڑا حرج کرتا ہے۔ الغرض تعشق یعنی عشق کے جذبہ کو ابھار کر ذکر کرنے کا فائدہ بیان فرماتے ہوئے فرمایا کہ اس طرح تھوڑے سے ذکر سے بھی زیادہ فائدہ ہوتا ہے اور فرمایا کہ مبتدی کے لیے جائز امور میں بھی جو توجہ کو ہٹانے والے ہوں مشغول ہونا کامیابی کے لیے سد راہ ہے۔ جیسے کہ طلبا کے لیے دوران تعلیم میں اخبار بینی سیاسی

معاملات میں مشغول رہنا اور ایسے ہی اعمال مضر ہوتے ہیں ہاں بعض آدمی ایسے بھی ہوتے ہیں کہ ان کی استعداد ایسی ہوتی ہے کہ وہ کئی امور کی طرف توجہ رکھ سکتے ہیں ایک تو ایسے لوگ شاذ و نادر ہوتے ہیں دوسرے ایسی مشغولیتیں بہرحال مضر کچھ نہ کچھ ان کو پڑتی ہیں۔

نیز فرمایا کہ مشکل باتیں اور جد و جہد مجاہدہ نہیں۔ مجاہدہ تو در اصل نفس کے خلاف کرنے کو کہتے ہیں مثلاً کسی بزرگ کی جد و جہد سے خدمت کرنا آسان بلکہ بعض اوقات نفسانیت ہوتا ہے مگر اس سے تھوڑی محنت مشقت کا کام جس میں نفس خلاف کرنا عار سمجھتا ہو مجاہدہ ہوگا۔ فرمایا کہ ذکر میں اگر وجد نہ ہو تو بتکلف وجد کی کیفیت بناؤ۔

سلسلۂ کلام میں منطق کی برائی بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ میرے خیال میں منطق میں بعض ابتدائی کتابیں کافی ہیں بڑی کتابوں کی مطلق ضرورت نہیں۔ البتہ اصول فقہ، فقہ، اصول حدیث، حدیث، اصول تفسیر، تفسیر، پھر ان کے براہ راست خادم صرف و نحو، معانی بیان ادب پڑھنے کے لائق ہیں۔ اور منطق بالکل فضول ہے۔ زیادہ سے زیادہ ایک دو ابتدائی رسالے اچھی طرح نکال لیے جائیں تو بس کافی ہے اور فرمایا کہ منطق کا نتیجہ فتنہ و فساد ہے اب تو یہ مناظرہ کے بھی کام کی چیز نہ رہی۔ حضرت والا نے بعض مناظروں میں عیسائیوں اور قادیانیوں وغیرہ سے مناظرہ کرتے وقت اس فن کا بے فائدہ ہونا نظیروں سے ثابت کیا۔

حضرت والا نے حضرت مدنی سے فرمایا کہ حضرت کیا اب وہ وقت نہیں آیا کہ جب لوگ سنتے ہی نہیں تو گوشۂ تنہائی اختیار کر لیا جائے۔ اس پر حضرت مدنی نے فرمایا کہ حضرت جیسے حالات میں ہمارے اکابر نے کام کیا کہ کسی کو کہا بھی نہ جا سکتا تھا۔ اب تو ویسے حالات نہیں۔ اس سے اچھے حالات ہیں۔ حضرت والا نے فرمایا کہ اگر کسی نے ختم کر دیا تو حضرت کو تو اس کی تلاش ہے مگر ہم کو تو جدائی کا فکر ہے۔ حضرت مدنی نے فرمایا کہ حضرت جو وقت مقرر ہے وہ ٹلتا نہیں اور جو وقت نہیں تو کوئی کچھ کر سکتا نہیں۔

۸ ، ذی الحجہ ۱۳۶۵ھ مطابق ۳ ، نومبر ۱۹۴۶ء بروز اتوار رائپور

قاری محمد اسحاق صاحب نے حضرت والا سے دریافت کیا کہ پڑھنے کو کچھ اور بتا دو اس پر حضرت نے فرمایا کہ آپ بہت سیدھے ہیں بلکہ ضرورت سے زیادہ سیدھے ہیں۔ آپ پہلے کیا پڑھ رہے ہیں۔ قاری صاحب نے عرض کیا کہ گیارہ تسبیح نفی اثبات کی اور گیارہ تسبیح اسمِ ذات کی کرتا ہوں۔ مولانا عبداللہ صاحب نے عرض کیا کہ قاری صاحب بلا ناغہ ذکر کرتے ہیں حضرت والا نے فرمایا کہ قاری صاحب اس کا اثر کیا ہے کیا دعا کی طرف طبیعت لگی ہے۔ عرض کیا گیا کہ جی ٹھیک ہے کبھی نہیں۔ فرمایا پہلے پڑھنے میں ہی ابھی چوبے لپٹے ہوئے ہیں اور کیا بتاؤں۔ یاد رکھنا خطوں میں اور کچھ بتانے کا مطالبہ نہ کیا کرنا۔ یہ دعا کی دلچسپی جو کچھ ہوتی ہے ابھی اسے اچھی نمایاں ہونے دو اور اگر جی چاہے اسمِ ذات اور بھی بڑھا سکتے ہو۔ یاد رکھو اصل اس میں اسمِ ذات یعنی اللہ اللہ ہے۔ اور نفی اثبات اس کی تائید و تقویت کے لیے ہے۔ حضرت سلطان باہو رحمہ اللہ نے کیسی خوب فرمایا ہے ؎

الف اللہ چنبے دی بوٹی مرشد من میرے وچ لائی ہو
نفی اثبات دا پانی ملیا ہر رگے ہر جائی ہو
بوٹی اندر مشک مچایا جاں پھلن تے آئی ہو
جیوے مرشد کامل باہو جیں ایہہ بوٹی لائی ہو

---

۹ ، ذی الحجہ ۱۳۶۵ھ مطابق ۳-۴ نومبر ۱۹۴۶ء بروز اتوار۔ سوموار رائپور

مغرب کے بعد حضرت مدنی اور حضرت شیخ الحدیث حضرت اقدس کے ہاں باغ میں تشریف لائے حضرت مدنی نے فرمایا کہ حضرت میں یہاں حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب

رحمۃ اللہ علیہ کی حیات مبارک میں حاضر ہوا تو شاید آپ کو مولانا مولوی عبداللہ صاحب لاہوری کی اور دوسرے حضرات کی حضرت شیخ الہند سے بیعت جہاد کا علم ہوگیا تھا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے ارشاد فرمایا کہ حضرت شیخ الہند سے جاکر کہوں کہ اگر انگریز کو اس بیعت کا علم ہوگیا تو مدرسہ کو سخت نقصان پہنچے گا اور توپ مدرسہ پر لگوادی جائے گی وغیرہ وغیرہ۔ اس لیے اس میں احتیاط کی ضرورت ہے۔ جب میں نے حضرت شیخ الہند سے جاکر اس کا ذکر کیا تو حضرت شیخ الہند نے فرمایا کہ استادؒ مرحوم نے مدرسہ کے لیے پچاس سال کے لیے دعا فرمائی تھی۔ اب پچاس سال ہوگئے لہٰذا اب کوئی پرواہ نہیں مگر آپ ملاحظہ فرمائیں کہ اب حالت ویسے نہیں رہ سکتا انگریز ویسی باتوں پر ایسی شدید کاروائیاں کرے خواہ اس کی وجہ کچھ بھی کیوں نہ ہو اس لیے اب حالات پہلے سے زیادہ سازگار ہیں۔ کہ ہندوستان کی آزادی کا کام کیا جائے۔ حضرت والا نے فرمایا حضرت یہ بات درست ہے مگر انگریز نے ستاون کے بعد سے اب تک ایسا کام کر دیا ہے کہ اب ویسا اندیشہ تو نہیں رہا مگر لوگوں کو علماء سے علیٰحدہ کر دیا اور یہ لیگ بھی اسی سکیم کا نتیجہ ہے گویا یہ انگریز کی سکیم تو پھل پھول رہی ہے کہ اب علماء کے وقار کو مٹانے کا کام پورا کر دینے کا اعلان کیا جارہا ہے کہ ہم نے علماء کا وقار ختم کر دیا ہے۔

حضرت والا نے حضرت مدنی سے اس ذکر کی بناء پر کہ حضرت شیخ الہند نے بڑی محنت سے کئی لوگوں کو بنایا تھا یعنی تربیت کی تھی فرمایا کہ حضرت آپ بھی سفر چھوڑ دیجیے اور بیٹھ کر آدمی بنائیے تاکہ آدمی کام کے مہیا ہوں۔ حضرت مدنی نے فرمایا کہ میں کیا کروں میری قسمت میں سفر لکھا ہے اور کیوں نہ ہو کہ میں سفر میں ہی پیدا ہوا تھا۔ یعنی والد مرحوم اناؤ میں مڈل سکول کے ہیڈ ماسٹر تھے کسی بات پر یہ بھی ذکر آیا کہ ۵۷ء میں ہماری جائداد میں ۱۳ گاؤں تھے جو جلتے رہے۔ بہت سے ہمارے خاندان کے لوگ اس ہنگامہ میں کام آئے آخر گزر کی کوئی صورت نہ رہی کچھ جائداد ایک تقسیم میں ہو کر پہنچی جس میں ایک آنہ کچھ باقی ہمارے حصہ میں آئی اسی کو فروخت

ملہ حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ

کر کے ہجرت مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ کی اختیار کی یہ بھی فرمایا کہ والد صاحب مولانا فضل الرحمٰن صاحب گنج مراد آبادی کے بیعت تھے۔ مولانا فضل الرحمٰن صاحب گنج مراد آبادی والد صاحب کو اپنی عادت کے مطابق برا بھلا بھی کہا کرتے تھے۔ اور ان کو بھی جب تک ان سے سن نہ لیتے چین نہ پڑتی تھی۔ فرمایا کہ مجھے بھی والد صاحب کی وجہ سے مولانا کی زیارت کا موقعہ ملا ہے۔ مولانا ملنے جانے والوں کو اکثر برا بھلا بہت کہا کرتے تھے۔

حضرت والا نے اس تذکرہ میں فرمایا کہ ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ بھی حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب گنج مراد آبادی کی زیارت کو تشریف لے گئے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ ہی سے سنا تھا کہ حضرت نے جانے سے پہلے دعا کی تھی کہ یا اللہ مولانا مجھ سے الگ مل لیں اور جیسا ان کا معمول ہے برا بھلا نہ کہیں چنانچہ جب حضرت ٹرین سے اتر کر بیل گاڑی پر سوار ہو کر گنج مراد آباد کے قریب پہنچے تو ان گاڑی والوں نے جو حضرت گنج مراد آبادی سے واقف تھے ہی کہا کہ حضرت وہ آ رہے ہیں۔ تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ گاڑی سے اتر کر آپ سے ملے تو فرمایا کہ تیرے ملنے کو ہی آ رہا ہوں اور ساتھ لے گئے ایک مسجد میں بیٹھنے کو فرمایا کیونکہ حضرت نے عرض کیا تھا کہ میں نے ابھی نماز نہیں پڑھی۔ مولانا نے فرمایا کہ تم یہاں نماز پڑھ لو میں ابھی آتا ہوں۔ تھوڑی دور جا کر لوٹ کر فرمایا کہ دیکھو دو رکعت پڑھنا یہ بھی حضرت نے دعا کی تھی کہ جتنا رہنا میرے متعدد رہو اس کے معلوم ہونے کی کوئی صورت ہو جائے تاکہ قصر یا پوری پڑھنے کی کوئی صورت اختیار کروں۔ نماز پڑھی پھر حضرت مسجد میں ہی تھے کہ مولانا نے ایک شخص کو ان کا پتہ نشان دے کر بھیجا۔ اس نے بڑے مجمع میں سے جو مسجد میں مولانا کو ملنے کے لیے بیٹھا تھا۔ بے جھجک آکر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو اٹھا لیا اور عرض کیا کہ حضرت مولانا بلاتے ہیں۔ اس طرح حضرت کو الگ بلا کر ملاقات کی۔ حضرت والا نے یہ بھی فرمایا کہ سنا ہے حضرت گنگوہی علیہ الرحمۃ نے فرمایا تھا کہ مولانا گنج مراد آبادی کی نسبت لازمی تھی متعدی نہ تھی۔ اور حضرت سائیں توکل شاہ صاحب انبالوی کے متعلق بھی فرمایا تھا کہ ان کی نسبت تو بہت ہی اعلیٰ تھی۔ مگر متعدی نہ تھی اور مجھے یاد نہیں رہا کس کی نسبت کے متعلق حضرت نے یہاں فرمایا کہ حضرت گنگوہی نے

نسبت متعدی ہونے کے متعلق بھی فرمایا۔

مولانا مولوی لطیف الرحمٰن نے حضرت کی خدمت میں عرض کیا کہ حضرت میرے سامنے حضرت سہارنپوری کی خدمت میں حکیم اسحاق صاحب سہارنپوری نے بیان کیا کہ ایک دفعہ میں حضرت گنگوہی کی خدمت میں حاضر ہوا اور حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب گنج مرادآبادی کا سلام حضرت کی خدمت میں عرض کیا تو حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا کہ اگر پھر آپ کا گنج مرادآباد میں جانا ہو تو وہاں میری طرف سے حضرت گنج مرادآبادی کی خدمت میں عرض کرنا ایک تو یہ کہ کشف تو بہت کو ہوتا ہے۔ مگر اس کا اظہار کیا کرتے ہیں۔ دوسرے لوگوں کے ساتھ خلق محمدی سے پیش آنا چاہیے حکیم اسحاق صاحب نے حضرت سہارنپوری کی خدمت میں عرض کیا کہ میں دانستہ گنج مرادآباد پہنچا۔ مسجد میں بہت لوگ حضرت سے ملنے کے لیے ہی بیٹھے تھے تو سب میں سے ایک ایک کو پوچھا کہ تم کیوں گئے ہو سب نے بتا دیا مگر دوبارہ دریافت کیا لوگوں نے دوبارہ بتا دیا جب میری باری آئی تھی تو میں جرأت نہ ہونے کی وجہ سے چپ ہو جاتا تھا۔ تیسری دفعہ لوگوں سے پھر پوچھا کہ تم کیوں آئے ہو اور جب میرے سے پوچھنے کا نمبر آیا تو خود ہی فرمایا کہ جو پیغام لایا ہے کہتا کیوں نہیں۔ میں نے جرأت کر کے حضرت گنگوہی کی دونوں باتیں کہہ دیں سن کر فرمایا کہ میرے کیا بس میں ہے میں کوئی حضرت گنگوہی کی طرح ہوں کہ سات سمندر پیئے بیٹھے ہیں۔ مگر ڈکار بھی نہیں لیتے۔ دوسری بات کے متعلق فرمایا آنے والے سب لوگ عموماً دنیا کے سلسلہ میں آتے ہیں کوئی اللہ اللہ پوچھنے یا لوجہ اللہ ملنے نہیں آتا اس لیے ایسی نیتوں سے آنے والوں کو برا بھلا کہتا ہوں۔

حضرت والا سے مولانا عبداللہ صاحب دھرم کوٹی نے عرض کیا کہ حضرت اس طرح بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم نے دعا کی اور ہمیں بتائی ہوئی اور وہ لوگ باطل کو اختیار کئے ہوئے ہیں۔ جواب میں حضرت والا نے فرمایا کہ دعا کے لیے بھی شرائط ہیں۔ جو شخص دعا کرتا ہے کہ حق تعالیٰ اس کے جی کو حق کی طرف پھیر دے اور حقانیت اس کے دل پر واضح کر دے اگر وہ دو تحقیق طلب فریقین ہو کے نمائندوں میں سے کسی کے ساتھ زیادہ رابطہ صحبت رکھے تو دل پر اس صحبت کا اثر بھی ہوگا ہاں

خالی الطبع ہو کر وضوحِ حق کے لیے الحاح اور صداقت طلبی کے لیے کی گئی دُعا کے متعلق میرا زبردست خیال ہے کہ خدا تعالیٰ اسے شرفِ قبولیت فرمائیں گے۔ میرے لیے تو یہ نسخہ بہت دفعہ کارگر ہوا ہے اور خدا تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے میری رہنمائی فرمائی ہے۔ حضرت والا نے مزید یہ فرمایا۔ یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ خدا تعالیٰ بندہ کے کمال کے بل پر نہیں بلکہ اپنے فضل و کرم سے رہنمائی فرماتے ہیں۔ اور مجھے تو یہی تجربہ ہوا ہے۔ اگر کسی معاملہ میں کوئی کھٹک ہوئی تو توبہ و استغفار کر کے الحاح اور صداقت طلبی سے خالی الطبع ہو کر وضوحِ حق کی دُعا کی تو اللہ تعالیٰ نے تردد سے نکال دیا۔ کاش یہ بات جو بعد میں معلوم ہوئی پہلے معلوم ہو جاتی۔ دراصل ان باتوں میں وقت لگانا وقت ضائع کرنا ہے۔ مگر یہ بس کی بات بھی نہیں۔ خدا تعالیٰ کے فضل سے ہی ایسا ہو سکتا ہے کہ وقت ضائع ہونے سے بچے۔ توفیق اسی کے ہاتھ میں ہے۔ خود کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔ جن لوگوں کو خدا تعالیٰ پہلے طمانیت دے دیتا ہے۔ وہ صحیح راستہ پر ہو لیتے ہیں ان کے لیے چلنا ہوتا ہے۔ اگر انکی رفتار سست بھی ہو تو بھی وہ بہت کچھ طے کر لیتے ہیں۔ اور ہماری حالت یہ رہی کہ اب ایک راستہ پر ہو لیے آگے جا کر جب کسی طرح معلوم ہوا کہ یہ راستہ تو غلط ہے تو پھر اسی طرح لوٹنا ہوتا ہے۔ اس طرح بہت ہی وقت ضائع ہوتا ہے اس کو یاد رکھو کہ اگرچہ چلنا اپنی رفتار سے ہوتا ہے مگر جو چلتا رہتا ہے وہ بہت راستہ طے کر لیتا ہے اور جو اِدھر اُدھر کے راستوں پر بھی ہو لے اور پھر واپس آکر راستہ لے اس کو بڑا وقت اور طاقت ضائع کرنا پڑتی ہے۔ خرگوش اور کچھوے کا قصہ مشہور ہی ہے کہ کچھوا خرگوش سے پہلے منزلِ مقصود پر پہنچ گیا۔ حالانکہ اس کی رفتار خرگوش کے مقابلہ میں ہیچ تھی

۱۷ ذی الحجہ ۱۳۶۵ھ مطابق ۱۲ نومبر ۱۹۴۶ء منگل سہارنپور

رائے دھومن خان صاحب کی عیادت کے موقع پر فرمایا کہ انسان بیماریوں سے بارہا چھٹکارا پاتا ہے۔ مگر آخر اس کے لیے موت ہے۔ ہر چیز کو سوا خدا کے فنا ہے۔ اس لیے انسان کو چاہیے کہ بیماریوں سے فائدہ اٹھائے۔ یہ انسان کو بیدار کرنے کے لیے کارآمد ہیں۔ تاکہ وہ گناہوں سے

تائب ہو اور خدا تعالیٰ کی رضامندی حاصل کرنے کے لیے یادِ الٰہی اور نیک کاموں میں ساعی ہو مریض کے سامنے اس مضمون کا مختصر مگر بہت مؤثر ذکر فرمایا کہ جہاں تک ہو سکے آپ اپنی توجہ خدا کی طرف لگانے کی کوشش رکھیے اور سوم کلمہ ہر وقت پڑھتے رہیے اور اس میں خیال رکھیے کہ شاید خداوند کریم یہ کلمہ قبول فرما لے۔

۲۶، ذی الحجہ ۱۳۶۵ھ مطابق ۲۱، نومبر ۱۹۴۶ء جمعرات دہلی

حافظ مقبول احمد صاحب گنگوہی نے حضرت والا کی خدمت میں عرض کیا کہ شوریٰ میں جو اختلاف ہے اس کا حضرت فیصلہ فرمائیں۔ حضرت والا نے فرمایا کہ حضرت شیخ الحدیث ذہین ہیں اور بفضلہ تعالیٰ ان کی رائے بڑی صائب ہوتی ہے وہی کچھ اس کا حل بتائیں گے۔ فرمایا ہم تو آج تک بزرگوں سے جو سنتے اور دیکھتے آئے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ انسان جب ذکر شروع کرے تو تین چلے میں عموماً اور خاص حالات میں کسی کو جلد اور کسی کو دیر میں آثار ذکر پیدا ہوتے ہیں۔ اس کے بعد ان آثار کی حفاظت کرنی ہوتی ہے۔ اور خدا تعالیٰ جس سے کوئی کام لینا چاہتے ہیں اس کی ادھر کو کسی دین کے کام میں طبیعت لگنے پر لگتی ہے اور دوسرے ادھر کو ہی ہو لیتے ہیں۔ عوام سے چنداں سروکار نہیں رکھتے یہ مشیت ایزدی پر منحصر ہے۔ اور کیا کہا جائے ورنہ میں تو آثار پیدا ہونے پر بہت سوں کو کہا ہے کہ اب نظام الدین جاؤ اور تبلیغ کرو۔ مگر اس کے بعد اکثر وہ ایسے مستقل میاں بن جاتے ہیں کہ ہنس دیتے ہیں اور طبیعت ادھر تبلیغ کی طرف نہیں آتی حالانکہ یہی وقت در اصل ان کی تبلیغ کا ہوتا ہے۔ عوام کو تو سیر و سیاحت کا شوق ہوتا ہی ہے وہ تبلیغ بھی اسی جذبہ کے تحت کرتے اور دلچسپی لیتے اور کود پھاند کر چلے آتے ہیں۔ یہ مطلب نہیں کہ اس کا کچھ نفع لوگوں کو ہوتا ہی نہیں ہاں کچھ معتد بہ اور حقیقی نفع نہیں ہوتا اور جو لوگ باقاعدہ اور سنجیدگی سے ویسے لوگوں میں سے بھی تبلیغ کرتے ہیں ——————— اس سے لوگوں کو ناز

روزہ کلمہ کلام کا کافی نفع ہوتا ہے مگر اس کی مثال ایسی ہے جیسے عام طور پر علماء وعظ وتلقین کیا کرتے ہیں۔ بڑے میاں (مولانا الیاس صاحب رحمہ اللہ) کو تو تبلیغ کی حقیقی تڑپ تھی خواہ کسی نسبت کی وجہ سے مولانا یوسف صاحب میں بھی اس تڑپ کی جھلک پائی جاتی ہے آپ بتائیں کسی میں تبلیغ کی تڑپ آپ میں سے ہے یہ تو بڑے میاں آپ کو ڈھونڈے سے ادھر چلاتے رہے اور میں اور شیخ الحدیث صاحب کچھ اکساتے رہے ورنہ آپ سب کی کیفیت معلوم ہے۔ کہ شوق سے ادھر کو نہ چلتے تھے۔

جب حضرت والا اپنے رفقاء کے ہمراہ دوران سیر مقبرہ ہمایوں کے دروازہ تک پہنچے۔ مقبرہ کے متعلق باتیں شروع ہوگئیں۔ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب رائپوری نے عرض کیا کہ یہ ہمایوں بابر کا بیٹا اور مغل بادشاہوں میں دوسرا بادشاہ ہے۔ جس کی سلطنت اپنے زمانہ کی سب سے بڑی سلطنت تھی اس کا انتقال ۱۵۵۶ء میں ہوا۔ اور لکھا ہے کہ یہ مقبرہ ۱۵۶۹ء میں اس کی بیگم حمیدہ بانو نے تعمیر کرایا۔ حضرت والا نے دریافت فرمایا کہ اس کے بیٹے کا کیا نام تھا۔ عرض کیا گیا اکبر۔ فرمایا اگر بنانا تھا تو اس کو بنوانا چاہیے تھا۔ اور فرمایا کہ ہمارے خیال میں تو یہ روپیہ ضائع کیا گیا ہے۔ کوئی مدرسہ خانقاہ یا اور کوئی مفید عام عمارت بنوائی ہوتی اب بھی کیا اچھا ہو کہ یہ تمام عمارت بلکہ اس میں اور عمارتیں بنوا کر یا اس کا کچھ حصہ مولوی یوسف صاحب کو دیدیں اور یہاں مبلغین آکر قیام کریں۔

---

۲۷ ذی الحجہ ۱۳۶۵ھ مطابق ۲۲ نومبر ۱۹۴۶ء جمعہ، دہلی

حضرت والا نے تبلیغ کی تائید میں فرمایا کہ تبلیغی جماعتوں کو اگر ہو سکے بجائے کراچی

وغیرہ کے ان علاقوں میں بھیجا زیادہ مقدم ہے جہاں فسادات میں مسلمانوں پر زیادتی ہوئی ہے تاکہ ان لوگوں کو بتایا جائے کہ یہ سب کچھ ان کے اپنے ہاتھوں کے کرتوت اور دین سے بے تعلقی کا نتیجہ ہے دین سے بے تعلقی کا نتیجہ یا علامت کچھ یوں ہی کہ جاہل مسلمانوں سے بے تعلقی ہے اور اس طرح لوگ ایسے لیڈروں کے ہاتھوں میں پڑ گئے جو مسلمانوں کے نادان دوست ہیں بھلے مانسوں نے چند سیٹوں کے لیے ایسا جھگڑا چھیڑ رکھا ہے جس کے نتائج یہ نکلے ہیں۔ حکیم کریم بخش صاحب پہاڑ گنج والوں کو فرمایا کہ آپ بھی تبلیغی جماعت کے ساتھ گڑھ کے نواحی دیہات میں تشریف جائیں اور لوگوں کو تبلیغ کریں ورنہ ایسے حادثات کا قدرتی نتیجہ وہاں پر دین کا کسی طرح انحطاط یا ان لوگوں کے مسلمانوں کے بے دین لیڈروں کے سیاسی مقاصد میں آلہ کار بن جانا ہوگا۔ جو آئندہ کے لیے اور بھی تباہ کن نتائج پر منتج ہو سکتا ہے۔ فرمایا کہ منافرت کی پالیسی ہندوستان میں نہایت ہی ناعاقبت اندیشی اور بے وقوفی کی پالیسی ہے۔ جس سے مسلمانوں کا ہی زیادہ نقصان اور ہندوؤں کا فائدہ ہے۔ ایسے منافرت کے ماحول سے متاثر ہو کر آریہ سماجی تحریک ہندوؤں میں زیادہ قابل قبول ہو جاتی ہے۔ ارتداد کے لیے زیادہ تدابیر اختیار کرنے کے امکان پیدا ہو جاتے ہیں اور مسلمان بولتے شور مچاتے زیادہ اور کام کم کرتے ہیں۔

---

۳۰ ذی الحجہ ۱۳۶۵ھ مطابق ۲۵ نومبر ۱۹۴۶ء بروز سوموار، دہلی

تبلیغی جماعتوں کے بارہ میں بات شروع ہوئی تو حضرت والا نے خصوصیت سے حمید صاحب لاہوری افسر ٹیلیفون کو جو تبلیغ میں مدت سے دلچسپی لے رہے تھے مخاطب کر کے فرمایا کہ تبلیغ کا اگر اثر نہ ہو تو بددل نہ ہونا چاہیے اور سمجھنا چاہیے کہ کچھ میرے اندر ہے

اور حقیقتہً یہ کمی ایسی ہے جو پورے طور پر تو پوری ہوا نہیں کرتی تبلیغ کے لیے جماعت میں جو اصول قائم ہوئے ہیں وہ بہت ہی مناسب ہیں۔ دراصل تبلیغ کرنے جانا اپنی تربیت کرنا ہے اگر باقاعدہ یہ کام کیا جائے تو ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فضل فرمائے اور مبلغ اپنی تربیت کرتا ہوا اپنی گاڑی چلائے اس میں دوسروں پر نظر نہ رکھی جائے بلکہ اپنی اصلاح مدنظر ہو یہ پھر پھیرلنے کا کام دلچسپ بھی معلوم ہوا کرتا ہے۔ مگر پوری پابندی کی جائے اور دوسروں سے زیادہ بلکہ کلیۃً اپنا خیال رکھنا چاہیے تاکہ جو چیز انسان کو حقیقی مبلغ بناتی ہے پیدا ہو جائے مبلغ بننا اور تبلیغ کا مؤثر ہونا بھی نیت میں رکھنے کی ضرورت نہیں۔ صرف رضائے الٰہی حاصل کرنا اور اپنی زندگی کو رضا کے کاموں سے وابستہ کرنا پیش نظر ہونا چاہیے۔

رامپوری حضرات میں سے ایک نے حضرت کی خدمت میں ذکر کیا کہ مودودی صاحب تو الیکشن میں حصہ لینا اور کھڑا ہونا جائز نہیں سمجھتے۔ دلیل یہ دیتے ہیں کہ یہ مجالس قانون وضع کرتی ہیں اور قانون بنانے کا حق صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔ وہاں تو اس کے علاوہ قانونِ شرع کے خلاف بھی بنانے پڑتے ہیں۔ اس پر حضرت والا نے فرمایا کہ مودودی صاحب کی بات تو ہماری سمجھ میں نہیں آئی۔ کیونکہ خالص اسلامی سیاست تو دور اول کے بعد نظر نہیں آتی۔ اور مسلمانوں کی سیاست جس میں شرعی رعایت ہوتی ہے پہلے سے ختم ہوچکی۔ جس کا دیوالیہ ستاون میں خود مسلمانوں کے ہاتھوں نکل چکا۔ اگر اب مسلمان ان انتخابات سے علیحدہ ہوجائیں تو ان پر غیر مسلم کے بنائے ہوئے قوانین نافذ ہونگے اور ماحول یہ ہے کہ خود مسلمانوں کو قانون سازی کا اختیار ملے تو وہ بھی اسلامی قوانین کو ملحوظ نہیں رکھتے جیسا کہ پنجاب کے مسلمان کہ انہوں نے باوجود کوئی جبر نہ ہونے کے اپنی مرضی سے وراثت میں ہندو قانون جسے رواج کہتے ہیں اختیار کیا اور اس میں ماحول کا اثر ایسا ہے کہ کوئی سلطنت موجودہ دور میں

اپنی بقا کے لیے جدید علوم و فنون سے ایک لمحہ صرف نظر نہیں کر سکتی اور وہ علوم و فنون اغیار سے سیکھنے ہوں گے اور ان میں مہارت حاصل کرنے کے لیے آجکل پوری قوم کو لگانا پڑتا ہے تاکہ اس میں سے ایک معتدبہ عنصر ماہرین کا اور باقی دوسرے مدارج کو پُر کرنے والے کافی تعداد میں نکل آئیں، صحبت کا اثر ایک لازمی امر ہے تو یورپ میں سیکھنے جانے سے جیسے ترک اب وہ ترک نہیں رہے بلکہ اسلام کے قوانین کو بالائے طاق رکھنے والے ترک ہو گئے جن کو ہم فتویٰ کی رو سے کافر اور غیر مسلم تو نہیں کہہ سکتے مگر اسلامی تعلیم و تربیت کا اشتغال و انہماک نہ رہنے کی وجہ سے اب اسلام ان میں جتنا رہ گیا ہے وہ ظاہر ہے اسی طرح اوروں کو بھی کرنا پڑے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ اور تھا۔ حجاز کا صوبہ اس زمانہ میں ضابطہ کے طور پر ایران کے ماتحت تھا مگر آپ کو معلوم ہے کہ جب عرب میں اسلام گھر کر چکا اور مدینہ کی سٹیٹ بن چکی پھر جب حدیبیہ کے بعد حضور کا قاصد وہاں پہنچا اور ایران کے بادشاہ نے حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوۃ پہنچنے پر باز پرس کے لیے اپنا افسر بھیجا۔ ــــــــ

اور اس کو اس وقت بھی اتنی واقفیت حالات کی مہیا نہ تھی کہ اب وہاں ایک افسر کے جانے کا کیا اثر ہو گا۔ تو ایسے حالات میں عدم تعاون اور ترک موالات سے بغیر دیگر مبادیات کے حل کئے کام نہیں چلایا جا سکتا اب جبکہ کلکتہ میں ہونے والی بات کا ایک سیکنڈ سے بھی کم وقت میں لندن علم ہو سکتا ہے اور دو گھنٹے میں دہلی سے جا کر بمباری کی جا سکتی ہے اور ایٹم بم سے حجاز سے ہزاروں گنا زیادہ مضبوط فوجی قوت کو دم بھر میں تہس نہس کیا جا سکتا ہے تو مودودی صاحب کی باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں۔ میں نے ان کی باتوں کا خلاصہ سُنا ہے چونکہ ان کے مضامین جیسا کہ ان کی ضرورت ہوتی ہے زیادہ مفصل ہوتے ہیں میں ان کو پڑھنے سے ہمیشہ گھبراتا رہا ہوں ایک کتاب ان کی مولوی حبیب الرحمٰن صاحب

لدھیانوی سے تعریف سن کر منگوائی تھی زیادہ پھیلاؤ ہونے کی وجہ سے مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی
کو دیدی اور ان کے رسالے بھی آتے رہے دیگر کتب کا بھی خلاصہ سنا مگر بات سمجھ میں نہ
آئی۔ ان کے ایک رفیق کار مولوی صبغۃ اللہ صاحب بختیاری سے بھی کافی وقت دیکر ان کی
باتیں سنیں مگر ہم تو ان کی بات کو سمجھ نہ سکے۔ مودودی صاحب سے بھی لاہور میں چند منٹ کے لیے ملنا ہوا۔
کرم فرمایا تشریف لے آئے تو معمولی مختصر گفتگو ہوئی۔ میں نے حضرت دہلوی کی تبلیغ کے متعلق
ان سے سوال کیا کیونکہ وہ اس کو خود آکر معلوم ہوا تھا کہ اس سے پہلے مطالعہ کر چکے تھے تو
انہوں نے فرمایا کہ ہاں وہ ٹھیک ہے مگر وہ آگے تو چلتے نہیں چونکہ پہلی ملاقات تھی میں نے
اس پہ زیادہ عرض کرنا مناسب نہ سمجھا ___ آزاد مسلم کانفرنس جو دہلی میں ہوئی تھی
اس پر ان کے رسالہ میں شدید نکتہ چینی کی گئی تھی جس میں ان حضرات کو جن کی تمام عمر دین کی فکر
اور کام میں گزر گئی انہوں نے بتایا کہ وہ دین کو سمجھتے ہی نہیں مجھے اس پر یہ خیال آیا کہ مودودی
صاحب کی اس نکتہ چینی سے معلوم ہوتا ہے کہ دینی معاملات اور حالات کے سمجھنے میں ایسے
ہیں جن کی بات ہمیں سمجھ میں نہیں آتی میرا مقصد ان کی تنقیص کرنا نہیں۔ جدید تعلیم یافتہ طبقہ کو
اسلامیات سے متعارف کرانے میں ان کو بہترین ملکہ ہے اگر وہ اسی کو کرتے تو یہ بھی بڑا کام
تھا مگر ان کی اس تحریک سے انہوں نے اپنے اس کام کے اثرات کو بھی کم کر لیا اور توجہ ادھر
طرف ہونے کی وجہ سے وہ بات نہ رہی مگر کانگرس وغیرہ پر نکتہ چینی جو انہوں نے اپنے رسالوں
اور کتاب (سیاسی کشمکش) میں کی ہے وہ اپنی حدود سے قدم باہر رکھا ہے اور ہمیں سمجھ میں
نہیں آیا۔

کوئٹہ کے ایک صاحب نے جناب عبدالواحد صاحب سابق ہیڈ ماسٹر فورٹ
سنڈیمن کی سفارش سے حال دریافت کرنے کے سلسلہ میں حضرت والا کی خدمت میں لکھا۔

ماسٹر صاحب نے اس بارہ میں دریافت کیا تو حضرت والا نے فرمایا کہ ان کا یہ عقیدہ کہ دعا خواہ حزب البحر ہو یا کوئی اور اس کے ضروری قبول ہونے اور ہر موقعہ پر یکساں نتائج یقینی ہونے کا عقیدہ ایک غلط عقیدہ ہے اس کا تو یہ مطلب ہوا کہ اللہ میاں کسی کے قبضہ میں آگئے اور نعوذ باللہ من ذالک مضطر ہیں حالانکہ پیغمبروں اور پیغمبروں کے سردار صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں کے متعلق بھی خود حضور کو یہ بات یقینی طور پر معلوم نہ ہوا کرتی تھی کہ یہ دعا منظور ضرور ہو جائیگی ہاں اگر کسی دعا کی قبولیت کے متعلق اطلاع مل گئی وہ اور بات ہے اور اگر دعا کا فائدہ معلوم کرنا چاہو تو یوں سمجھو کہ انسان کو خدا تعالیٰ نے اپنی بندگی کے لیے پیدا کیا ہے اور دعا مخ العبادۃ ہے یعنی اظہار عجز مقصود ہے مولیٰ اسے قبول کرے یا نہ کرے اس کی مرضی ہے چنانچہ ایک پیر اور ان کے مرید مخلص کو الہام ہوا کہ خواہ کتنی عبادت کرو قبول نہیں۔ مرید نے دریافت کیا کہ حضرت جب قبول نہیں تو اس عبادت سے کیا فائدہ۔ پیر نے جواب دیا کہ عبادت کرنا میرا فرض ہے قبولیت میرے اختیار میں نہیں اور کوئی ایسا نہیں کہ جس کی عبادت کی جائے اور اس کے دروازہ پر اظہار عجز و عبودیت کیا جائے اس پر حکم ہوا کہ تمہاری عبادت گزاری تو کمال نہیں اس لیے قبول کرتا ہوں کہ تیرے نزدیک میرے سوا کوئی جائے پناہ نہیں حضرت والا نے فرمایا کہ اس پر بھی قبول نہ فرمائیں تو کیا کیونکہ اللہ تعالیٰ پر ہماری مانگ پوری کرنا واجب تو نہیں وہ چاہے قبول کرے چاہے نہ کرے۔ قرآن کرنے والے صاحب کا یہ غلط عقیدہ ان کی ٹھوکر اور پریشانی کا سبب بنا اگر حصار کھینچنے کے باوجود چوری ہو جائے تو آپ دیکھتے ہیں کہ سب اہتمام کرنے کے باوجود آدمی فیل ہو جاتا ہے اسی طرح ان دعاؤں میں شرائط قبولیت کا مخفی طور پر معدوم ہونا بھی سبب ہو سکتا ہے اور بھی کئی صورتیں ہیں یہ علمی کمزوری اور عقیدہ سے ناواقفی کا نتیجہ ہوا دوسری بات یہ ہے کہ ہر آدمی کی استعداد مختلف ہوتی ہے اور استعداد

کو ملحوظ رکھ کر پڑھنے کو بتانا ماہر شیخ کا کام ہے اگر اس کا لحاظ نہ رہے اور بعض اوقات ماہرین سے بھی غلطی ہو سکتی ہے تو نقصان ہو جاتا ہے۔ اب ان کونٹے والوں کے لیے یہی بہتر ہے کہ وہ سوا فرائض و واجبات اور عام تشریعی امور پر کاربند رہنے کے دیگر تمام وظائف و اوراد ترک کر دیں باطن کی سیر کیا کریں اور دل و دماغ پر صدمات کا جو اثر ہوا ہے اس کی تلافی کی اگر کسی درجہ میں کوئی صورت ہو کہ وہ خوش رہ سکیں تو وہ بھی کرنی چاہیے پھر امید ہے کہ طبیعت سہولت پر آجائے۔

ماسٹر صاحب نے دریافت کیا کہ ایک بزرگ نے مجھے جب میں چودہ پندرہ برس کا ہونگا تصوف سے اس طرح تعارف کرایا کہ گناہ کی لذت اور شوق تصوف سے بالکل مٹ سکتا ہے کیا یہ درست ہے۔ حضرت والا نے فرمایا کہ یہ تو ہو سکتا ہے مگر بہت تھوڑے لوگ ایسی استعداد کے ہوتے ہیں یہ ان لوگوں کی حالت ہوتی ہے جن کو دائمی حضوری ہو کیونکہ جب کوئی کسی کے سامنے ظاہراً یا باطناً ہو تو اس کی خلاف ورزی نہیں کر سکتا مگر ہر شخص کی اتنی استعداد نہیں ہے کہ اس کو اس درجہ کی حضوری حاصل ہو۔ پس ایک بات تو انسان سے شرع کو مطلوب ہے جس کا وہ مکلف ہے اس کی استعداد تو عموماً تمام لوگوں میں ہوتی ہے اور شاذ و نادر کسی میں نہ ہو۔ شاذ معدوم کا حکم رکھتا ہے اور ایک مطلوب ہر شخص سے نہیں اور اس کا لوگوں کو مکلف نہیں کیا وہ جس میں استعداد ہوتی ہے اس کو حاصل ہو جاتی ہے۔ دوسرے کو نہیں تو اتنا تصوف تو ہر شخص سے ممکن ہے کہ وہ خلوص نیت سے نیکی کی کوشش کریں برائی پر نادم ہو کر توبہ کریں اور اس تصوف کا شرعاً ہر شخص مکلف ہے اور اسے اصطلاح میں عموماً تصوف بھی نہیں کہا جاتا اور ایک اس سے زیادہ کی صلاحیت رکھتا ہے اور اس فن میں کوشش کرتا ہے۔ نتائج اللہ میاں کے ہاتھ میں ہیں، آپ ماسٹر ہے ہو بتاؤ جس بچے کا

دماغ اور ذہن کمزور ہو اور وہ مضامین تیار نہ کر سکے اس کو بھی الزام دیتے ہو ماسٹر صاحب نے کہا کہ اس کو تو معذور سمجھ کر چھوڑ دیتے ہیں تنگ نہیں کرتے اور نہ الزام دیتے ہیں۔ حضرت والا نے فرمایا کہ اسی طرح سلوک میں ہے سلوک اور روحانیت کے قاعدے کچھ انوکھے قاعدے نہیں ہیں جیسے دنیا کے اور کاموں کے قاعدے ہیں اسی طرح سلوک کے مناسب حال اسی نہج کے اس کے بھی قاعدے ہیں۔

---

۳ محرم الحرام ۱۳۶۶ھ مطابق ۲۸ نومبر ۱۹۴۶ء جمعرات، لدھیانہ

حضرت والا کی خدمت میں ایک صاحب نے حاجیوں سے سُنی سُنائی بات بیان کی کہ معلوم ہوا ہے وہاں ابن سعود کی حکومت انگریزی پڑھنے والے طلبا کو ساٹھ روپے ماہوار فی کس وظیفہ دیتی ہے یہ افسوس کی بات ہے اس پر حضرت والا نے فرمایا کہ یہ تو اب ہونا ہی ہے ہم نے اپنی سیاست پانچ سو سال پہلے چھوڑ دی اور شکست کھا گئے اور ہندوستان میں مولوی ۱۸۵۷ء کے بعد سے بالکل پٹ گیا ہے اب لوگ جدید علوم کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے خصوصاً حکومتیں اور قوموں کو مجبوراً ادھر چلنا ہے ان کی ضرورتیں بھی ہیں اس لیے ابن سعود کی قوم اور وہاں کی حکومت کو بھی اس کے بغیر چارہ نہیں ہے اور یہ سچ ہے کہ اس اشتغال بلیغ کی وجہ سے مذہبیت کمزور ہوتی چلی گئی مگر ہم کیا کریں ہم مذہب کے لیے آئندہ دور میں پُرامید نہیں ہیں تاہم اپنا فرض محسوس کرتے ہیں کہ باوجود ذرائع مفقود سمجھنے کے لوگوں کو مذہب کی طرف دعوت دیتے رہیں اور مذہبی تعلیم کے لیے بھی ترغیب دیتے رہیں ابھی تک تو کوئی نظر نہیں آیا ہو سکتا ہے کوئی اللہ کا بندہ

اس زور کا آئندہ آجائے جو رُخ بدلنے میں کامیاب ہو جائے اگر دین کو ساتھ لیکر ترقی کی جائے ممکن تو ہے مگر اس وقت اس کے سامان مفقود ہیں اس سے یہ تو نہ سمجھ لینا کہ ہم بھی انگریزی تعلیم والوں کی تائید کرتے ہیں ہم بالکل تائید نہیں کرتے اور دینی تعلیم کی ہی تائید کرتے ہیں مگر یہ محسوس ہو رہا ہے کہ یہ ہو گا نہیں کیونکہ اس وقت اس کا کوئی سامان میسر نہیں۔ مگر ہم نے تو دین کے لیے اپنی کوشش جاری رکھنی ہے۔ دیکھئے اللہ کو کیا اور کب منظور ہے۔

۴- محرم الحرام ۱۳۶۶ھ مطابق ۲۹- نومبر ۱۹۴۶ء بروز جمعہ۔ لدھیانہ

صبح چائے کے وقت انڈہ نیم برشت ہونے کی بات چلی تو فرمایا کہ میں نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو انڈہ نیم برشت کر کے کھلانے میں تجربہ کیا ہے کہ گرم پانی میں انڈہ ڈال کر ساٹھ تک اللہ اللہ کرنے میں جو وقت لگتا ہے۔ اتنے میں انڈہ نیم برشت ہو جاتا ہے۔

۵- محرم الحرام ۱۳۶۶ھ مطابق ۳۰- نومبر ۱۹۴۶ء شنبہ بمقام لدھیانہ

سیر و تفریح کے دوران حضرت والا نے حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کا اپنے والد شاہ عبدالرحیم صاحب کے متعلق بیان فرمودہ قصہ کہ جب شاہ عبدالرحیم صاحب میر زاہد کے پاس سے منطق کا سبق پڑھ کر آتے تھے اور علامہ ہروی سے بھی آپ کو تلمذ حاصل تھا بیان فرمایا اور فرمایا کہ خدا تعالیٰ کی رہنمایانہ صفت کے ماتحت شاہ صاحب کو سعدی رحمۃ اللہ علیہ تین

مصرعے وارد ہوئے اور چوتھا یاد نہ آنے کی وجہ سے طبیعت پر بڑا قلق تھا کہ ادھر عمر کے کسی آدمی نے پاس آکر چوتھا مصرعہ پڑھ دیا، شاہ عبدالرحیم صاحب نے اس کو پان پیش کیا۔ اس نے کہا کیا یہ معاوضہ ہے۔ عرض کیا نہیں شکریہ۔ اس نے انکار کیا۔ آپ نے عرض کیا کہ پان آپ کے نزدیک حرام ہو تو مجھے بھی فرما دیجئے۔ فرمایا کہ نہیں حرام وحلال کا قصہ نہیں، میں کھاتا نہیں۔ یہ کہہ کر اپنا قدم بڑھایا جو ایک کوچہ سے دوسرے کوچہ پر پڑا۔ شاہ صاحب نے جلدی سے یہ سمجھ کر کہ یہ تو کوئی روح ہے، عرض کیا کہ حضرت فرمائیں، کہ آپ کون ہیں تاکہ فاتحہ ہی پڑھ دیا کروں فرمایا کہ سعدی ہمیں فقیر است۔ اور آن واحد میں بڑے بڑے قدم اٹھا کر نظر سے غائب ہو گئے حضرت والا نے مولانا حبیب الرحمن صاحب کو فرمایا کہ وہ شعر ہم نے معلوم کر کے یاد کئے ہیں اور تم بھی ان کو درد بنالو۔ حضرت والا نے ان کو یاد کر لئے جو مندرجہ ذیل ہیں۔ ؎

جز یاد یار ہر چہ کنی عمر ضائع است ۔ جز سر عشق ہر چہ بخوانی بطالت است

سعدی بشو لوح دل از نقش غیر حق ۔ علمیکہ راہ حق ننماید جہالت است

---

۶ محرم الحرام ۱۳۶۶ھ مطابق یکم دسمبر ۱۹۴۶ء اتوار۔ لدھیانہ

ایک حاجی صاحب جو کئی بار حج کر کے آئے اور حضرت والا کی خدمت میں حاضر ہوئے حضرت والا نے فرمایا کہ لکھنؤ کے رئیس اصطفیٰ خان بھی اب کے بارہویں یا تیرہویں دفعہ ہوائی جہاز پر حج کے لیے گئے تھے جانے سے پہلے وہ منصوری میں اپنی بیٹی کو مسعود کے ہاں ملنے آئے تھے مجھ سے بھی ملے تھے ان سے بھی یہ کہا تھا اور میرا خیال بھی ہے کہ مسلمانوں

میں اگر کسی کو دینداری کی جھلک نصیب ہو اور وہ نیک خیال ہو تو بے ضرورت مسجد بنوانا نفلی حج کرنا اختیار کرتا ہے اس کو زیادہ سے زیادہ اس کی دین سے محبت کی دلیل اور مستحب و مستحسن قرار دے سکتے ہیں لیکن تبلیغ اور اسی طرح کے اسلام کے فروغ اور تقویت کے کام اہم فرائض اور اہم واجبات سے ہوں تو ان کی پرواہ نہیں کی جاتی۔

مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی نے شام کی مجلس میں دو باتیں بیٹھتے ہی دریافت کیں ایک یہ کہ ترک معاصی کے لیے کیا کرنا چاہیئے دوسری یہ کہ تبلیغ کا کیا طریق ہے حضرت والا نے پہلی کے بارہ میں فرمایا کہ حضوری ایک ایسی کیفیت ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان سے معاصی سرزد نہیں ہوتے اور وہ محفوظ ہو جاتا ہے چنانچہ ایک مجذوب کا قصہ ہے کہ اس کو کوئی کچھ کہتا تو وہ کہتا چپ میاں سن رہے ہیں اور ایسی ہیئت میں چپکے سے کہتا جس طرح کسی بڑے ہی باعظمت اور باہیبت کے سامنے کوئی لایعنی بات کرنے سے کسی کو منع کیا جاتا ہے ایسا مشاہدہ اور حضوری اور وہ بھی مسلسل اور دائمی ہر شخص کی طبیعت حاصل نہیں کر سکتی باقی معاصی کے ترک میں دل کی شکستگی کو بھی بڑا دخل ہے اور اگر ایسے شخص سے گناہ ہو جائے تو وہ فوراً توبہ کر لیتا ہے اور اسی توبہ سے اس کو ترقی ہوتی ہے اور گناہ بھی بعض اوقات اس لیے کہ انسان اس پر نادم ہوتا اور یہ سمجھتا ہے کہ میں تو کچھ بھی نہ ہوا اس کو شکستہ دل اور عاجز بنا رہتا ہے جس سے بیحد ترقی ہوتی ہے اور خدا کے ہاں سب سے بڑھ کر جو چیز مقبول ہے وہ عجز ہے۔ عجز، درد اور دل شکستگی بڑی چیز ہے یہ درد یہ شکستہ دلی اس سے تو عجز پیدا ہوتا ہے اور انسان کو خدا تعالیٰ نے اپنی بندگی یعنی عجز کے اظہار کے لیے ہی تو پیدا کیا ہے اور اگر کوئی جدوجہد جسے عبادت سے بھی تعبیر کرتے ہیں بہت کرتا ہے مگر یہ عجز اس میں نہ ہو تو تمام محنت کسی کام کی نہیں اور اگر یہ ہو تو پھر زیادہ محنت

کی بھی ضرورت نہیں۔ دوسری بات کے متعلق فرمایا کہ تبلیغ کے متعلق میں کیا عرض کروں۔
حضرت دہلوی سے ہم ان کی زندگی میں بہت لڑتے جھگڑتے تھے مگر ان کے جی کو لگن تھی،
اس لگن سے ایک راستہ خود پیدا کر لیا ان کا یہ مطالبہ بھی بہت رہا کہ مولوی حبیب الرحمن
لدھیانوی اور مولوی عطاء اللہ شاہ بخاری کو ہمارے کام میں لگا دیں میں نے عرض بھی کیا
کہ اب وہ اس طرح کام نہیں کر سکیں گے مگر بڑے میاں نہ مانے، ان کے حکم کی تعمیل میں
میں نے ایک دو مرتبہ آپ حضرات سے آپ کو یاد ہو گا کہا بھی تو حاصل یہ ہے کہ کوئی طریق
خاص مقرر نہیں تبلیغ کرنی چاہیئے اور ذو رائے سمجھدار جب اس پر لگ جائیں گے تو ضرورت
کے مطابق اپنا راستہ نکال ہی لیں گے اور اصل تبلیغ کا وقت انسان کا اس وقت ہوتا ہے
جب اس پر آثارِ ذکر طاری ہو جائیں اور ان میں پختگی سی آجائے پھر اللہ تعالیٰ نے بعض سے
کام نہیں لینا ہوتا تو وہ تنہائی کے ہی ہو لیتے ہیں اور جن سے کام لینا ہوتا ہے انکی طبیعت
میں خود بخود جوش اٹھتا ہے اور تبلیغ ان کی سی تبلیغ ہوتی ہے۔ اس تبلیغ کا ان کو اور لوگوں
کو بے حد نفع ہوتا ہے۔

---

۷ محرم الحرام ۱۳۶۶ھ مطابق ۲ دسمبر ۱۹۴۶ء سوموار۔ لدھیانہ

ماسٹر منظور احمد صاحب نے حضرتِ والا سے بعض باتیں صوفیہ کی دریافت کیں
تو حضرت والا نے فرمایا کہ مشاہدہ ہو اور مشاہدہ سے یقین اور یقین سے خلوص نیت کے ساتھ
اعمال صالح ہو سکیں۔ ماسٹر صاحب نے یہ بھی دریافت کیا کہ حضرت ہمارے ہاں تبلیغ کے
سلسلہ میں چودھریوں نے اعلان کر دیا ہے کہ بے نمازیوں پر جرمانہ کیا جائے حضرت والا نے

فرمایا کہ یہ نہ کرنا۔ لا اکراہ فی الدین قد تبین الرشد من الغی ۔ بس سمجھاتے
سمجھاتے اور نرمی محبت سے کوشش کرتے رہو اور اپنے آپ کو مبلغ مت سمجھو۔

---

۸ محرم الحرام ۱۳۶۶ھ مطابق ۳ دسمبر ۱۹۴۶ء منگل۔ لاہور

قاری عبد الغفور صاحب وغیرہ علماء حضرات سے حضرت والا نے فرمایا کہ آپ ترجمہ
جو انجمن خدام الدین کے مقاصد میں سے ہے نوجوانوں کو شوق سے سنائیں مگر اب مولوی
فیل ہو چکا ہے انگریزی دان طبقہ میں اب اس کی بات سُنی اور سنائی نہیں جاتی یہ کام مبارک
ضرور ہے مگر اس کی نتیجہ خیزی کے متعلق اس وقت کوئی روشن پہلو نظر نہیں آرہا۔

ایک اور صاحب سے گفتگو میں فرمایا انسان کو چاہیئے کہ خدا تعالیٰ کی رضا مندی
حاصل کرنے کے لیے اپنے اندر اخلاق حمیدہ پیدا کرے اور ذمائم سے دور رہے اور یہ
چیز ایسے شخص کی صحبت اٹھانے سے حاصل ہوتی ہے جس کے اخلاق اور نفس کی اصلاح
ہو چکی ہو مگر صحبت میں دو چیزیں شرط ہیں ایک تو شیخ سے محبت ہو اور عناد ہرگز نہ ہو اور
ایک ذکر الٰہی یعنی صرف صحبت سے فائدہ نہیں ہوتا۔ ——— الا ماشاء اللہ
کیونکہ آجکل والوں کی صحبت ایسی قوی نہیں کہ حضور کی طرح اثر کرے اس لیے ذکر بڑا
ضروری ہے صحبت اگر ہوگی تو آدمی شیخ کے اخلاق میں سے جذب کرے گا اور یہ جذب
کرنا ایک طبعی خاصہ ہے کہ عناد سے خالی محبت آمیز صحبت کا یہ اثر ہونا ہی ہوتا ہے ان صاحب
نے ذرا اونچی تصوف کی اصطلاحی باتیں شروع کیں تو حضرت والا نے فرمایا کہ اتنی اونچی پرواز
ہماری نہیں ہے بس ہم تو سیدھا سادھا یہ ہی سمجھتے ہیں کہ صحبت شیخ جو عناد سے پاک ہو
اس میں جتنی محبت ہو گی اتنی ہی ترقی ہو گی اور اس کی وجہ یہ ہے کہ طلب بھی جو پیدا ہوتی ہے

وہ شیخ کی طلب سے حصہ ملتا ہے اور اخلاق بھی وہیں سے اسی راستہ سے جذب کرتا ہے،
مگر اپنی استعداد کے موافق جذب کرتا ہے جتنی اس میں کمی اتنی اس میں کمی اور اصل مقصود
رضائے الٰہی ہے محبت کا ایک درجہ تو یہ ہے کہ انسان محبوب کو دیکھتا ہی رہنا چاہتا ہے
خواہ وہ دیکھنا محبوب کو گراں گزرے مگر اس سے آگے گزر کر یہ ہے کہ محبوب کی رضا
سے ہی وہ راضی ہوتا ہے گویا اس نے اپنے نفس کی لذت کو اب محبوب کی رضا پر قربان
کر دیا۔ نفس دیکھو کہاں تک اپنا حصہ لیتا رہتا ہے پس جس شیخ سے انس ہو اس کی بلا عناد
صحبت اختیار کرو اور کچھ ذکر کا سلسلہ بھی جاری رکھو جتنی کسی کی استعداد ہوگی اور جتنا خدا
کو منظور ہوگا حصہ مل رہے گا۔ ان صاحب نے دریافت کیا تھا کہ حضرت بعض اوقات
انسان کو معلوم ہوتا ہے کہ اب یہی کیفیت ہوگئی ہے تو اس وقت جو کچھ اس کے دل میں آتا
ہے گیا ادھر سے ہی آتا ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ ہاں مگر نفس کے دھوکے بہت ہیں۔ اور
ایک بڑا فریب نفس کا یہ ہے کہ وہ حالات کو مقام سمجھنے لگتا ہے بعض بزرگوں سے سُنا ہے
کہ ان کو چار ماہ میں سلوک طے ہو گیا جب دریافت کیا گیا کہ استقامت کتنے عرصہ میں ہوئی
تو فرمایا پچیس سال میں۔ تو اب دیکھو جو سریع السیر تو ایسے کہ چار ماہ میں سلوک طے ہو گیا
اور استقامت جو اصل شئی ہے پچیس سال میں حاصل ہوئی تو اس راستہ میں یہ نہ سمجھے کہ
یہ حالات کوئی مقام ہے وہ تو مشکل سے حاصل ہوتا ہے حضرت والا نے مندرجہ ذیل شعر
پڑھا اور فرمایا کہ ہم نے یہ شعر مولوی عبداللہ صاحب سے سیکھا ہے۔ ؎

صوفی نہ شود صافی تا درنکشد جامے ۔۔۔ بسیار سفر باید تا پختہ شود خامے

۹ محرم الحرام ۱۳۶۶ھ مطابق ۴ دسمبر ۱۹۴۶ء بدھ ۔ لاہور

حضرت والا نے گفتگو کے دوران فرمایا جب انگریز آرہے تھے پنجاب کے امراء نے جن میں پٹیالہ باپو فرید، خوشاسنگھ وغیرہ کے راجہ شامل تھے مشورہ کیا کہ مالیر کوٹلہ والے بڑے نواب بابا سے کہ عمر میں ہم سب سے بڑے ہیں مشورہ لو کہ رنجیت سنگھ کا ساتھ دیں یا انگریز کا۔ بوڑھے بابا نے کہا کہ انگریز دق اور رنجیت سنگھ ہیضہ ہے اس لیے دق کو قبول کر لو کہ کچھ زیادہ دن زندہ رہنے کی توقع ہو سکتی ہے چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

فرمایا ہم مذہبی سوال بنا کر لوگوں کو آپس میں لڑنے کا موقعہ پیدا کر دیتے ہیں تو قومی حکومت اور آنے والی نسلیں اس بک بک کو ختم کرنے کے لیے مذاہب کو ہی ختم کرنے پر مجبور ہو جائیں گے پس چونکہ سیاست پر آجکل کفر غالب ہے اس لیے کفر کے راستے سے سیاست آرہی ہے اور ایسی ہی سیاست کا غلبہ ہو گا تو کفر کے سویدات بڑھ جائیں گے جب دیندار لیڈر نہیں ہو گا تو خواہ مسلمان ہندو کسی طرح تفریق رہے بھی مگر ہندو اور مسلمان مذاہب تو ختم ہی ہو جائیں گے اور خالص دہریت کا غلبہ ہوتا چلا جائے گا ہم نے یہ بھی اچھی طرح دیکھ لیا بلکہ خود ہماری تاریخ گواہ ہے کہ اکیلا مذہب سیاست کے بغیر چل نہیں سکتا اور محدود رہتا ہے اس لیے ہم اب یا تو اپنی سیاست چلاتے یا اب دوسروں کی چلنے والی سیاست کے ساتھ ہوتے تو گاڑی چلتی ورنہ نہ چل سکے گی اس لیے میں تمام سعی کر رہا ہوں کہ آئندہ کسی طرح مذہب کے لیے گنجائش نظر نہیں آتی اور پھر غنیمت سمجھتا ہوں کہ ستر بہتر سال کی عمر ہو گئی ہے تو اپنا ایمان ہی سلامت چلا جائے اور کچھ کیا کریں ہاں بطور فریضہ کے کامیابی کے ظاہری امکانات نہ ہونے کے باوجود بھی ہم نے مذہب کے لیے ہی ہاتھ پاؤں

ہارنے ہیں اور یہ تو کرتے ہی رہو خدا کو اگر منظور رہو گا تو کوئی ایسی شخصیت بھیج دے گا جو مرجع خلائق بن سکے اس وقت ایسی شخصیت جو لوگوں کو اپنے گرد جمع کر سکے میں نہیں پاتا۔ میری اس مایوسی سے مایوس کن معنی نہ لو یہ میرا مطلب ہرگز نہیں مطلب یہ ہے کہ مذہب کو اپنے اندر زندہ رکھنے کے لیے کامیابی کے امکانات کی امید بھی نہ رکھتے ہوئے جد وجہد جاری رکھو۔

ایک معتمد مولوی صاحب نے حضرت والا سے کچھ دریافت کیا تو حضرت والا نے فرمایا کہ اولیاء اللہ اور اہل اللہ کی صحبت اختیار کرو اور جب تک پختگی نہ پیدا ہو جائے اس وقت تک تو اس کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں مگر اس کے بعد بھی بلکہ میں تو کہوں گا تمام عمر پھر ایسا کرو تاکہ ایمان سلامت لے جانے کی صورت بن سکے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کے راستہ کے بغیر اور کوئی راستہ انسان کی فلاح کے لیے نہیں بھیجا اور انبیاء کے تربیت یافتہ ہی ان کے جانشین ہیں اور اولیاء اللہ بھی اسی قبیل سے ہیں۔ جب پہلے کانگرس کی وزارتیں قائم ہوئی تھیں تو گاندھی جی نے کہا تھا کہ وزارتوں کو ابوبکرؓ و عمرؓ کی طرح چلانے کی کوشش کرو کیونکہ تاریخی دور میں اور کوئی اس سے اعلیٰ مثال ہم کو نہیں ملتی تو کفار کے نزدیک بھی معیاری طرز کی واقعی مثال سوا انبیاء کے نہیں ہے۔ اکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتہ حضرات کو انہوں نے نظیر کے طور پر پیش کیا)۔

مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے کہا کہ مسلمان کا ذہن اب حملہ آور نہیں رہا ہر جگہ دفاعی رہ گیا ہے جو شکست کی علامت ہے اس پر حضرت والا نے فرمایا کہ انسان کے اندر ایک تو روح کی قوت جسے ملکوتی قوت کہہ سکتے ہیں ہوتی ہے اور وہ کسی عارضہ کی وجہ سے جس کا علم خدا کو ہی ہوتا ہے ہر انسان میں متفاوت درجہ کی ہوتی ہے اور ایک قوت انسان میں بہیمیت کی ہوتی ہے اس کا بھی ایسا ہی حال ہوتا ہے پس جس شخص میں ملکوتی قوۃ

جس درجہ کی اعلیٰ ہو گی اور بہمیت بھی جس درجہ کی زیادہ ہو گی وہ قوم کا امام ہو گا۔ اس کی بڑی استعداد ہو گی اور اس کے علاوہ جو لوگ ہوتے ہیں ان میں جس درجہ کی یہ دونوں چیزیں ہوں اتنے ہی وہ مضبوط ہوتے ہیں اور ان کی رفتار اسی کے مطابق ہوتی ہے اور ان چیزوں کے درجوں کے تفاوت اور اس کی ترکیب کے مطابق ہر شخص کی پرواز ہوتی ہے۔ ایک سوال کے جواب میں فرمایا کہ بہمیت سے مراد شہ زوری اور رستمی نہیں ہے بلکہ قلبی قوت ہے خواہ وہ شخص ان میں نمایاں طور پر دوسروں سے ممتاز نہ ہو اور روح کے اعلیٰ ہونے کی مثال خیال میں لائیں کہ ملکیت میں کمی زیادتی جو آپ نیکی کے مدارج میں محسوس کرتے ہیں سب سے زیادہ ان میں قوی انبیاء علیہم السلام خصوصًا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ حضرت انسؓ نے کسی کے پوچھنے پر آپ میں تیس آدمیوں کی قوت کا اندازہ بتایا۔ یہ اندازہ ہی تھا خدا جانے صحیح طور پر یہ قوت آپ میں کتنی تھی تو جن میں یہ دونوں دولتیں وافر ہوتی ہیں وہ جم کر کہہ سکتے ہیں اور جن میں یہ کمزور ہوں وہ اتنا ہی کمزور جماؤ رکھتے ہیں۔

---

۱۰ محرم الحرام ۱۳۶۶ھ مطابق ۵ دسمبر ۱۹۴۶ء جمعرات۔ لاہور

ایک صاحب نے ایک نوجوان کے متعلق سفارش کی جو کالج میں پڑھتے تھے کہ یہ آیت کریمہ پڑھنے کی اجازت چاہتے ہیں حضرت والا نے فرمایا کہ آیت کریمہ کا عمل کس لیے کرنا چاہتے ہیں وہ نوجوان بولا کہ کچھ مقاصد ہیں۔ حضرت والا نے فرمایا اس مالیخولیا میں مت پڑو، اپنا پڑھو اور کسی اللہ والے کے ہاں حاضر ہو کر رضائے الٰہی کے لیے پڑھنا سیکھو۔ نیز فرمایا کہ میرے خیال میں خدا تعالےٰ جس سے ناراض ہوتے ہیں اس کو عملیات اور کیمیا میں

مبتلا کر دیتے ہیں۔ ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت تھانوی ؒ نے اعمال قرآنی لکھی
ہے اس میں آیت کریمہ بھی ہے ۔۔۔ اور لکھا ہے کہ پڑھنے کے لیے کسی کامل سے اجازت
لینی چاہیئے۔ حضرت نے فرمایا کہ اب اجازت دینا گویا اپنے آپ کو کامل سمجھنا ہوا۔ مجھے
بھی ایک زمانہ ہوا لڑکپن میں اتفاق سے ایک عملیات کی کتاب ملی اس میں سب سے آسان
چند منٹ روزانہ پڑھنے کا ایک تسخیر کا عمل درج تھا میں نے خیال کیا کہ اسے کر دوں پھر خیال
آیا کہ تسخیر کر کے کیا کروں گا۔ بس کرنا ہو تو اللہ میاں کی رضامندی حاصل کرنے کے لیے کچھ
کروں اس کے بعد مجھے کسی اور مقصد کے لیے کوئی عمل پڑھنے کا خیال تک نہیں آیا اسی طرح
زمانہ طالب علمی میں میں نے ایک شخص کو دیکھا اس کو لوگ مولانا اور بزرگ کے نام سے پکارتے
تھے اور جب وہ باہر سے بوٹیاں پاڑ کر سر پر رکھے بلی ماراں سے گزرتا تو بعض خوشامد سے
بعض ادب سے بعض رسمی طور پر واقفیت کے باعث اور بعض دوستانہ مذاق سے السلام
سلام کہتے وہ کیمیا کا دھنی تھا بڑا نیک۔ پنجاب کے ضلع سیالکوٹ یا فرمایا گجرات کی
طرف کا تھا مجھ سے کافی بڑی عمر کا تھا مگر تھی اس سے بے تکلفی اس کے گرد ظہر کے بعد دلی
کے بہت سے بھوسی جمع ہو جاتے اور وہ کچھ تسبیح پڑھا کرتا لوگ اسے قصے سناتے رہتے
وہ بعض جگہ ہوں ہاں کر کے ٹوکتا مجھے بڑی ہنسی آتی اور جب وہ لوگ چلے جاتے تو میں اسے
کہتا کہ تو جھوٹا ہے ۔۔۔ وہ بھی کہتا ایک آنکھ کی کمی ہے وہ لوگوں کے ہزارہا روپے
آگ میں جلا ڈال چکا تھا بڑے بڑے رئیس اس کے چکر میں تھے اور سمجھتے تھے کہ یہ کیمیا جانتا ہے
وہ اپنا بھی سب کچھ آگ میں جلا ڈالتا تھا اور لوگوں کا بھی اور کہا کرتا کہ ہم کون سا رکھتے ہیں جمع
کرتے ہیں اپنا ان کا سب جلا دیتے ہیں اس کے پاس پیسے ہوتے تو بعض اوقات اس کے
سامنے ہی میں ان میں سے قبضہ لیتا اور کہتا لوٹنے تو جلا ہی دینے ہیں۔ چل میں نہیں دیتا

وہ چھیننے کی یونہی سی کوشش کرتا مگر چھوڑ دیتا۔ غرضیکہ بہت سوں کو دیکھا ہے کہ وہ ساری عمر ناکام اسی میں لگے رہے تو میرا مشورہ ان نوجوان کو یہ ہے کہ وہ اس طرح کے فضولیات میں نہ پڑے اور اگر امتحان کے لیے ایسا کرنا ہے تو محنت کرنی چاہیے اگر یہ عملیات کچھ ہوتے تو پیروں اور عاملوں کے لڑکے ہی امتحانوں میں سب سے زیادہ کامیاب ہوا کرتے۔

بعد از مغرب حضرت والا نے ایک نابینا حافظ صاحب کو بیعت فرمایا اور اس مضمون پر تقریر فرمائی فرمایا تصوف کیا ہے دنیا کے تمام مباح اور جائز کاروبار کو بھی دین بنا دینا۔ یاد رکھو اگر اس نیت کو بیدار رکھ کر کہ یہ کام میں اللہ کے لیے یعنی اس کی رضا کے حصول اور تعمیل احکام میں کرتا ہوں کام کئے جائیں تو وہ بہت سی نفلی عبادتوں سے افضل ہو جاتے ہیں مثلاً مسلمان پر اپنے اہل و عیال کی پرورش کا ایک درجہ واجب ہے اب اگر اس واجب کی ادائیگی کے لیے وہ کام کرتا ہے مگر نیت کر کے اور غفلت ترک کر کے کرتا ہے تو نوافل پڑھنے سے زیادہ ثواب ہے۔ کیونکہ وہ ایک واجب ادا کر رہا ہے پس اس طرح ہر کام کو عبادت بنایا جا سکتا ہے بشرطیکہ وہ حرام اور مکروہ نہ ہو کم از کم مباح اور جائز کا درجہ ہو اور ریاکاری سے خالص عبادت خواہ نماز ہی کو لو وہ شرک بن جاتی ہے کہ دکھاوے کے لیے کی جائے کیونکہ دکھاوے سے عبادت کرنا شرک ہے۔

شیخ الحدیث صاحب سے مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے ایک دفعہ دریافت کیا کہ تصوف کیا ہے انہوں نے کیا ہی خوب جواب دیا کہ تصوف تصحیح نیت کا نام ہے۔ انما الاعمال بالنیات کیا ہی اچھا فرمایا اور ایک مرتبہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے فرمایا کہ مولوی صاحب لوگ خبر نہیں تصوف کسے سمجھتے ہیں تصوف فقاہت کا نام ہے یعنی دینی سمجھ حضرت شیخ نے تصوف کا ابتدائی سرا بیان فرمایا اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے انتہائی جو تصحیح نیت سے

حاصل ہوتا ہے۔ ان بیعت ہونے والے حافظ صاحب کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ پڑھانے کا کام کرتے ہو اگر ہر بچہ کو سبق پڑھاتے وقت نیت کو تازہ کیا جائے اور غفلت کو دور کر کے پڑھایا جائے تو یہ بہت نفع بخش عبادت ہے ہمارے ہاں ذکر زیادہ نہیں کرایا جاتا بلکہ ہر کام کو نیت کے ساتھ کہ غفلت سے نہ ہو سرانجام دینا ہی عبادت ہے اور ذکر بھی جو کرایا جاتا ہے تو اس کی غرض بھی غفلت کو دور کرنا ہے تاکہ تمام کام نیت کے ساتھ ہو جائیں بشرطیکہ وہ کام حرام اور مکروہ نہ ہوں۔ مباح سے لے کر ادنیٰ تک جو کام ہیں سب کو بیداری سے کرنا بڑا اعلیٰ ذکر اور یہی تصوف ہے۔ یہ بات خواہ ۱۰ گھنٹے میں حاصل ہو، دس دن میں حاصل ہو، دس ماہ میں حاصل ہو یا دس سال میں اس کو اخلاص کہتے ہیں۔ اور اسی کے لیے آیا ہے کہ درجہ احسان حاصل کر۔ حضرت مدنی مدظلہ العالی جو کرتے ہیں چونکہ وہ مجتہد ہیں تو وہ اگر اس میں غلطی پر بھی ہوں تو ایک ثواب اور اگر صواب پر ہوں تو حسب حکم حدیث وہ دو ثواب پاتے ہیں ہم ان کے مقلد ہیں کیونکہ خود مجتہد نہیں اس لیے ان کے ساتھ ہیں بلکہ دن بدن ان کی رائے کا صواب ہونا بھی واضح ہوتا جاتا ہے۔

---

۱۵ محرم الحرام ۱۳۶۶ھ مطابق ۱۰ دسمبر ۱۹۴۶ء منگل۔ لائلپور

ایک نابینا حافظ صاحب نے حضرت والا کی خدمت میں سماع کے متعلق سوال کیا تو حضرت والا نے فرمایا کہ سماع وغیرہ یہ شرعاً درست نہیں اور اس کے لیے صوفیوں کے عمل سے جو گنجائش نکالی جاتی ہے اس کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ کوئی جائز اور موزوں مضمون کا کلام خوش آوازی کے ساتھ موزوں پڑھ لینا یا متبرک شرائط کے ساتھ سن لینا وہ بھی اپنی تجویز

یا شیخ کی تجویز پر ایک معذوری ہے ماجوری نہیں ۔ سماع کا خاصہ ہے کہ یہ جذبات کو ابھارتا ہے تو ایسے شخص کے لیے جو عوارض کی وجہ سے بالکل نہ چل سکتا ہو یا اس کو کوئی سخت قسم کا قبض پڑ گیا ہو کہ اس کا علاج یہ ہو وہاں اگر اس کو استعمال کیا گیا فرض کر و اس میں اضافہ بھی کچھ زائد چیزوں کا ہو گیا تو مریض کے لیے مجبوراً جائز ہے جس طرح کوئی حاذق طبیب کوئی ناجائز چیز دوا میں تجویز کر دے تو یہ معذور ہے نہ کہ ماجور کہ دوسرے بھی خواہ مخواہ اس دوا کو پینے لگیں اور دیکھیے کہ ایک شخص کو ایک کیفیت پیدا ہوتی ہے اور اضطرار کی حالت میں ہوتا ہے تو جس طرح مضطر کے لیے حرام بھی حلال ہو جاتا ہے مگر دوسرے کے لیے نہیں اسی طرح سلوک میں ایک تو اختیاری سلوک ہوتا ہے اور ایک اضطراری ۔ اب اضطراری حالت میں اگر کوئی شخص سماع اختیار کرے تو صاحب اختیار کو تو اس کی تقلید جائز نہیں ہو سکتی سلوک کہ ہے جو میں سمجھتا ہوں وہ یہ ہے کہ اللہ میاں کی طرف چلنا اس چلنے میں بعض اوقات عوارض پیدا ہو جاتے ہیں ان کو دور کرنا بھی ضروری ہوتا ہے اب اگر کسی کو کوئی عارضہ پیش آگیا اور وہ اس کے علاج کے لیے مجبور ہو گیا تو یہ کیا ضروری ہے کہ تندرست آدمی بھی اس علاج کی تقلید کرے ۔ جیسا کسی شخص کو کھانسی ہو گئی اور وہ کھانس رہا ہے تو اوروں کو کب درست ہے کہ اس کے ساتھ کھانسنے لگیں ۔ پس میرے نزدیک یہ ہے کہ جو بچے ہیں اگر کوئی بات ایسی سنتے ہیں تو ان کو معذور سمجھ کر ان کے فعل کی تاویل کرتے ہیں ان پر اعتراض نہیں کرتے اور ان کی اس معاملہ میں تقلید درست نہیں سمجھتے جس طرح ایک بزرگ نے سبحانی ما اعظم شانی کہا تو چونکہ ان کی ولایت دوسرے قرائن و آثار کی وجہ سے مسلم ہے ان کو اس کہنے میں معذور سمجھیں گے مگر صاحب شریعت کے مقابلہ میں ان کے قول یا فعل کو حجت نہیں مانیں گے یہی حال منصور کے انا الحق کا ہے اور ایک دفعہ کا واقعہ لکھا ہے کہ سلطان جی کے

کچھ مریدوں نے یہ کہنا شروع کیا کہ وہی کھاتا ہے وہی کھلاتا ہے گویا ہمہ اوست۔ اور بازار میں جا کر جس چیز کو چاہا اٹھالی اور کھالی۔ اب اس کے متعلق قاضی کے ہاں معاملہ گیا اس نے کہا یہ صوفی لوگ ہیں ان کے لیے سلطان جی سے فتویٰ لینا چاہیے چنانچہ ان کے ہاں معاملہ گیا تو انہوں نے کہا اعلان کر دو کہ ان تینوں آدمیوں کو جو ایسا کرتے ہیں پکڑ کر پھانسی دی جائے گی تو وہ سن کر بھاگ گئے۔ ایک ایسا ہی کہتا رہا سلطان جی نے کہا کہ جو کہنے میں جھوٹے تھے وہ تو بھاگ گئے یہ سچا ہے اس کو کچھ سزا نہ دو۔ ایسا ہی ایک دفعہ آپ کے لوگوں نے آپس میں کہا کہ آؤ محفل سماع منعقد کریں تو حضرت نصیر الدین چراغ دہلی نے جو اجل خلفاء میں سے ہیں انہوں نے کہا کہ میں تو اس کو جائز نہیں سمجھتا اور شریک نہیں ہوتا ان کا یہ قول حضرت کے ہاں پہنچایا گیا تو آپ نے فرمایا کہ ہاں وہ درست کہتا ہے نیز فرمایا کہ کوئی طریقت سے گرے تو شریعت پر تو آکر ٹھہرے گا اور جو شریعت سے گرے گا اس کا کہاں ٹھکانہ ہوگا کہیں بھی نہیں۔

سوال کیا گیا کہ صوفیوں نے اذکار و اشغال جو مقرر کیے ہیں ان میں سے بعض کی اصل ہوتی ہے مگر بعینہٖ نہیں ہوتے اور بعض کی اصل ہی نہیں ہوتی تو کیا یہ دونوں اقسام بدعت ہیں۔ حضرت والا نے فرمایا کہ ان تمام چیزوں کی اصل قرآن مجید میں موجود ہے۔ باقی صورت یہ ہے کہ اصل تو اس میں توجہ الی اللہ ہونا ہے تو حضور کی صحبت اس صیغہ قوی تھی کہ اس سے اتنی توجہ الی اللہ ہوتی تھی اور جن کو ہوئی جیسے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ویسے تو صحابہ کرام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے پر کھڑے بھی نہیں ہوتے تھے لیکن حضور کے حکم پر ہر شئی قربان کرنے کے شائق تھے۔ اس پر ان کان اٰباؤکم وابناؤکم الخ اور دیگر متعدد آیات پڑھیں۔ جنگ احد کا قصہ سنایا کہ صحابہ اپنی طبعی حالت

سے بھی گزر گئے تھے کیونکہ انسان پر لاٹھی آئے تو طبعاً آدمی اپنے آپ کو اس کی زد سے بچاتا ہے مگر وہاں صحابہ نے حضور کے لیے اپنے جسم کو تیروں کے سامنے ڈھال بنا دیا اور خاندانی عداوتوں کو ترک کر دیا۔ آخر یہ سوچئے کہ ایسی تبدیلی کس طرح پیدا ہوئی تو یہی کہا جائے گا کہ حضور کی صحبت اتنی قوی تھی جس سے یہ ہوا تو اب چونکہ یہ چیزیں مثلاً احسان، توجہ الی اللہ وغیرہ مطلوب ہیں اور یہ پیدا ہوتی ہیں محبت سے اور محبت خود بھی مطلوب ہوئی۔ والذین امنوا اشد حبا للہ ۔ اور یہ موقوف ہے صحبت پر، صحبت تجربہ سے ظاہر ہے کہ اتنی قوی نہیں تو اس کے لیے اولیاء اللہ نے حسب الہام ربانی کچھ طرق تجویز کیے جو تجربہ سے کارگر ثابت ہو گئے ہیں اور ان کی اصل بھی قرآن حدیث میں پائی جاتی ہے حضرت نے متعدد آیات اس پر پڑھیں اور یہ اذکار اشغال بھی اس لیے موقوف علیہ ہوئے مگر نہ ایسے کہ ان کے بغیر وہ بات پیدا نہ ہو سکے۔ اس کے بغیر بھی پیدا ہو جاتی ہے مگر تجربہ سے یہ ثابت ہے کہ اکثر ان کے ذریعہ جلد پیدا ہوتی ہے تو اب مطلوب شرعی کا موقوف علیہ بھی مطلوب ہو گیا جس طرح طہارت مطلوب ہے تو جہاں دریا نہ بہہ رہا ہو اور کنواں ہو وہاں ڈول رسی بھی اتنی ہی مطلوب ہو گی جتنی طہارت مطلوب ہے اگرچہ طہارت ڈول رسی کے سوا بھی دریا کے کنارے رہنے والوں کو حاصل ہو جاتی ہے اور جس کو ڈول رسی نہ مل سکے وہ ایسی صورت میں تیمم سے بھی طہارت حاصل کرے۔ نیز فرمایا کہ سلوک کیا ہے وہی کیفیت جو انبیاء علیہم السلام کو مختلف طور پر یقین کی حاصل ہوئی اس پر آیت پڑھی۔ کذلک نری ابراہیم ۔ الخ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تجلی ہوئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج ہوئی اور ابتدا ہوئی اس کیفیت سے جو غار حرا میں کھینچ کر لے جاتی تھی۔ تو جو درجہ یقین کا انبیاء کو حاصل ہو جاتا ہے وہ اوروں کو کہاں نصیب، اوروں کو ان کے طفیل جو ملتا ہے اسکی

بھی تاثیر صحبت اٹھانے والوں میں سے جن کو مناسبت اور استعداد صحیح ہو حاصل ہو جاتی ہے تو یہ یقین اور یہ محبت جو مطلوب ہے اس کے ذرائع بھی مطلوب ہیں تو صحبت کی کمی اور کمزوری کو پورا کرنے کے لیے اذکار اور اشغال ہوتے ہیں اور ان کی چونکہ اصل بھی ہوتی ہے اس لیے یہ بدعت نہیں۔ نیز فرمایا کہ محبت محبت میں بھی فرق ہوتا ہے۔ دیکھو ایک تو محبوب کے پاس سے نہیں ٹلنا چاہتا اور دوسرا آتا بڑھ جاتا ہے کہ محبوب کی رضا اس کو مقصود ہوتی ہے خواہ پاس رہنے میں ہو یا دور جانے میں۔ تو اس لیے محبت کو بڑھانے کے لیے بھی صحبت اور محبت کی کمی کو اور طریقوں سے جنکی اصل قرآن میں ہے پورا کیا جاتا ہے پھر آگے خدا کے اختیار میں ہے کہ ان پر وہ فوائد مرتب فرمادیں یہ سب فضل الٰہی سے ہوتا ہے۔

---

۱۷ محرم الحرام ۱۳۶۶ھ مطابق ۱۲ دسمبر ۱۹۴۶ء جمعرات۔ جاودیاں

ایک پیش امام نے اپنے دو بچوں کو دعا کے لیے حضرت کے سامنے کیا اور ایک کے متعلق عرض کیا کہ یہ متوسط درجہ کا ذہن اور حافظہ رکھتا ہے شروع میں حفظ میں اچھا چلتا تھا مگر اب نہیں چلتا۔ اس پر حضرت نے فرمایا کہ یورپ میں لوگ ماہرین سے مشورہ لیتے ہیں جو بچوں کی استعداد کا اندازہ کرنے میں ماہر ہوتے ہیں اور پھر ان کے مشورہ کے مطابق بچوں کو تعلیم دیتے ہیں مگر ہمارے ہاں اس کا انتظام نہیں۔ یورپ والے زیادہ تر اسی لیے کامیاب ہوتے ہیں کہ جس استعداد کا بچہ ہوتا ہے اور جس طرف اس کا قدرتی رجحان ہوتا ہے وہ ویسی اور وہی تعلیم کرتے ہیں بیس پچیس سال پہلے میں نے اخبار میں ایک جرمن ماہر کا مضمون دیکھا تھا جو یہ کہتا تھا کہ وہ بچے کو اپنے کھلونوں کے ساتھ دیکھ کر یہ بتا سکتا ہے کہ اس شخص کو اگر فلاں بات کی تعلیم دلائی

اور ملکہ تو بغیر صحبت کے پیدا نہیں ہوتا۔ اس ملکہ کی وجہ سے آئی ہوئی بیماری اور مصیبت کو بھی انسان ثواب کا موجب بنا سکتا ہے۔

---

۱۹ محرم الحرام ۱۳۶۶ھ مطابق ۱۴ دسمبر ۱۹۴۶ء اتوار۔ ڈھڈیاں

ایک مولوی صاحب کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ یہاں ہماری تین صورتیں ممکن ہیں، ایک تو انگریز کے ساتھ ملنا، دوسرا ہندوؤں کو ساتھ لے کر مشترک پلیٹ فارم پر کام کرنا، تیسرا اکیلے کچھ کرنا۔ مولانا شبیر احمد عثمانی کے جن انتکالات کو آپ دہراتے ہیں، وہ بے محل ہیں، اگر ہم اکیلے انگریز کے خلاف اٹھیں اور ہندؤں سے اشتراک نہ کریں تو انگریز ہمیں اپنی اور ہندؤں کی مشترکہ طاقت سے اور بھی کچل دے گا۔ اگر انگریز سے ملتے ہیں تو انگریز نے ہی تو ہم کو ہندوستان کے اندر اور باہر تباہ کیا ہے۔ جو مسلمان انگریز سے ملے ہیں، انھیں بھی مسلمانوں کے مقابلے میں جا کھڑا کیا ہے، کانگرس کی بڑی طاقت بن گئی ہے اور لیگ کی نا عاقبت اندیش قیادت نے مسلمانوں کا بھرم کھول دیا ہے۔ اور تیسری صورت وہ ہے جو ہمارے اکابر نے اختیار کر رکھی ہے، ہندؤں کے اشتراک سے جدو جہد کر رہے ہیں اور ملک کو انگریز سے آزاد کرانا چاہتے ہیں۔ ہندوستان آزاد ہو جائے تو ہمارے مسلمانوں کے اور ممالک پنپ سکتے ہیں۔ کانگرس کا ارادہ اس وقت نہ صرف ہندوستان کو آزاد کرانے کا ہے بلکہ تمام ایشیا کو اُبھارنے کا ہے، سیاسی تدبر کا یہی تقاضا ہے کہ ہم اس سے فائدہ اُٹھانے کی کوشش کریں۔

جائے تو یہ کامیاب ہوگا۔ (حفظ کے لیے بچے کی استعداد دیکھنی چاہیے)

---

۱۸ محرم الحرام ۱۳۶۶ھ مطابق ۱۳ دسمبر ۱۹۴۶ء جمعہ۔ ڈھڈیاں

عصر کے بعد حکیم فیض بخش صاحب کو مخاطب کر کے فرمایا کہ انسان کو خدا تعالیٰ نے یہ جسم انسانی اس لیے دیا ہے کہ وہ ترقی کرے اور وہ ترقی کر سکتا ہے جسم کی صحت کے ساتھ اور ترقی سے مراد دائمی راحت کی زندگی حاصل کرنا ہے اس کی تمہید حضرت والا نے یوں اٹھائی تھی کہ اگر میں خود یا میرا کوئی ساتھی بیمار ہو تو مجھے بڑی تشویش ہوتی ہے حالانکہ بادی النظر میں یہ توکل کے خلاف ہے لیکن حقیقتاً توکل کے خلاف نہیں کیونکہ انسان اگر بیمار ہوگا تو سلوک میں ترقی نہیں کر سکتا اور صحت کا اہتمام نہ کرنا بھی ذمہ داری میں کوتاہی ہے جس طرح موت جب اور جیسے ہوتی ہے مقدر ہوتی ہے مگر خودکشی کرنے والے کو شریعت مجرم قرار دیتی ہے۔ اسی طرح بیماری، صحت خواہ مقدرات سے ہو مگر کوتاہی کرنے والا کوتاہی کر رہا ہے اور انسان کی صحت پر اس کی حقیقی ترقی یعنی ہمیشہ کی آرام دہ زندگی منحصر ہے۔ یعنی انسان اگر قوی ہو تو اتنا ہی اس کی روحانی پرواز بھی بلند ہوتی ہے۔ یہ اخلاق جو اپنے غلط رخ کے باعث دوزخ میں لے جانے والے ہوتے ہیں ان کا رخ صحیح کر لیا جائے تو یہی جنت میں لیجانے کا سبب بنتے ہیں فرشتوں کو ترقی نہیں کیونکہ وہ حیوانیت کی طرف نہیں لوٹتے گے۔

اگر انسان سے خدا تعالیٰ بے حد پیار نہ کرتا اور اس کی فطرت میں دائمی راحت کی زندگی کی طلب نہ رکھتا تو اس کے لیے راستہ پیدا نہ کرتا جو کہ اعمال صالح ہیں اور وہ جسد انسانی کے بغیر نہ ہو سکتے یہ خدا تعالیٰ کی مزید عنایت ہے کہ مقدرات سے پہنچی ہوئی ضعیفی اور بیماری کو بھی ثواب کا ذریعہ بنا دیا۔ مگر وہ اسی صورت میں ثواب بنتی ہیں جب انسان کا رخ درست ہو

۲۲ر محرم الحرام ۱۳۶۶ھ مطابق ۱۷ر دسمبر ۱۹۴۶ء منگل۔ ڈھنڈیاں

حضرت والا ڈھنڈیاں میں سیر کرتے ہوئے قبرستان میں تشریف لے گئے اس قبرستان میں شاہ کلیم اللہ صاحب کا مزار ہے جو حضرت کے تایا ہیں ان کے قبلہ رُخ ان کے بڑے بھائی اور پھر چھوٹے بھائی کی قبر ہے معلوم ہوا کہ آپ سوات بنیر پیدل اپنے شیخ[1] آخوند صاحب کے پاس جایا آیا کرتے تھے حضرت والا نے قرآن پاک آپ سے ہی حفظ کیا ہے قبروں کے فیض کے متعلق مسئلہ چل پڑا تو حضرت والا نے فرمایا کہ قبروں میں جانا تو سنت ہے اور اگر نشان رکھے جائیں تو اچھا ہے باقی یہ ضروری نہیں کہ جس طرح محرم میں قبروں پر مٹی ڈالنے کو مخصوص کر لیا ہے وہی کیا جائے نشان سے فاتحہ پڑھنے والے کو استحضار ہوتا ہے اور اگر اس میں صلاحیت اور صاحب قبر سے مناسبت ہے تو فیض بھی پہنچتا ہے مگر اس کی مثال ایسی ہی ہے کہ ایک چٹنی سے پیٹ نہیں بھرتا یہ تجربہ سے ثابت ہے کہ قبر سامنے نظر آتی ہو تو استحضار عام طور پر زیادہ ہوتا ہے اور عبرت حاصل کرنا اور موت کا یاد آنا جو لذات کو مٹانے والا ہے اتنا ہی ہو گا جتنا استحضار اور اگر مناسبت و صلاحیت ہو تو استحضار کی حیثیت کے مطابق عالم برزخ سے فیضان بھی ہو گا۔

ایک صاحب نے کسر نفسی کا ذکر کر دیا حضرت والا نے فرمایا کہ یہ لوگ بناوٹ سے اپنے آپ کو حقیر ظاہر کرتے ہیں حالانکہ دل میں اپنے متعلق یہ نہیں ہوتا یہ تو نفاق ہے اور کسر نفسی اگر واقعی ہو تو یہ بڑی چیز ہے۔ ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ ایک دفعہ

---

[1] ۔ حضرت آخوند عبد الغفور صاحب سواتی قدس سرہٗ۔

حضرت گنگوہیؒ نے اثناء گفتگو فرمایا کہ میں تو مٹی کا مادھو ہوں حضرت نے عرض کیا کہ حضرت اس لفظ کے معنی سمجھ میں نہیں آئے تو فرمایا واقعی مجھ میں کچھ نہیں ہے۔ حضرت والا نے فرمایا کہ جو شخص اپنے رب کو پہچانتا ہو کہ سب کچھ اسی کا ہے اور میں عدم وہ موجود۔ میں ممکن الوجود وہ واجب الوجود بھلا وہ اپنے آپ کو کیا سمجھتا ہے ایک بزرگ کا نام لیا کہ ان کو جب باری تعالیٰ سے شرف مکالمہ ہوا تو ان کی طبیعت میں تقاضا ہوا۔ عرض کیا باری تعالیٰ میں تیرے حضور میں کیا چیز پیش کروں فرمایا تو بیچارہ کیا پیش کرے گا تیرے پاس رکھا ہی کیا ہے تھوڑی دیر بعد پھر ان کو تقاضا ہوا جیسے موسیٰ علیہ السلام کا آیا ہے کہ ارنی کہا تو فرمایا کہ ٹوٹا ہوا قلب تو انکسار اگر حقیقتاً ہو بڑی چیز ہے اور عارفوں کو ہی ہوتا ہے۔

ایک صاحب نے قبر کے اندر منکر نکیر کے سوال جواب کے لیے اٹھنے پر یہ اشکال وارد کیا کہ سائنس والوں نے میت کی چھاتی پر پارہ رکھ کر اس کو دفنا کر پھر کھول کر دیکھا ہے اگر ذرا بھی جنبش ہوتی تو پارہ وہاں ہرگز نہ رہتا مگر پارہ جوں کا توں رہا۔ حضرت والا نے فرمایا کہ اگر واقعی ایسا کر کے دیکھا ہے اور ایسا ہی پایا ہو تو کیا ہے جو ملک مختار کل قبر میں اٹھاتا ہے وہ اگر پارے کو جوں کا توں رکھنا چاہے تو پارہ رکھا جا سکتا ہے جبکہ اس بات کو عام کرنا منظور نہ ہو اگر ایسا ہو جائے تو تمام کافر مومن ہو جائیں، اور ایمان بالغیب کے لیے غیب نہ رہے۔

نیز فرمایا کہ بعض کو بعض بات دکھا دینا جو سب کے لیے اشکال سے پاک نہ ہو یہ تو ہو سکتا ہے یوں اگر چاہے تو فرشتوں کو سب کے سامنے اتار کر گواہی دلا دے کہ چارہ کار نہ رہے باقی ایسی بات کہ کوئی آدمی آسمان پر سامنے چڑھ جائے اور آ کر گواہی دے اور لکھا قرآن

نازل ہو جائے اس میں احتمال رہ سکتا ہے اس لیے تو کافروں نے کہا کہ لے محمدؐ تو اگر آسمان پر چڑھ جائے تب بھی ہم ایمان نہ لائیں گے۔

ایک صاحب نے سوال کیا کہ حضرت درود شریف پڑھتے وقت کیا خیال کیا جائے فرمایا کہ اس طرح گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ مبارک پر بیٹھ کر پڑھ رہے ہو اور ایک نور کا فیض ادھر سے تمہارے قلب میں آ رہا ہے۔ پھر انہوں نے دریافت کیا کہ کلمہ شریف کا ذکر کرتے وقت کیا خیال کرنا چاہیئے۔ فرمایا کہ اصل اصول اس میں یہ ہے کہ ذکر میں اسم و مسمیٰ ایک ساتھ ذہن میں آتے مگر یہ مبتدی کے لیے خصوصیت سے مشکل بلکہ محال ہے اس لیے کوئی تصور ساتھ بتایا جاتا ہے تاکہ خیال ادھر ادھر دوڑنے سے ایک چیز پر جمع ہو جائے گئے اس کے بعد پھر اسم سے بھی ختم ہو کر مسمیٰ میں جا لگے یہ اللہ فضل فرمائے تو ہوتا ہے۔ اس لیے مختلف تصورات کئے جاتے ہیں ——— دیکھئے نہیں کہ جب انسان اکیلا بیٹھ تو اس کا خیال اِدھر اُدھر دوڑتا اور کلام نفسی کرتا پھرتا ہے لیکن جب آمنے سامنے ہم بیٹھے باتیں کر رہے ہوں یا کسی چیز کو غور سے دیکھتے ہوں تو خیال ایسے نہیں بھاگا پھرتا اس لیے وہ کوئی تصور کراتے ہیں ورنہ وہ ذات پاک برتر از قیاس و گمان و وہم ہے انسان بیچارہ نام لیتے وقت اس کا براہ راست کیسے تصور کر سکتا ہے اگر خیالات کو زیادہ روکے تو کر سکتا ہے کہ وہ ایسی ذات ہے جس کا تصور نہیں ہو سکتا اور بس لیس کمثلہ شئی ء۔

ایک مولوی صاحب نے یہ دریافت کیا کہ لذیذ مباحات کو چھوڑ دینا مجاہدہ میں ضروری ہے فرمایا مجاہدہ تو یہی ہے کہ ناجائز خواہشات سے نفس کو روکے رکھنا اور حکم پر چلنا باقی حلال کو حرام کر لینا جائز نہیں اور علاج کے طور پر اگر کوئی چھڑا دے مثلاً غیر شادی شدہ ہے شیخ اسے ایسی چیزوں سے منع کرے جو شہوت کو بھڑکاتی ہیں تو یہ حرام کرنا نہیں اور موقوف

ہوئی۔ باقی کھانے پینے کی عام مشہور صورتیں جو بزرگوں سے منقول ہیں کہ وہ بہت کم کھاتے تھے یا بالکل نہیں کھاتے تھے یہ ان پر کوئی حال ہوتا تھا تو جس پر وہ حال نہ ہو اس کے لیے ایسا کرنا درست نہیں ورنہ پاگل ہوجانے یا اور کسی طرح بیمار ہوجانے کا ڈر ہے۔ حضور کا صوم وصال اسی طرح کا تھا دوسروں کو منع فرمایا مگر بعض بزرگوں کا سال سال نہ کھانا بیان کیا گیا ہے کم کھانا ہم نے بھی ضرور دیکھا ہے کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو ایسے کرتے دیکھا ہے ایک چمچہ یا دو چمچہ سے زیادہ نہ کھاتے اور پھر صحت پر اثر بھی محسوس نہ ہوتا تو یہ اور بات ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا کہ ہندوستان میں ایک میل چلے تو تھک گئے اور جدہ سے آگے بڑھے تو پیدل اتنا قافلے کے ساتھ چلے کہ ہم تھک گئے اور ایک موقعہ پر تو تکلف کی تقلید سے مجھے بخار ہوگیا اور مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کا نصف سے زائد راستہ آپ نے پیدل طے کیا ہم تو مکہ معظمہ سے حضرت کے صاحبزادہ عبدالرشید کے ساتھ دوسرے قافلہ میں آگئے تھے مگر حضرت کا ساتھیوں سے یہی سنا کہ نصف سے زائد پیدل چلا کرتے تو اب ہم میں وہ طاقت کہاں۔

---

۲۳ محرم ۱۳۶۶ھ مطابق ۱۸ دسمبر ۱۹۴۶ء ۔ ڈھوڈیاں

صبح کی سیر میں حضرت والا نے فرمایا کہ مذہبی اعتبار سے ہمارے سامنے موجود تحریکوں میں سے کسی میں کوئی خاص امید افزا پہلو نہیں ہے اب تو دہریت چھاتی جائے گی کیونکہ دین تو دینی لوگوں کے وقار سے ہوا کرتا ہے۔ اب فقیر خواہ وہ کتنے ہی غلط ہوں اور علماء خواہ ان کو بھی غلطیاں لگ رہی ہوں جب ان کا وقار اور احترام مٹ گیا تو اب دین تو پیدا نہیں ہوگا کیونکہ

دوسروں میں وہ دین کہاں سے آئے گا۔ میں جب لیگ کو غور سے دیکھتا ہوں لگے انگریز کھڑا نظر آتا ہے۔ جمیعۃ والوں یعنی حضرت مدنی کے ہم معتقد ہیں۔ احرار میں بھی چند اچھے لوگ ہیں۔ مولوی حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی کی بات عقل کی معلوم ہوتی ہے مگر کون مانتا ہے۔ شاہ صاحب، ماسٹر تاج الدین صاحب سب اچھے لوگ ہیں۔ شورش کاشمیری کی باتیں سنیں وہ بھی خوب آدمی ہے مگر یہ غریبوں کی جماعت ہے ان کے اوپر سے تو مسجد شہید گنج کا ملبہ نہیں جھڑتا۔ باقی فسادات کا قصہ یوں ہے کہ ہمارے لیگی دوست تو کہتے ہیں کہ ہندو فساد کرتا ہے مگر کرتے یہ بدولت ہیں۔ کلکتہ میں فساد ہوا تو منہ کی کھائی ویسے بھی بیوقوف لوٹ پر پڑ گئے جیسا کئی سال ہوئے سہارنپور کے فساد میں بھی ہوا تھا بعد میں سہارنپور میں دو سال تک مقدمات میں پس گئے وہاں سے نواکھالی جا فساد کیا اس کا جب جواب بہار میں پیدا ہوا تو اب چیخے ہیں یہ سب وہی علاقے ہیں جہاں حضرت مدنی پر پتھراؤ کیا گیا اور رہی کسر بداخلاقی میں نہ چھوڑی اس کا بھگتان تو اب کرنا ہی پڑے گا۔ نواکھالی میں حضرت مدنی نے خود فرمایا کہ ہم وہاں کی چھ سیٹوں کے متعلق جیتنے کا خیال رکھتے تھے جب گئے تو دیکھا کہ کئی فرلانگ تک سڑک اکھیڑ دی لکڑی کے بڑے بڑے لٹھے راستہ میں ڈال کر اسے ناقابل عبور بنا دیا۔ دوسری طرف سے جلسہ کی کوشش کی تو پل توڑ دیا وہاں پہنچ ہی نہ سکے۔ حضرت مدنی پر نواکھالی میں ہر جگہ پتھروں اور گالیوں کی بوچھاڑ ہی پڑی۔ مسلم لیگیوں نے مذہبی کتابوں کے کتب خانے تک جلا دیئے ہندوؤں کے اوتاروں، مذہبی پیشواؤں، لیڈروں کے خلاف فحش گالیوں کے گیت بچہ بچہ کو سکھلائے جو الیکشن کے زمانہ میں پڑھتا پھرتا تھا اس کا آگے جو نتیجہ نکلے دیکھئے۔

علی گڑھ میں یہ ہوا کہ ہندو میلے میں جس میں سازش تھی کانگریسی وزارت نے اس کو بھانپ لیا اور آریہ سماجی خیال کے غالی متعصب ہندوؤں کی سازش تھا لیکن ہے تو ان لوگوں نے وہاں

قصبہ کے قصبے بھر کے مسلمانوں کو بالکل صاف کر دیا جو مسلمان کانگرسی تھے ان کو بھی نہ چھوڑا
کیونکہ یہ غیر کانگرسی ہندو تو یہ چاہتے ہیں کہ کانگرس گر جائے اور ہندو مہاسبھا پھر زندہ ہو
تو وہ کانگرسی مسلمان کو اپنا سخت دشمن سمجھتے ہیں پنجاب میں سکھ بے لیگی منارت نہ
ہوئی ورنہ یہاں بھی اب تک بہت کچھ گل کھل گئے ہوتے میرا تو یہ اعتقاد ہے کہ حضرت مدنی
جیسے حضرات کو بلاوجہ ستانے کا خمیازہ قوم کو بھگتنا ہی پڑے گا۔

بریلی میں ہم گئے تو وہاں مولوی حبیب الرحمٰن کا میرے متعلق شائع کردہ اشتہار نہیں
پہنچا تھا ورنہ لوگ ہمارے سر ہوتے۔ اس لیے لوگ جب آئے اور لیگ کانگرس سے سوال
کیا تو ساتھیوں میں سے ایک نے کہا کہ آپ نماز روزہ کے متعلق کچھ دریافت کیجیے
پس وہ سمجھے کہ ان کو سیاسی باتوں میں درک نہیں تو چھٹکارا ہو گیا مگر وہاں مولانا منظور صاحب
کا بیان ہے کہ میں چونکہ سیاسیات سے الگ ہوں اس لیے جلسہ میں تو گیا نہیں مگر دیکھنے
کے لیے گیا کہ کیا ہوتا ہے ایک بلند جگہ الگ کھڑا ہو گیا جہاں سے تمام منظر اچھی طرح نظر
آتا تھا۔ اب اس لیے کہ جلسہ نہ ہو تقریر نہ کی جائے اور اگر کچھ کہیں تو سنائی کسی کو نہ دے
اور استخفاف واستہزاء اور ذلیل کرنے کے خیال سے توہین آمیز بھڑی سے بڑی گالیاں دینا
بھر بلا اور ریپرٹین کے کنستر بجانا اور چیزوں سے شور کرنا، آوازیں کسنا اور پھر سر کے او پر ڈھیلوں
کی بے پناہ بارش کرنا اور انسانیت سے بالکل خارج ہو کر حرکات سفیہانہ کرنا۔
غرضیکہ وہ بیان کرتے تھے کہ کوئی کسر لوگوں نے اٹھا نہ رکھی اور یہ بھی سنایا کہ حکیم صاحب نے
عرض کیا کہ حضرت! پتھروں سے بچاؤ کے لیے آپ کے سر پر دری تان دیں تو حضرت مدنی
نے فرمایا کہ میرا سر آپ کے سروں سے زیادہ اچھا نہیں جب آپ لوگوں کے سر ٹوٹیں گے۔

تو میں ہی اپنا سر بچا کر کیا کروں گا ـــــ زمزم[1] میں ایک علی گڑھی طالبعلم کا خط شائع ہوا جو اس نے لکھا تھا اور باوجود لیگی ہونے کے کہا تھا کہ یہاں علماء کو گالیاں دی جاتی ہیں کتا آتا ہے تو کہا جاتا ہے کہ مولوی آرہا ہے اور کہا جاتا ہے کہ ہماری جنگ مولوی سے نہیں خدا سے ہے مگر خدا ایسی سخت ہڈی ہے (نعوذ باللہ) کہ چبائے نہیں چبتی. ہم تو خدا کو دنیا سے نکالنا چاہتے ہیں، اب آپ ہی خیال فرمائیں کہ بنی اسرائیل کو جو اس زمانہ کے مسلمان اور پیغمبروں کی نسبی اولاد تھے کفار کے ہاتھوں تباہ کرایا اور کفار کو اس کام کے انجام دینے میں عباداً لنا کہا تو وہ قاعدہ یہاں جاتا نہیں رہے گا ان کفار سے جن پر صدیوں مسلمانوں نے حکومت کی اگر اسے خدا سے جنگ کرنے والوں کو پروانہ دیا جائے گا تو اور کیا ہوگا۔

حضرت والا نے یہ بھی فرمایا کہ وہ اشتہار جو ہماری طرف سے دیا گیا وہ لفظاً اور مضموناً تو ہمارا ہی تھا مگر اشاعت کا مشورہ کئے بغیر مولانا حبیب الرحمٰن نے شائع کرا دیا تھا ہمیں معلوم ہے کہ وہ ہمارا اشتہار ہمارے لوگوں میں سے کتنوں نے مانا. حیرت ہے کہ لوگ کیسے ایسے جنون میں مبتلا ہیں کہ نہ خود سمجھتے ہیں اور نہ کسی کی مانتے ہیں ویسے معتقد بھی بنے رہتے ہیں اور خلاف بھی کرتے رہتے ہیں۔ کچھ ایسی ہوا چلی ہے کہ نہیں معلوم خدا کو کیا منظور ہے اس لیے اب ہم نے تو اس سلسلہ میں کچھ کہنا چھوڑ دیا ہے اور اپنے ساتھیوں کو اختیار دیدیا ہے جس کے جو جی میں آئے کرے جب کوئی سنتا ہی نہیں تو اور کیا کیا جائے اگر لوگ علما کے پیچھے چلتے تو کبھی یہ حالت نہ ہوتی اور نہ یہ فساد ہوتے۔ باقی رہا دین کا قصہ تو جب دیندار طبقہ کا اقتدار اور وقار ختم ہو گیا اب دین بھی ان لوگوں میں نہیں رہ سکتا۔ میرا جی بالکل نہیں مانتا کہ

---

[1] حضرت اقدسؒ نے ایک اور مجلس میں یہ الفاظ سنتے تو فرمایا: "حضرت مدنیؒ کی یہی باتیں دل لے جاتی ہیں، مدنی مدنی ہیں"۔

ایسی قوم کے ابھرنے کی کوئی سبیل ہو سکتی ہے ویسے خدا چاہے تو دشمنوں کو مسلمان بناکر دین کا کام لے لے۔ حافظ رمضان صاحب نے ایک قصہ سنایا تو حضرت نے اس سلسلہ میں فرمایا کہ آپ کو اور طرح پہنچا۔ میں ان دنوں میں ڈھوڈیاں میں آیا ہوا تھا جو بات معلوم ہوئی وہ یہ تھی کہ ان نونوں کے ساتھ قاضیوں کے پرانے تعلقات چلے آتے ہیں کیونکہ کسی مخالف نے ان نونوں کے مورث کو قتل کرنے کا ارادہ کیا اور قاضیوں کے مورث سے مشورہ لیا انھوں نے روک دیا۔ اس کا نونوں کے مورث کو پتہ چل ہی جانا تھا تو اس نے ان کی بڑی توقیر کی اور اپنی اولاد کو وصیت کردی کہ ہمیشہ اولاد در اولاد ان کی اولاد سے حتی الوسع حسن سلوک سے پیش آنا اور کچھ زمین وغیرہ بھی ان کو دیدی مگر اب اس میں راستے وغیرہ کی مزاحمت اور دقتیں پیدا کرنے لگ گئے ہیں اور بے نماز اور بداطوار ہو گئے ہیں قاضیوں میں سے ایک صاحب جو حضرت دین پوری سے بیعت تھے یہ ان بزرگ کو وہاں سے لے آئے فیروز خان کے ہاں پہنچے یہ لوگ اور کچھ باہر کے ڈرانے وغیرہ مہمان بھی آئے تھے شکار کو تیار تھے سب کو کہا کہ چلو نماز پڑھنے سب اچھی طرح پیش آئے اور مسجد میں چلے گئے پھر فرمایا کہ ذکر کرو تو انہوں نے کہا کہ معاف رکھیں ہمیں کام ہے یہ بزرگ جوتا لے کر سر فیروز خان کیطرف لپکے وہ دیوار پر سے کود کر مسجد سے نکل گیا یہ دیوار نہ کود سکے مگر صحن میں تعاقب کیا اس کا ٹوپ گر کر مسجد میں رہ گیا اس پر جوتے مارے اور وہاں سے اپنے گاؤں دین پور جو اس ضلع میں ہے چلے آئے دوسرے لوگوں اور مہمانوں نے غصہ دلایا کہ پیری مریدی بھی سہی آخر ایسی حرکت کیا معنی۔ تو ان کے چرچا کرنے سے فیروز خان نے ایک حکیم صاحب کو لکھ بھیجا کہ جا کر میاں سے کہہ دو کہ پھر ادھر نہ آئیں۔ ادھر رات کو یہ ہوا کہ فیروز خان کو خواب میں خلیفہ صاحب اور اور حضرات نظر آئے جو مار رہے ہیں تو یہ چارپائی سے نیچے گر گئے طبیعت میں وحشت چھا گئی

اسی وقت والدہ کے پاس گئے۔ عورتوں کو ابھی تک عقیدت چلی آرہی تھی انہوں نے ساری بات سن کر کہا کہ اس کی فوراً تلافی کرو ورنہ مارے جاؤ گے تو فوراً صبح ہی سب وہاں سے حضرت کے ہاں پہنچے اور معافی چاہی۔ وہ حکیم صاحب خط لیکر پہنچے ہی تھے کہ ان کو بھی خط کا مضمون حضرت سے ذکر کرنے سے ان لوگوں نے روک دیا۔ جمعہ وہیں پڑھا اور بے حد معافی چاہی۔ میاں صاحب نے فرمایا کہ ذکر کرو ذکر کیا فرمایا زکوٰۃ نکالو چنانچہ زکوٰۃ نکالی۔

---

۲۴ محرم الحرام ۱۳۶۶ھ مطابق ۱۹ دسمبر ۱۹۴۶ء ڈھوڈیاں

حضرت والا نے اپنے ایک متوسل کو ان کی زندگی کے متعلق یکجی طور پر نصیحت فرمائی۔ ذاکر شاغل آدمی کو کسی آدمی سے یہ نہیں کہنا چاہیئے کہ میرا گزارہ نہیں چلتا نہ شکایت کرے نہ مطالبہ کسی چیز کا کرے یہ توکل کے خلاف ہے بلکہ اگر ایسی ٹھہرنے کی جگہ میسر آجائے جہاں وہ مرنجاں مرنج ٹھہر سکے تو اسے غنیمت جانے بھوکا پیاسا کاٹ لے اور جو کچھ مانگنا ہو اپنے مولا سے دعائیں التجائیں گڑگڑا کر کرتا رہے اور اپنے اہل وعیال کو بھی اسی مسلک پر ڈالنے کی کوشش کرے خدا کو منظور ہو تو ضرور فضل بھی ہو اکرتا ہے اور یہ بھی کیا کم فضل ہے کہ اس نے اپنی طرف متوجہ رہنے کی توفیق دی اپنے شیخ سے مشورہ کے سلسلہ میں یا ویسے اپنی حالت جتا دینے کی گنجائش ہے مگر تیسرے سے سوا اپنے مولا کے نہ چاہیئے اور دینی کام کو اپنا کام سمجھے اس میں تنخواہ وغیرہ کی سودا بازی کے طرز سے معاملہ نہ کرے۔

---

۲۶ محرم الحرام ۱۳۶۶ھ مطابق ۲۱ دسمبر ۱۹۴۶ء ۔ ڈھوڈیاں

حضرت والا کے ایک مرید سید صاحب نے حضرت کی خدمت میں ایک کاغذ پیش کیا جس پر ان کے گاؤں میں ان کے اپنے مکان مسجد اور گاؤں سے باہر متصل ایک مکان اور ایک خالی زمین کا نقشہ بنا ہوا معلوم ہوتا تھا اور حضرت سے عرض کیا کہ حضرت میں جب رات کو گھر میں ذکر کرتا ہوں تو گھر کنبہ کے لوگ کہتے ہیں کہ ہماری نیند میں خلل نہ ڈالو، خدا تو آہستہ آواز بھی سنتا ہے تم شور کیوں مچاتے ہو اور یہی بات مسجد کے اڑوسی پڑوسی بھی کہتے ہیں اگر حکم ہو تو یہ گاؤں سے جو باہر جگہ ہے یہاں جا کر ذکر کر لیا کروں اور یہ خالی زمین میں نے اپنی قبر کے لیے نیت کر رکھی ہے۔ حضرت والا نے فرمایا کہ اجازت کی کیا بات ہے جہاں ذکر کرنے سے لوگوں کو تکلیف نہ ہو وہاں کر لیا کرو اور باہر کرنا وقت کا موجب اور خلاف مصلحت ہو تو گھر یا مسجد میں آہستہ سے ذکر کر لیا کرو جیسے اب بات کر رہے ہو اتنی آواز سے بھی ذکر جہر ہو سکتا ہے اور کسی کو تکلیف بھی نہیں ہو سکتی۔ (اس وقت یہ صاحب دبی آواز سے آہستہ آہستہ بات کر رہے تھے) اور قبر کے لیے جگہ پہلے سے نیت کرنے کی کیا بات ہے، عرض کیا کہ قبر اور اپنی موت یاد کرنے کے لیے۔ فرمایا کہ اور لوگوں کی قبروں کو دیکھ کر موت کو یاد کر لیا کرو کہ مجھ کو بھی یہاں آنا ہے اور مرنا ہے اس لیے کہ نہ تو کسی کو پتہ ہے کہ کہاں مرے اور کہاں دفن ہو اور قبر ملے یا نہ ملے یہ قصہ قبر والا ہرگز نہ کرنا اور یہ خیال اپنے دل سے بالکل نکال دو اور پاس بھی نہ پھٹکنے دینا کہ پیر بننا ہے اگر ایسا خیال کرو گے تو فساد نیت کی وجہ سے پھر کچھ فائدہ بھی نہ ہوگا، یہی کیا کم ہے کہ خدا کا فضل ہو جائے چھٹکارا ہو اور اس کے فضل سے اپنا بیڑا پار ہو جائے باقی فضل ہو جائے تو اللہ میاں کو جس سے کام لینا ہو اسے پیر بنا دیتے ہیں یہ اپنے

بس کی بات نہیں بلکہ خیال رکھنے سے نقصان ہوتا ہے تم تو یہ سمجھو کہ نہ میں پیر ہوں نہ مرید
وہی چاہے تو آدمی پیر بن سکتا ہے اور مرید بھی۔ ڈاکٹر امیر احمد صاحب امرتسری ڈیرہ دون
میں ملازم ہیں وہ اپنے بچپن کا قصہ سناتے تھے کہ امرتسر میں ایک قبر پر لوگوں نے عرس کرنا
شروع کر دیا اور ڈھول باجے بجانے اس پر شروع کر دیئے مقصد ان کا کاروبار ہی تھا۔
جب وہاں مجمع ہونے لگا تو دکانیں بھی لگنے لگ گئیں! ور لوگ ان دکانوں پہ سے ہی مٹھائی
وغیرہ لے کر قبر پر چڑھاوا بھی چڑھاتے تھے، گھر سے پیسے لے تو میں (ڈاکٹر امیر احمد صاحب)
بھی میلے میں جا کر دکان سے ریوڑیاں خرید کر کھانے کو تھا کہ ایک مجذوب پاس ہی بیٹھا نظر
آیا، میں نے کہا بابا ریوڑیاں کھاؤ گے اس نے کہا کھا لوں گا میں نے اس کو ریوڑیاں دیں
بچے بھی ساتھ تھے اسے کہا کہ وہاں قبر پر کیوں نہیں جاتے وہاں دیکھو ریوڑیاں بھی بٹتی ہیں اور
دیکھو ڈھول باجے بج رہے ہیں اور قبر پر جانے کا ثواب بھی ہے مجذوب نے کہا کہ صاحب
قبر کو عذاب کے فرشتے مار رہے ہیں اور وہ عذاب میں مبتلا ہے اور چلا رہا ہے میرے
خیال میں یہ ڈھول والوں کی ستم ظریفی ہے کہ اس کی آواز تاکہ لوگوں کو نہ سنے اور زور زور
سے ڈھول پیٹ رہے ہیں تو اس طرح اگر خدا راضی نہ ہوا تو قبروں پر اگر میلے بھی لگنے لگیں
تو تم کو کیا، پیر تو پیر اگر مرید بننے کی توفیق مل جائے یہی بہت ہے۔

عصر کے بعد کی مجلس میں ایک طب کی کتاب زمرد اور یاقوت احمر[1] جو پنجاب کے ایک
بزرگ حکیم صاحب نے عربی میں لکھی ہے حضرت دیکھ رہے تھے اور تعریف فرما رہے تھے کہ

---

[1] زمرد اور یاقوت احمر فن طب کی چھوٹی چھوٹی کتابیں ہیں یہ حضرت مولانا عبدالعزیز پرہاروی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھی تھیں، پرہار ایک چھوٹا سا گاؤں ہے جو ضلع مظفر گڑھ پنجاب میں ہے کوٹ ادو سے چند میل کے فاصلے پر ہے مولانا عبدالعزیز صاحب نے حافظ محمد جمال رحمۃ اللہ علیہ سے بھی تعلیم حاصل کی تھی جن کا دولت گیٹ ملتان میں مزار ہے۔ مولانا عبدالعزیز کی لوح مزار پر تاریخ ولادت ۱۲۰۶ھ اور سن وفات ۱۲۳۹ھ درج ہے۔ (مرتب)

چا ایک صفحہ میں تمام طب کا خلاصہ کر دیا ہے ایک دو مقام پڑھ کر بھی سنائے فرمایا یہ کتاب نایاب ہے۔

---

۲۸ محرم الحرام ۱۳۶۶ھ مطابق ۲۳ دسمبر ۱۹۴۶ء ۔ ڈھوڈیاں

صبح چائے کی مجلس میں ایک مولوی صاحب کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اس طرح کبھی کچھ کیا پھر چھوڑ دیا کچھ بات نہیں بنتی میرا خیال ہے کہ تین چلے یعنی چار ماہ تو باقاعدہ پابندی سے بلاناغہ پورے اہتمام سے ذکر کرنا چاہیئے اور پورا ذکر گیارہ تسبیح نفی اثبات اور چار ہزار اسم ذات ٹھیک شد و مد اور دھیان و اہتمام سے ہے اس میں کشف وغیرہ کی جب کی طبیعت ہو اسے کچھ اور ہوتا ہے ورنہ آثار ذکر کچھ نہ کچھ ہو جاتے ہیں اور خدا کو منظور ہو تو ایسی صورت ہو جاتی ہے کہ کوئی کام کرے تو اس میں امید ہوتی ہے کہ کچھ نہ کچھ اخلاص کا دخل ہو گا ورنہ ویسے تو ہر کام میں نفس کا ہی غلبہ ہوتا ہے باقی ذہین لوگوں کو تو یہ چیز بہت جلد حاصل ہو جاتی ہے اور کچھ ذکر وغیرہ کی زیادہ ضرورت نہیں ہوتی مگر ہماری زیادہ عام طبیعتیں آجکل غبی ہی ہوتی ہیں الا ماشاء اللہ۔ تو اس کے لیے کتنے یعنی تین چلے کے بعد پھر یہ ہے کہ اپنا کام کرنے لگے اور ذکر کا بھی اہتمام رکھے اصل میں خلوص و اصلاح اور تہذیب اخلاق کیلئے عشق و محبت ضروری ہے اس کے بغیر کوئی خلوص اصلاح اور تہذیب اخلاق نہیں ہوتی اور نفس کا ہی حصہ رہتا ہے اور فرمایا کہ محبت سے ذکر اور کم از کم تین چلے باقاعدہ ذکر اور صحبت سے اگر خدا کو منظور ہو کچھ نہ کچھ ہو ہی جاتا ہے اور محبت ہی اصلاح نفس، تہذیب اخلاق اور خلوص نیت کا ذریعہ ہے مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے عرض کیا کہ ذکر باقاعدہ سے کیا مراد ہے فرمایا کہ جیسا تم کرتے ہو اب کچھ کچھ ذکر تمہارا موثر ہونے لگا ہے ورنہ پہلے یونہی تھا گرم

کسی تحریک وغیرہ سے متاثر ہو کر بیچ میں چھوڑ دو گے تو پھر ویسا ہی ہو جائے گا۔ اس لیے
تین چلے تو جو ہو سو ہو دلجمعی سے لگاؤ پھر خواہ تحریک میں حصہ لو یا کوئی اور دینی امور جائز دنیوی
کام ہو وہ سب اور حیثیت سے ہوگا۔ حضرت مدنی جو کام کرتے ہیں اس میں خواہ ان کو
کوئی عہدہ ملے یا نہ ملے اور اس کا کوئی نتیجہ نکلے یا خدا کو منظور نہ ہو تو نہ نکلے مگر سب اللہ
کے لیے ہے اس میں بھی وہ دیگر عبادات کو ترک نہیں کر دیتے اور مولوی صاحب کو جو
اصل مخاطب تھے فرمایا کہ اب خواہ یہاں خواہ گھر رہ کر تین چلے پابندی سے اس طرح لگاؤ
جس طرح نماز فرض سمجھ کر ادا کیا کرتے ہیں کہ پکے نمازی پر خواہ کوئی حادثہ آئے یا کچھ اور ہو
تو نماز ادا کر ہی لیتا ہے اور اگر کسی وقت مجبوری سے رہ جاتی تو اسے بہت افسوس ہوتا
ہے اور قضا کرتا ہے اسی طرح اگر کبھی ناغہ ہو جائے تو رات کا کام دن میں کرے اور دن کا
رات کو مگر یہ امر مجبوری کو ہے ورنہ وقت جو فراغت کا اور موزوں ہو وہ خود مقرر کر کے اس
کی پابندی کرنے کی کوشش کرے اور کوتاہی کے لیے نادم ہو اور پورا کرے۔

مولانا حبیب الرحمن صاحب نے دریافت کیا کہ صحبت کے کیا آداب ہیں فرمایا کہ
صحبت کے آداب جس کی صحبت اختیار کی جائے اس کی محبت خود سکھا دیتی ہے۔

جن کا اوپر ذکر ہے ان مولوی صاحب نے اپنے والد صاحب کے خیالات بیان کئے کہ وہ زیادہ
حضرت والا کے پاس میرے آنے جانے سے گھبراتے ہیں اگرچہ خود بھی خاصے دیندار اور
وظائف کے پابند ہیں اسی وجہ سے پیر جی کہلاتے ہیں حضرت والا نے فرمایا کہ وہ سچے ہیں۔
انہوں نے کابل وغیرہ کی طرف رہنے میں اور عام طور پر ہر جگہ فقیروں کی عام باتیں سنی ہوئی
ہیں کہ یہ فقیر گھر بار اور کام کاج اپنے پاس آنے جانے والوں پر اثر ڈال کر چھڑا دیتے ہیں۔
اس لیے کوئی حرج نہیں گھر پر رہ کر ہی کم از کم تین چلے پابندی سے ذکر کر لو اور اس اثنا

میں ہر وقت پڑھتے تو رہنا ہی نہیں، خالی وقت میں کوئی اور کام کاج اور مشغلہ بھی کر لیا
مگر اتنا نہیں کہ وہ خیالات میں رچ جائے اور پوری توجہ جذب کر لے، اوپر لے دل سے
کر لیا نیز تقریر و تحریر میں بھی ہمہ تن مشغولیت نہ کی جاتے اور اگر تم پکے رہے تو آپ کے
والد خود ڈھیلے پڑ جائیں گے ایک تو اس لیے کہ ان کو عام معلومات کی بنا پر جو خدشات
ہیں واقعات ان خدشات کو رفع کر دیں گے کہ ہم اور فقیروں کی طرح سب کچھ مستقلاً
کر راہب نہیں بناتے آپ کی استقامت ان کے خیالات پر اثر انداز ہو گی اور کبھی
ہوا تو کہہ دیا کہ ایک آدھ دن کے لیے یوں ہی جا رہا ہوں ابھی آجاؤں گا میں نے بھی لڑکپن میں
اس کے بعد اب تک ایسا ہی کیا ہے میری والدہ صاحبہ بھی بہت گھبرایا کرتی تھیں کہ تو بمبئی
کیوں جاتا ہے اور پاس نہیں رہتا اور میں عرض کر دیا کرتا تھا کہ اب چند روز کیلئے جا کر جلد آ
پھر پاس رہوں گا مگر میرے بھائی میرے حق میں تھے اور حافظ عبدالعزیز مرحوم تو مجھے کہا
کرتے تھے کہ تم ہمارا فکر نہ کرو اطمینان سے جاؤ مرحوم کو میرا بڑا ہی خیال تھا چنانچہ پھر میں نے
والدہ سے اب آخر میں عرض بھی کیا کہ اب اچھی حالت ہے یا وہ پہلی حالت اچھی تھی۔ فرمایا
وہ پہلی کیا تھی یہی اچھی ہے اگر تم ہمارے کہے لگتے تو نہ کچھ پڑھنا ہوتا اور بھی کچھ نہ ہوتا مرحومہ
بہت ہی عبادت گزار تھیں بارہ ہزار اسم ذات روز پڑھا کرتی تھیں، ایسا ہی کہتے رہو خدا
کو جو منظور ہو گا ہو کر رہے گا۔

کھانا کھانے کے بعد حضرت والا نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو جب تکوینی طور پر دنیا میں
جو رنگ معاشرہ کا جاری کرنا منظور ہوتا ہے اس کے لیے موزوں امام اور اس کے اردگرد
ان کے مناسب حال معاونین کو جمع کر دیتے ہیں وہ لوگ الہام ربانی کے تحت اس کے
ابراہ کار کیلئے ماحول استوار کرتے ہیں شدائد کی پرواہ نہیں کرتے ہیں یہ شاہ ولی اللہ صاحب

کی تصانیف سے بیان کر رہا ہوں نیز امام غزالی نے بھی لکھا ہے کہ ایسے امام اور طبیعتیں کچھ
تجربات کی بنا پر ہی نہیں بلکہ کسی اندرونی تحریک سے متاثر ہو کر پورے زور سے ادھر چلتے
ہیں اور ماحول کو موافق بنا کر چھوڑتے ہیں اگر یہ نہ ہو تو دنیا میں ترقی کی راہ ہی رک جائے یہ
ضروری نہیں کہ ان لوگوں کا راستہ حق محض ہو غلط بھی ہو سکتا ہے مگر یہ دنیا سب اسمائے
باری تعالیٰ کا ظہور ہے تو اس کا اسم خالق بھی ہے اور مذہبی ماحول پیدا کرنا ہو تو اس کا نام
یعنی مجدد اور معاونین کا ظہور اسم ہادی سے ہوتا ہے اور علوم و فنون میں مثلاً طب یا صنعت
حرفت میں خالق سے۔ اور مسلمان بھی اگر فساد اور غلو کے مرض میں مبتلا ہوں تو بنی اسرائیل
کی طرح ان کے لیے بھی عباداً لنا بخت نصر کی طرح ظہور پکڑتے ہیں جو اولی بأس شدید ہوتے
ہیں باقی شخصی سلطنتیں اور عام ظلم و فساد کا انسداد کرنے کے لیے صحیح غلط لوگ بھی پیدا کر دیئے
جاتے ہیں اور بعض اوقات دنیا میں کوئی زبردست سلسلہ قائم کرنا منظور ہو تو اللہ تعالےٰ
اس کے لیے مناسب ماحول پیدا کرنے اور پہلے جمع ہوئے ظلم و فساد سے آلودہ سلسلہ کو اکھاڑ
پکھاڑ کرنے کے لیے مناسب تحریکوں کے اسباب مہیا فرما دیتے ہیں کیا عجب ہے
کہ بالشوزم ایسی ہی قبیل سے ہو باقی یہ میرا عقیدہ ہے کہ زمانہ خواہ آسمان کے تارے توڑ
لائے مگر اصولی طور پر ایسے لوگ ایسی نیک اور امن کی حکومتیں قائم نہیں کر سکتے جو صحابہ کرام
کے دور اول سے فائق ہوں البتہ جزئیات اور طرق حکومت کی لازمی ضروری تبدیلیاں الگ
بات ہے خلافت راشدہ کے ختم ہونے کے بعد مسلمانوں نے یکے بعد دیگرے اپنی خوبیوں
کو کھو لیا ہے اور اب تو اتنا کھو گیا کہ اس کی تلافی خدا ہی کے بس کی بات ہے۔

حضرت والا نے اپنے رامپور کے طالبعلمی کے قیام کے معلومات بیان فرماتے اور
یوپی کے زمینداروں میں سے ایک زمیندار کا اپنا بیان نقل فرمایا کہ جب مزارع (کاشتکار)

ذرا خوشحال ہو تو ہم اس کے ہاں امانت کے طور پر زیادہ اناج رکھ دیتے ہیں جس کی وہ اچھی حفاظت بوجہ محفوظ مکان نہ ہونے کے نہیں کر سکتا وہ کتنا بھی رہتا ہے کہ اناج خراب ہو جاتا ہے مگر ہم پروا نہیں کرتے جب دوسرے ذرائع سے معلوم کر لیتے ہیں کہ اب اناج خراب ہو گیا تو جا کر دیکھ کر اس پر تاوان ڈال دیتے ہیں اور اس طرح اس کو بہر دانستہ بدحال کر دیتے ہیں تو ایسے حالات میں اگر ایسی جمہوری حکومت قائم کی جائے جو مساوات ان معنوں میں قائم کرنے کے اصولوں پر کام کرے کہ سب لوگوں کو حسبِ استعداد کچھ کام کرنا پڑے اور سب خوشحال زندگی بسر کریں اور ضروریاتِ زندگی میں تنگ نہ رہیں اچھا کھانا اچھا پہننا اور گرمی سردی سے بچاؤ کا موزوں اور صاف مکان مفت اعلیٰ طبی امداد اور عزت کی پرامن اور راحت بخش زندگی میسر ہو تو اس کو دین کے خلاف قرار دینا اور مذہب کو ایسی کوششوں میں آڑ بنانا مذہب کو برباد کرنا اور لوگوں کو مذہب سے برگشتہ کرنے کے مترادف نہیں تو اور کیا ہے

---

۲۹ محرم الحرام ۱۳۶۶ھ مطابق ۲۴ دسمبر ۱۹۴۶ء ۔ ڈھوڈیاں

صبح کی مجلس میں مجاہدات کے ثمرات کا تذکرہ آیا تو حضرت والا نے فرمایا کہ غیر مسلم بھی مجاہدات کے ثمرات سے محروم نہیں رہتے جو کرے گا وہ پائے گا مگر اس سے رضا کا حاصل ہونا لازم نہیں آتا کہ وہ تو پیغمبرؐ دل کے اتباع میں حاصل ہو سکتی ہے۔

نیز حضرت والا نے فرمایا کہ ہمارے اکابرین میں سے ایک کے ہاں ایک فوجی شخص نے آکر بلاوجہ ایک درویش کو مارا تو درویش نے صبر کیا وہ فوجی گھوڑے پر سوار ہو کر چلا تو گر کر گردن ٹوٹ گئی شیخ نے فرمایا اے درویش تو نے اس کو برا بھلا کیوں نہ کہہ لیا تاکہ تیرا صبر

اس پر نہ پڑتا اور اس کو یہ نوبت نہ آتی۔

نیز فرمایا کہ ایک شخص کو اسم اعظم آتا تھا کسی نے سکھلانے کی التجا کی تو فرمایا کہ بارہ سال میری خدمت کرو اس نے کی اور بارہ سال بعد درخواست دہرائی کہ خدمت کا وعدہ پورا ہو چکا وہ بزرگ اس شخص کو لے کر ایک گاؤں میں ایک چوراہے پر لے گئے۔ تھوڑی دیر بعد ایک شخص لکڑیوں کا گٹھڑ لے کر آیا تاکہ اسے بیچ کر اپنا اور اپنے بال بچوں کا گزر کرے، ایک سپاہی گھوڑے پر سوار آیا اور لکڑہارے کو ڈانٹا کہ تو سرکاری جنگل سے لکڑیاں لایا ہے چل حوالات میں اور برا بھلا کہا مارپیٹ کی اور لکڑیاں اپنے گھر جاکر ڈلوادیں اسے دھکے دیکر نکال دیا یہ سب ماجرا ان دونوں نے دیکھا ———— اس کے بعد اسم اعظم جاننے والے نے اس کے طالب سے پوچھا کہ اگر تجھے اسم اعظم آتا ہو جس کی برکت سے آدمی بہت کچھ کر سکتا ہے اور تیرے ساتھ یہ سوار ایسا ہی سلوک کرے جیسا لکڑہارے سے کیا ہے تو تیرا کیا ارادہ ہوگا اس نے کہا کہ میں اسم اعظم کی برکت سے سپاہی کو تباہ کر دوں یہ سنکر اس نے کہا کہ دیکھ یہ لکڑہارا اسم اعظم میں میرا استاد ہے اور اللہ میاں گنجے کو ناخن نہیں دیا کرتے جاتو اسم اعظم سیکھنے کے قابل نہ نکلا۔ اس پر مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے عرض کیا کہ حضرت سنا ہے کہ آیۃ الکرسی اور آیت کریمہ میں بھی اسم اعظم ہے فرمایا کہ میرا اور خیال ہے کہ خدا کا ہر نام اسم اعظم ہے مگر اس شخص کے لیے جس کا وہ اسم مربی ہو پھر اس کو وہ کھلے تو اس سے نفع ہوتا ہے ایک مولوی صاحب نے دریافت کیا کہ حضرت دنیا کا نفع مراد ہے یا آخرت کا فرمایا کہ آخرت کا اور دنیا کا بھی اسی میں آگیا کیونکہ ایاز نے جب محمود کو لے لیا تو ہیرے جواہرات کے ٹوٹے ہوتے صندوقوں کی لوٹ میں شریک ہونے کی اسے کیا ضرورت رہی۔ فرمایا کہ ہر شخص کا مربی اسم ہوتا ہے اگر اپنے مربی اسم کو کافر بھی پڑھے تو اس کی

طبیعت اور استعداد کے مطابق اس کو بھی فائدہ ہوگا مگر یہ فائدہ اور طرح کا ہوگا جو مومن کو ہوگا وہ اور طرح کا ہوگا۔ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے دریافت کیا کہ حضرت اپنا مربی اسم معلوم کرنے کا کیا قاعدہ ہے فرمایا کہ اس کے دو قاعدے ہیں، ایک بزرگ تو اپنے مریدوں پر ہر اسم کی ضرب لگا کر دیکھا کرتے ہیں جس کا اس پر زیادہ اثر پاتے ہیں اسے اسی کا ذکر بتاتے ہیں تو وہ جلد کامیاب ہو جاتا ہے۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اسماء باری تعالیٰ کو انسان کئی روز پڑھے جس پر اس کی طبیعت زیادہ مناسبت اور اثر محسوس کرے وہی اس کا اسم مربی ہے اور اب تو مشائخ اسم ذات کا ذکر بتاتے ہیں کیونکہ یہ اسم تمام اسموں کا جامع ہے۔

مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے صبح کو سیر کے وقت حضرت والا کی خدمت میں کوئی اعتراض پیش کیا عصر کے بعد کی مجلس میں ان کو مخاطب کر کے حضرت والا نے فرمایا میرا خیال ہے اس کو عرض کرنے سے پہلے میں چند وہ باتیں جو بزرگوں سے منقول ہیں بیان کروں گا اور سب کو جوڑ کر سوچنا کہ جواب ہوا یا نہیں۔ اول یہ کہ ہر چیز کے تین مراتب ہوتے ہیں ابتدا۔ انتہا یعنی کمال اور انحطاط، دوسری بات یہ کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کا تقاضا ہوا کہ عالم پیدا ہو اور اللہ تعالیٰ کی معرفت ہو تو اللہ تعالیٰ نے ایک چیز پیدا کی یا یوں کہو کہ اللہ تعالیٰ واجب الوجود ہے اور مخلوق ممکن الوجود۔ تو واجب الوجود نے اپنا پرتو ممکن پر ڈالا تو جو چیز پیدا ہوئی وہ جوہر ہے یہ تو مادئین بھی مانتے ہیں کہ مادہ کوئی ایسی چیز نہیں جو اپنی ابتدائی شکل میں حواس سے محسوس کیا جاسکے بلکہ استدلال ہی اس پر قائم کیا جاتا ہے۔ اس جوہر سے ایک تو روحانی مخلوق پیدا ہوئی جس میں انسان کی روح اور فرشتے وغیرہ بھی آگئے اور ایک جسمانی مخلوق جس میں زمین اور آسمان خواہ اجرام فلکی مراد لے لو۔ سب پیدا ہوئے اور جمادات نے وجود پکڑا۔ جمادات کے بعد نباتات نے اور نباتات کے

بعد حیوانات پیدا ہوئے اس کے بعد بلکہ بیچ میں اور مراحل بھی اور مخلوق بھی سمجھ لو یا نہ سمجھو کہ یہ بحث غیر متعلق بھی ہے آخر میں سب کے بعد انسان کو پیدا کیا ہر تخلیق کسی نہ کسی اسم الٰہی کا پر تو ہے اور انسان سب سے زیادہ اسما یعنی صفات باری کے پر تو کا جامع ہے اور انسانیت کو باقی جمیع مخلوق سے زیادہ صلاحیت نیابت الٰہی کی حاصل ہے اب ایک امر بات سمجھو کہ جمادات سے نباتات اور نباتات سے حیوانات اپنی اپنی روحانیت اور خصائص کی بنا پر فائق ہیں اور اس لیے فائق ہیں کہ ہر ایک ایک دوسرے سے زیادہ اسما کا مظہر یا یوں کہو کہ پرتو ہے ظہور صفات اس میں زیادہ یا توجہات باری میں اس کو فوقیت ہے مگر یہ دقیق مبہم اور غیر متعلق بھی ہے۔ بتانا میں یہ چاہتا ہوں کہ انسان کو خدا تعالیٰ نے جماداتی، نباتاتی، حیوانی اور پھر ملکوتی کہ روح انسانی اسی قبیل سے ہے صفات کا جامع بنایا۔ مزید براں اس کو عقل کا جوہر عطا کیا جو شاید اس افراط سے کسی اور مخلوق کو اس نوعیت کا عطا نہیں ہوا تو جب سے انسان عالم وجود میں آیا اس سے پہلی ذی معقول مخلوق کی بحث میں پڑنا الجھنا ہے انسان کی عقل کی رہنمائی کے لیے سلسلہ رشد و ہدایت بھی اللہ تعالیٰ نے جاری کیا کیونکہ عقل کی رسائی ایک حد تک ہے اور معرفت الٰہی کے لیے اکیلی عقل اتنا کام نہیں دے سکتی کہ انسان کو ظن و تخمین کی دلدل سے کلی طور پر نکال کر یقین و ایقان کے مدارج عالیہ تک پہنچا دے اور معرفت الٰہی کے بغیر انسان اپنے معراج کمال اور علت غائی تک فائز المرام نہ ہوتا اور تخلیق کا منشا پورا نہ ہوتا اس لیے پہلے انسان یعنی آدم علیہ السلام کو بھی نور نبوت سے فائز کیا گیا تو اب صورت یہ ہے کہ ایک عام مادی علوم و فنون اور عقلی علوم منطق و فلسفہ اور ایک درجہ الٰہیات کا ایسا ہے جس میں بظاہر کسب و عمل کو کافی دخل ہے اور اس میں دو معلومات کے ذریعہ ایک مجہول کا علم حاصل ہوتا ہے مگر ہوتا اس وقت ہے جب خدا تعالیٰ چاہیں ورنہ دو معلومات

کیلیے لوگ پھرتے رہے مگر ابتدائی مرحلے میں فنون کے آغاز حقیقت کو بھی برق ایٹم اور ایسی ہی تمام بے شمار چیزوں کا جو انکشاف اور علم ہوا ہے اور بے شمار چیزوں کا ابھی ہونا باقی ہے فوراً جلد جلد ہو جاتا اور ایک ہی آدمی تمام مراحل کو طے کر لیا کرتا حالانکہ یہ رفتار نسلوں اور صدیوں میں ایک سے دوسری تیسری منزل تک پہنچتی ہے لوگ تو یہ سمجھتے ہیں کہ یہ علوم پہلے علوم کی مدد اور ان میں مہارت و تجربے سے حاصل ہوتے ہیں ہمیں اس میں بحث نہیں مگر میرا خیال اس میں یہ ہے کہ جب باری تعالیٰ کو منظور ہوتا ہے کہ کوئی علم دنیا میں ظاہر ہو تو اس کے اسباب اس صلاحیت کے لوگ ان علوم کی مناسبت کے داعیات قلبی پیدا کیے ہیں اور پھر جب جس پر چاہتے ہیں اپنے علم کی صفت سے پرتو ڈال دیتے اور جھلک سی پیدا کر دیتے ہیں تو کہنا یہ ہے کہ انسان کی رشد و ہدایت، نجات آخرت یا حصول معرفت باری کا راستہ دوسرا ہے اور عقل اس کے لیے ضروری ہے مگر گاڑی وہاں عقل کے بل پر نہیں چلتی بلکہ یوں کہو کہ عقل کو ترقی دی جاتی یا عقل کی رہنمائی کی جاتی ہے وہ علم جس پر انسان کی نجات اخروی اور معرفت الٰہی کا مدار ہے وہ علم صرف نبیوں کو ملتا ہے مثلاً عقل کو قیامت کا علم حشر نشر جنت دوزخ کا علم بھی نہیں ہو سکتا اگر نور نبوت یعنی مغیبات کی خبر دینے کا ایک اور ذریعہ علم موجود نہ ہو تو عقل قاصر ہے اب اس کو اگر روحانی ترقی کہیں تو روحانی ترقی کے لیے نبوت کا ہی راستہ ہے۔ دیکھو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو غارِ حرا کی طرف جانے کے لیے عقل نے راہنمائی نہیں کی بلکہ تحریک غیبی نے دل کو اس عبادت اور تنہائی کی طرف مائل کر دیا پھر اس کا امکان بھی زیر بحث نہیں تھا کہ فرشتہ ایک دم نمودار ہو گیا تو روحانی علم مادی علم کے برعکس دو معلوموں سے ایک مجہول کا علم حاصل کرنا یا اس کے لیے پہلے سے ٹھان کر کوئی ریاضت اور جد و جہد کرنے پر موقوف نہیں بلکہ جب ہوتا ہے تو ایک دم ہوتا ہے اور ایسا ہی تھا

ہے کہ اس میں شک و تردد کو راہ نہیں دیتا اور کسی وجدانیت میں بھی یہ بات نہیں رہتی گویا اس شے کو اس نے پا لیا جب پا لیا تو اب شک و تردد کیا بلکہ یقین حاصل ہو گیا۔ ایک بات حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے فرمائی ہے کہ یہ خانوادے وغیرہ یوں پیدا ہوتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کسی ایسی ہستی کو پیدا کر کے ایسے مدارج پر پہنچاتا ہے کہ اس کی صحبت اور اس کے صحبت یافتہ لوگوں کی صحبت سے دل گرماتے ہیں اور لوگ روحانیت میں ترک و تاز دکھاتے ہیں مگر جب مرورِ زمانہ سے جو بعد کی صورت ہے وہ گرمی پہنچی کم ہو جاتی ہے تو جذب بھی اس خانوادہ کے نام لیواؤں میں ختم یا کم ہو جاتا ہے اب صرف سلوک رہ جاتا ہے لوگ زیادہ جدوجہد کر کے بھی کم کامیاب ہوتے ہیں اور جو ہوتے ہیں وہ بھی حیثیت اور مقدار کے اعتبار سے ٹھنڈے ہوئے ہوتے ہیں اصل گرمی تو آفتاب نبوت کی ہوتی ہے پھر آفتاب نبوت کے فیض سے اس کے فیض یافتہ لوگوں کی اور جن لوگوں کو نبی کے اتباع میں ویسے ہی علوم اور فیوض ملتے ہیں اسے ہماری اصطلاح میں قطب ارشاد یا جو بھی کہہ لو کہتے ہیں تو جو ایسا ہوتا ہے اس میں گرمی ہوتی ہے جس گرمی سے دوسروں کے دل گرماتے اور وہ چلتے اور کامیاب ہوتے ہیں اور جب اس گرمی کو بعد ہو جاتا ہے تو پھر اس کے ساتھ لگنے والوں پر اس کا اثر بھی ویسا ہی رہ جاتا ہے یہاں تک کہ وہ بات کسی اور کو حاصل ہو۔

اب ایک بات اور سنو کہ قرآن پاک نے بیان کیا ہے کہ ان من امۃ الا خلا فیھا نذیر۔ اب کوئی قوم اور ملک ایسا نہیں جہاں نذیر نہ آیا ہو اور نذیر حقیقۃً نبی یا نبی سے فیض یافتہ قطب ارشاد سمجھ لو ہو سکتا ہے تو اب جو غیر مسلم ہیں ان کے پاس جو علوم اور طریقے ہیں وہ بھی درحقیقت فیض نبوت ہے خواہ وہ انہوں نے کتنا بگاڑ لیا ہو مگر جتنی اس میں حقیقت ہے وہ تو ہے ہی اگر وہ پوری بھی ہوتی تو مرورِ زمانہ سے جو

بعد اس میں ہوتا ہے اس کی وجہ سے ٹھنڈک بھی اتنی ہی ہونی ضروری تھی چہ جائیکہ دوری بھی ہو اور جیسے درجہ کی ہو مستوری بھی ہو اس لیے اب وہ باوجود بے حد جدوجہد کے بھی مجاہدات کے ثمرات سے بہرہ ور تو ہوں گے مگر اپنی نسبت کے تناسب سے اور مسلمان بوجہ قرب وعدم التباس کے تھوڑی محنت سے زیادہ پائیں گے اور جو کسی قطب ارشاد یا مجدد کے ساتھ وابستہ ہوں گے وہ اور بھی زیادہ چلیں گے اور نوعیت کے اعتبار سے اور علوم کے اعتبار سے غیر مسلم اگر جدوجہد زیادہ کرے گا تو زیادہ پائے گا مگر کسی پہلے نبی کے دور اور مستور نور سے اقتباس کرنے کا فرق اس میں ضرور پڑے گا اور مسلمان اتنی حیثیت اور مقدار کی جدوجہد کرے تو اس سے آگے ہوگا مگر کمی کرے گا تو قرب وعدم التباس کی مقدار آگے رہے گا زیادہ کمی کرے گا تو اسی حساب سے کم رہے گا مگر وہ چیز اور ہے وہ ہے رضا۔ چونکہ رضائے الٰہی کا تعلق اب اس نبوت کے آفتاب عالمتاب سے وابستہ ہونے میں ہی اللہ کو منظور ہوا اس لیے ایک تو رضائے الٰہی ان علوم سے متعلق نہ ہوگی، دوسرے یہ غیر مسلم چلنے والا اس حقیقت تک راہ نہیں پا سکتا جس تک دوسرا یعنی مسلم ملا پاسکتا ہے اگرچہ ہر آدمی پر وہ حقیقت لازماً روشن نہیں ہوتی اور اس حقیقت تک امت مسلمہ کے سب ولی پہنچے ہوئے نہیں ہوتے کیونکہ یا تو اس لیے کہ اس کی شرائط داخلی و خارجی ان میں مفقود ہوتی ہیں یا یہ کہ منظور الٰہی اس میں ہی ہوتا ہے وہ حقیقت حقیقت محمدیہ ہے۔ چنانچہ مجدد صاحب کے مکتوبات کو غور سے پڑھیں تو پتہ چلتا ہے کہ ان کو جو علم ملا وہ بہت سے سابق اولیاء کو بھی نہ ملا تھا کوئی وحدۃ الوجود میں جا کر پھنس گیا اور کوئی کسی اور چیز میں پھنس گیا حقیقت محمدیہ تک رسائی نہیں، یہ حقیقت محمدیہ تک رسائی مجددین کو ضرور ہوتی ہے ورنہ وہ دین کی تجدید نہ کر سکیں اور اس کی علامت حروف مقطعات قرآنی

سے حسب ضرورت مراتب آگاہی پانا بھی بیان کیا جاتا ہے اگر آپ لوگ خیال نہ کریں تو میں کہہ دوں کہ ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ پر حقیقت محمدیہ کا وُرُود ہوتے میں نے خود دیکھا ہے تو کسی غیر مسلم کو حقیقت محمدیہ تک رسائی نہیں ہو سکتی مگر ایک مسلم کو ہو سکتی ہے اگرچہ ہر ولی کو نہیں ہوتی ہاں باقی علوم وغیرہ تک ایک غیر مسلم کو بھی رسائی ہوتی ہے خواہ اسکی نوعیت رضا، عدم رضا میں مختلف ہوتی ہے جس کا ظہور صرف آخرت میں اور دیکھنے والے صاحب بصیرت کو اندازہ یہاں بھی ہو جاتا ہے۔

مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے کہا کہ حضرت کچھ کچھ سمجھ میں آ گیا کہ محبت تو خدا تعالیٰ کی غیر مسلم کو بھی ہو سکتی ہے شدت عدم شدت ایک اضافی چیز ہے اسی لیے اللہ پاک نے فرمایا ہے کہ قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ ویغفر لکم ذنوبکم واللہ غفور رحیم۔ نیز کفار کے لیے آیا ہے۔ یحبونھم کحب اللہ والذین اٰمنوا اشد حبا للہ۔

حضرت والا نے فرمایا کہ پہلی آیت کا استدلال صحیح ہے اور متعلق ہے اور دوسری سے استدلال بے محل اور غیر متعلق ہے نیز حضرت والا نے قل ان کنتم تحبون اللہ الخ والی آیت مبارک خود پوری پڑھی اور ترجمہ فرمایا استدلال ظاہر کیا نیز فرمایا کہ دوسری جگہ قرآن پاک میں ہے ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ وھو فی الاٰخرۃ من الخاسرین۔ تو اسلام کے علاوہ کوئی دین اللہ کے ہاں شرف قبولیت نہ پائے گا۔ اور ایسے دین والا آخرت میں خسارے میں رہے گا۔

عصر کے بعد کی مجلس میں حضرت والا نے ایک بات یہ بھی فرمائی کہ دل میں جو خیالات آتے رہتے ہیں یہ بالکل تو بعض خاص طبائع والوں کے نہیں جاتے البتہ مجاہدات سے ان

میں کمی آجاتی ہے اور اگر انسان یہ خیال کرے کہ یہ بھی سب ادھر سے ہی آرہے ہیں جس طرح کہ سب اعمال کا خالق اللہ ہے کا مراقبہ کیا جاتا ہے۔ تو یہ خیالات بھی ٹھکانے لگ جاتے ہیں اور یہ لور وحدت الوجود کے سب مراقبے درحقیقت بعض امراض کے علاج ہیں اور حقیقت تو وہی ہے جو قرآن و حدیث سے ثابت ہے یہ مراقبات بعض اوقات حقائق کے سوا بھی ہوتے ہیں جو کہ بطور علاج ہوتے ہیں جیسے درود شریف پڑھتے ہیں تو خیالات کے انتشار کو روکنے کے لیے یہ تصور کر لینا کہ حضور کے روضہ کے سامنے بیٹھا پڑھ رہا ہوں اور ادھر سے ایک نور میرے قلب پر آرہا ہے حالانکہ ایسا ہونا اکثر واقعہ نہیں ہوتا۔

یکم صفر المظفر ۱۳۶۶ھ مطابق ۲۶ دسمبر ۱۹۴۶ء۔ ڈھوڈیاں

حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب نے حضرت والا کی خدمت میں میاں نور عالم صاحب کا یہ سوال عرض کیا کہ میں نے مولانا آزاد کی تحریروں کو پڑھا۔ حضرت تھانوی اور موڑھا شریف والے اور دوسرے کئی صحیح العقیدہ بزرگوں کی خدمت میں عقیدت سے گیا مگر پہلی حالت سے کوئی تغیر وغیرہ نہ پایا حالانکہ بزرگوں سے سنا ہے اور کتابوں میں بھی پڑھا ہے کہ ایک ہی صحبت میں بعض کو رنگ دیا اور بزرگ بنا دیا نیز صراط مستقیم پانے اور اس پر استقامت کی دعا کی درخواست کی۔ اس پر حضرت والا نے فرمایا کہ ان کا یہ درخواست کرنا کہ مجھے صراط مستقیم پانے کی خدا توفیق دے اور اس پر استقامت بخشے آخر یہ بات گھر سے پیدا تو نہیں ہوئی خواہ یہ مولانا آزاد کی کتابیں دیکھنے کا اثر ہے یا ان کی یا بزرگوں کی صحبت اور دوسری کتب دینیہ دیکھنے کا۔ بہر صورت یہ بات بھی کسی ایک دن کے دیکھنے سے فوراً ان کی طبیعت میں پیدا نہیں ہوئی اور نہ عموماً ہو سکتی

ہے بلکہ نیک لوگوں کے ملنے اور اچھی کتابیں پڑھتے پڑھتے ایک عرصہ میں پیدا ہوا ہے اس طرح فوری تغیر نہیں ہوا کرتا بلکہ دیر میں دیرپا اثر غیر محسوس طور پر ہوتے ہوتے ہو جایا کرتا ہے اور فوری بھی کسی کسی کو ہو جایا کرتا ہے مگر وہ کلیہ نہیں انہوں نے جیسا کہ بیان کیا بعض بزرگوں کے پاس جانے سے بعض لوگوں کو فوری اثر ہوا اور فوری تغیر طبیعت میں ہو گیا مگر یہ ان بزرگوں کے سب ملنے والوں کو نہیں ہوا اور نہ یہ ہوتا ہے کہ اگر کسی کی استعداد اور ہو تو اس کو ایسا اثر اور تغیر ہو جبکہ وہ اس کا اہل بھی نہ ہو اہلیت کی ایک مقدار عموماً سب میں بشرطیکہ وہ عاقل بالغ ہوں پائی جاتی ہے اور ایک خاص خاص انسانوں میں، آدمی کو اپنی استعداد کا خود پتہ بھی نہیں چلا کرتا اور یہ بھی خیال لوگوں کا ایک نظر میں تغیر ہو گیا عموماً سطحی ہوتا ہے اگرچہ جیسا میں نے بیان کیا بعض طبائع میں ایسا تغیر بھی ہوا مگر اس کی خاص وجوہ ہوتی ہیں اور یہ لوگوں کو معلوم نہیں ہوتا کہ یہ آنے والا پہلے کیا کر چکا ہے۔

حضرت خواجہ معین الدین اجمیری کو دیکھئے کہ اپنے شیخ خواجہ ہارون رحمۃ اللہ علیہ کی اتنی خدمت کی کہ آجکل کوئی نہیں کر سکتا شیخ کی ٹانگیں نہ تھیں تو خواجہ اجمیری ایک بہنگی کے ایک پلڑے میں شیخ کو اور دوسرے میں ان کے ضروری سامان راحت کو اور سر پر رکھے ہوئے چولہے پر گرم پانی ہر وقت ضرورت پیش آنے پر شیخ کو وضو کرانے کے لیے ساتھ لیکر چلتے تھے اس طرح بغداد سے مکہ معظمہ مدینہ منورہ تک سے لے گئے حج کرایا شام کے مقامات کبریٰ میں لئے لئے پھرے اور یاد پڑتا ہے کہ بیس سال تک ایسی خدمت کی بعض کے پہلے مجاہدات ایسے ہوتے ہیں کہ بس ایک آنچ کی کسر ہوتی ہے جو نظر کیمیا اثر سے پوری ہو جاتی ہے اور پھر یہ بھی ہے کہ یہ مجاہدات کے ثمرات ہوتے ہیں جس نے ایسے مجاہدات کر رکھے ہوں، وہ اس طرح تڑپانا، بے ہوش کرنا، جھرجھری پیدا کرنا، کچھ دکھا دینا، مرعوب کر دینا اور تصرف کر دینا

وغیرہ بھی کر سکتا ہے ان کمالات کا تعلق وصول الی اللہ سے نہیں ہے پہلے زمانے کے لوگ قوی بھی تھے اور وہ ایسے مجاہدات کرتے بھی تھے کہ جس سے کچھ ایسی بات خیالی طور پر ہو جایا کرتی تھی

مگر اب تصوف کا بھی خلاصہ نکل آیا ہے اس کی مثال یہ ہے کہ پہلے زمانہ میں جو لوگ حج کو جاتے تھے کئی سال میں پہنچتے تھے راستہ کی تفصیل سے ان کو واسطہ پڑتا تھا۔ مگر اب سواریوں میں ترقی ہو جانے سے جہاں سے چلا ہتے ہیں اور ہوائی جہاز سے تو چند گھنٹے میں جا کر حج کر لیتے ہیں اور اسی طرح واپس آجاتے ہیں اب اگر کوئی پہلا حاجی زندہ ہو جاتے اور آجکل کے حاجی سے کہے تم حاجی ہو بتاؤ فلاں گاؤں کے پاس جو کیکروں کی بنی کھڑی ہے راستہ اس کے دائیں کو جاتا ہے یا بائیں کو تو آجکل کا حاجی اس کو کوئی جواب نہ دے سکے گا اور آئندہ شاید اس سے بھی سریع السیر سواری نکل آئے اور آئندہ کے حاجی کو اتنا بھی معلوم نہ ہو سکے جو آجکل کے حاجی کو معلوم ہو جاتا ہے تو اب یوں نہیں کہہ سکتے کہ آجکل کے حاجی کا حج نہ ہوا یا کچھ ناقص حج رہا۔ وہ تو خلوص پر موقوف ہے ہو سکتا ہے کہ کسی آجکل کے حاجی کا حج کسی ماضی کے حاجی کے حج سے مشقت میں کم ہو مگر خلوص کی وجہ سے برابر ہو۔ اور زیادہ کامل ہو خلوص کی زیادتی کی وجہ سے ان سفروں کی مشقتوں کو حج کی حیثیت مقرر کرنے میں کوئی دخل نہیں اور اگر کسی طرح دخل بھی مانیں تو ان کو وہی مشقت، مشقت تھی۔

اور آجکل کے لوگوں کو آجکل کا سفر بھی ویسا ہی مشقت کا پڑتا ہے یہی حال ان حالات کا ہے جو پہلے صوفی بزرگوں کو پیش آتے اور ان کی کتابوں میں ان کا ذکر ہے ان کتابوں کو دیکھ کر اگر کوئی کہے کہ آجکل تو مجھے ویسے حالات پیش نہیں آتے اس لیے شاید مقصد میں کمی رہی تو یہ بات درست نہیں۔ ایسا ہی شاید شیخ نور عالم صاحب کو بھی مغالطہ لگ گیا ہو۔

ایک مولوی صاحب کا سوال تھا کہ اب جو صورت وصول الی اللہ کی نکالی گئی وہ ذہنوں کے تنزل کے باعث ہے یا ترقی کے۔ فرمایا کہ اس میں ترقی اور تنزل کو دخل نہیں ہے ہر زمانہ کے مناسب حال رنگ ہوتا ہے اور اب نہ زوائد کی ضرورت ہے اور نہ زوائد کا اس وقت اتنا علم ہوا جتنا تجربات سے بعد میں ہوا اور زوائد ترک کر دیئے گئے اب وصول الی اللہ حج کے آسان ہونے کی طرح بالکل آسان ہو گیا ہے اب تو کچھ خواہشات کو دبانا اور کچھ کرنا کرانا اس سے وصول ہو جاتا ہے باقی اس کا یہ مطلب نہیں کہ پھر کچھ نہیں کرنا کرنا تو یہاں عمر بھر کا ہے اس زمانہ میں لوگ زیادہ قوی ہوتے تھے بعض امراض کے ازالہ کیلئے ریاضتیں ضروری بھی ہوتی تھیں۔ دیکھو باوا فرید علیہ الرحمۃ نے صلوٰۃ معکوس کہ شہوۃ کیلئے کی اگر کوئی آج کرے تو عنین ہو جائے اور دماغ کھو بیٹھے اور باوا صاحب کی اسکے باوجود اتنی اولاد ہوئی کہ ملک ان کی اولاد کا بس رہا ہے، مولوی صاحب نے دریافت کیا کہ ان لوگوں کی روحانیت زیادہ تھی یا آجکل سے کم۔ فرمایا کہ ان کی جسمانیت بھی زور کی تھی اور روحانیت بھی، آج دونوں کمزور ہیں اس لیے آج وصول کا وہ طریق موزوں نہیں پڑتا۔ مولوی صاحب نے عرض کیا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ آجکل وصول الی اللہ زیادہ ہو رہا ہے۔ فرمایا یہ بات نہیں یہ تو زیادہ لوگوں کے اس طرف توجہ کرنے پر منحصر ہے طریق آسان ہے تم تو مولوی ہو احادیث بھی سامنے ہیں کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ حالات کے ماتحت اس وقت طریق مشکل ہو مگر لوگ ادھر چلنے میں زیادہ اہتمام رکھتے اور زیادہ اس کام میں لگتے ہوں اور آجکل طریق آسان ہو جائے مگر لوگ اور مشاغل کی اہمیت کا ماحول ہو جانے کی وجہ سے اس کام میں کم لگیں۔

حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے دوسری مجلس میں یہ دریافت کیا کہ یہ طریق

جو نیا آسان نکالا ہے یہ کن اکابر نے نکالا ہے کیونکہ مولوی صاحب کی دریافت پر حضرت والا نے فرمایا تھا کہ یہ آسانی ہمارے اکابر کی تجویز کردہ ہے جو اپنے زمانہ کے تصوف کے مجتہد اور حاکم ہوتے ہیں نہ کہ مقلد اور محکوم۔ فرمایا کہ یہی حضرت گنگوہیؒ حضرت حاجی صاحبؒ اور حضرت نانوتوی وغیرہم اکابر مراد ہیں اور ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق بھی یہی خیال ہے کہ وہ تصوف پر حاکم تھے۔ ایک مرتبہ آپ نے فرمایا تھا کہ مولوی صاحب جس طرح مہربات کا خلاصہ اور روح نکل آئی ہے تصوف کا بھی اب خلاصہ نکل آیا ہے۔ حضرت بہلولنگری نے ایک دفعہ چلہ کے لیے عرض کیا تو فرمایا کہ چلہ کیا اعتکاف کرو اور فرمایا لوگ باہمت ہیں جو بھوک پیاس کاٹتے ہیں اور شدائد برداشت کرتے ہیں مقصود تو اللہ تعالیٰ اس کے بغیر بھی عنایت فرما دیتے ہیں۔

۲ر صفر المظفر ۱۳۶۶ھ مطابق ۲۷ر دسمبر ۱۹۴۶ء ڈھوڈیاں

مولانا عبدالغنی صاحب نے اپنے پہلے پیر کے متعلق جس سے اجازت لیکر یہ حضرت سے بیعت ہوتے بتایا کہ وہ توجہ سے لوگوں پر میرے سامنے اثر ڈال دیتے تھے مگر میں نے خیال ہٹا لیا تو مجھے کوئی اثر نہ ہوا ایسا متعدد مرتبہ ہوا حضرت والا نے فرمایا کہ یہ چیزیں اگر اہل حق کریں تو خیر مگر ان سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا بلکہ اکثر نقصان ہوتا ہے محقق بغیر کسی ضرورت کے اس کو نہیں کرتے یہ تو تماشا ہے چنانچہ ایک پیر کا قصہ سنایا جس نے حضرت کے ایک مرید کو حضرت والا کے پاس آنے سے توجہ دیکر روکا مگر وہ نکل نکل کر بھاگتا تھا اس سے ان کا کوئی سوا دنیوی فوائد کے نفع نہ تھا اور وہ شخص صحت اور قلب کے اعتبار سے اس طرح

تباہ ہو گیا۔ نیز حضرت والا نے ایک بات کے سلسلہ میں فرمایا کہ یوپی میں ایک شخص کلکٹر لگے ہوئے تھے وہ بتلاتے تھے کہ ایک پیر صاحب اس شہر میں آنے والے تھے چونکہ ان کی عادت بانی دیوبند اور دیوبندی اکابر کو گالی دینا تھی اس لیے کمشنر، کلکٹر اور دیگر حکام نے باہمی مشورہ سے ان کے وہاں پہنچنے پر دفعہ ۱۴۴ لگادی۔ مگر فوراً اگلے روز گورنمنٹ سے براہ راست حکم موصول ہوا کہ ایسا مت کرو۔ نیز فرمایا کہ ڈاکٹر امیر احمد صاحب جو دہرہ دون رہتے ہیں کا ایک عزیز گورنر کے دفتر کا اعلیٰ کلرک ہے جو گورنر کی پیشی میں رہا ہے وہ ڈاکٹر صاحب کے سامنے پیروں کو بُرا کہتا تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے منع کیا تو اس نے کہا کہ جب میرے سامنے ہے کہ یہ لوگ گورنر کے کوٹ چاٹنے میں دریغ نہیں کرتے تو میں ان کا معتقد کیسے ہوں۔ وہ حکایت اشاعت فرمائی جس میں ایک بریلوی اور ایک دیوبندی کو ڈپٹی کمشنر تنخواہ دے کر دونوں کے ذریعہ لوگوں کو ان مسائل کے جھیلوں میں الجھائے رکھتا تھا۔ آج شام کی مجلس میں مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے عرض کیا کہ صبح والی تقریر تھوڑے سے بیان کے طرز کے اختلاف کے ساتھ حضرت والا نے پہلے بھی بیان فرمائی ہے مگر مجھے ابھی تک الجھاؤ باقی ہے۔ حضرت والا نے فرمایا تم تو تمام باتوں کو جو بیان کی گئی ہیں چونکہ احاطہ نہیں کرتے اس لیے الجھاؤ ہے ورنہ وہ تو کوئی عجیب بات نہیں عام اور معمولی بات ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر شے کے تین دور ترقی، کمال اور زوال کے ہوتے ہیں خدا تعالیٰ نے چاہا کہ وہ پہچانے جائیں لہٰذا تخلیق ہوئی اور حضرت نے تخلیق کے متعلق قدیم و جدید نظریات بیان فرمائے کہ ان میں ترجیح وغیرہ سے بحث نہیں تو پہلے جوہر یعنی وہ مادہ پیدا ہوا جسے قدیم و جدید علماء سب کہتے ہیں کہ اس کو محسوس کسی طرح نہیں کیا جا سکتا۔ دلائل سے اس کا اثبات سب کرتے ہیں پھر کثیف مادی اجسام کا وجود ہوا اور یہ سب باری تعالیٰ کی صفات کے پرتو ہیں۔ جمادات کے بعد حیوانات مخلوق

سے شروع ہوئے اور اتنے بڑے ہوئے کہ قطب جنوبی کی مہم والوں کو بیس تیس سال ہوئے ایک برف کا تودا ٹوٹا تو ایک جانور کی نعش ملی جس کی بیل پچاس فٹ تھی اور شاید اس سے بھی بڑی مخلوق ہو جسمانی کمال کے بعد اب جسمانیت کا زوال بھی سامنے ہے یہاں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ جمادات کے بعد نباتات اور پھر حیوانات سب کو ترقی کا ایک نصف النہار اور معراجِ کمال عطا ہوا اور پھر زوال، اسی طرح انسانیت کہ دیگر سب مخلوق سے زیادہ صفات کثیرہ کے پرتو کا حامل ہے اس میں بھی حسب فوائد ترقی ہوئی اور زمینوں میں بھی ایک سے ایک کا درجہ بڑھا ہوا ہے اور مردِ کامل اکمل انسان آخر ایک ہونا تھا وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہوتے ہیں اس کے دلائل کو غیر ضروری سمجھتا ہوں اگرچہ حدیث لولاک لما خلقت الافلاک لفظاً ایک موضوع حدیث خیال کی جاتی ہے مگر معنوں کے اعتبار سے محدثین نے اس کو صحیح قرار دیا ہے تو گویا منشار تخلیق یعنی معرفت میں حضور کو وہ شرف ملا کہ اس سے اوپر سلسلہ ختم ہو گیا بس کے بعد ولایت اسی سلسلہ میں اب خادمیت کے فرائض ضرور انجام دے رہی ہے مگر یہ نزول کا پہلو ہے اب جس شخص کو جو استعداد ملی ہے اس کے اعتبار سے اسے معرفت حاصل ہوتی ہے تو جن کے لطائف نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زیادہ مشابہ ہیں وہ معرفت میں زیادہ حصہ لے لیتے ہیں دوسرے کم۔ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے عرض کیا کہ غیر مسلم جس کی صلاحیت تو اونچی ہے اس لیے اسے معرفت میں کافی حصہ اس کو حضرت کی تقریر کے مطابق ملنا ہے مگر ایمان نہ لانے سے اس میں کیا کمی رہی جو مومن کو حاصل ہو فرمایا کہ تم سمجھے نہیں اگر کسی غیر مسلم کی معرفت کے مناسب حال اونچی صلاحیت ہے تو ضرور ہے کہ ایمان اس کو ابتداء میں حاصل نہ تھا تو بطور تفرہ (یعنی وہبی طور پر ایک دم) اسے ایمان مل جائے گا۔ جو غیر مسلم ایمان سے بے بہرہ رہتا ہے وہ سوء استعداد کی وجہ سے ہی تو رہتا ہے اور جس میں استعداد ہوتی ہے اسے ایمان

بھی نمو ملتا ہے کیونکہ معرفت اور اس کا نتیجہ ہے ایمان یعنی یقین عام مومن کا بڑے سے بڑے گیانی غیر مسلم سے اسی لیے بڑھا ہوا ہوتا ہے کہ مومن میں صلاحیت اور استعداد زیادہ ہے اگرچہ وہ معرفت کے تفصیلی ذرائع سے حاصل نہ ہوا ہو۔

---

۴ صفر المظفر ۱۳۶۶ھ ۲۸ دسمبر ۱۹۴۶ء - ڈھوڈیاں

صبح کو قیام گاہ پر حضرت والا نے فرمایا کہ جب مرزا غلام احمد نے اپنی کتاب براہین لکھی تو بعض اسے لیکر یوپی پہنچے اور ہمارے اکابر سے بھی چاہا کہ ایسی مدلل کتاب حمایت اسلام میں لکھنے والے کو مجدد مانا جاتے اس زمانہ میں حضرت مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوری اور حضرت مولانا مظہر الدین صاحب اور دوسرے حضرات حیات تھے۔ حضرت گنگوہی کے پاس یہ بات لیجانے والوں کو حضرت گنگوہی علیہ الرحمۃ نے تو یہ جواب دیا کہ میں یہاں ہوں مجھے حالات معلوم نہیں سہارنپور اور ادھر یعنی پنجاب کے علماء سے لکھوالو میں بھی تائید کردونگا اس طرح ٹلا دیا اور سہارنپور والوں نے کہا کہ کتاب کے مضامین کی تائید و تنقید تو ایک بات ہے مگر مجدد ماننا یہ تو دوسری لائن کی بات ہے اس لیے میاں صاحب یعنی میاں شاہ عبد الرحیم صاحب رحمہ اللہ سہارنپوری کے پاس جاؤ۔ میاں صاحب ظاہر طور پر پڑھے ہوئے کچھ نہ تھے فرمایا کہ بھائی علماء سے پوچھو میں اس کتاب کو نہ پڑھ سکتا ہوں نہ یہ میرا کام ہے۔ عرض کیا گیا کہ علماء نے ہی فرمایا ہے تو فرمایا کہ بھائی مجھ سے پوچھتے ہو تو سُن لو کہ یہ شخص تھوڑے دنوں میں ایسے دگڑے کرے گا جو نہ رکھے جائیں نہ اٹھائے جائیں وہ گئے جزبز ہوتے کہ دیکھو علماء تو علماء، درویشوں کو بھی دوسرے لوگوں کا شہرت پانا گراں گزرتا ہے میاں صاحب نے فرمایا کہ بھائی مجھ سے پوچھا ہے تو جو سمجھ میں آیا بتا دیا ہم تو اس وقت زندہ نہ ہوں گے تم

اب آگے دیکھ لینا۔

نیز حضرت والا نے فرمایا کہ مولانا مولوی نوازش علی صاحب سے ہی سنا ہوا ہے جو حضرت میاں صاحب یعنی میرے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے پہلے پیر کی خدمت میں بیس سال رہے اور تمہارے آنے سے ذرا پہلے تک بہٹ کی جامع مسجد کے امام رہے ہیں بہت اچھے آدمی تھے جن کا انتقال ہو گیا کہ حکیم نورالدین جو بعد میں غلام احمد کے خلیفہ ہوئے حضرت میاں صاحب کی خدمت میں گیا بات یہ تھی کہ جموں کا ہندو راجہ پیشاب کے عارضہ میں بیمار تھا بہت علاج ہوئے حکیم نورالدین نے بھی علاج کیا جب فائدہ نہ ہوا تو راجہ درویشوں اور فقیروں کی طرف متوجہ ہوا حکیم نورالدین کو حضرت میاں صاحب کی خدمت میں سہارنپور بھیجا اور انہوں نے راجہ کی طرف سے عرض کیا کہ آپ جموں تشریف لے چلیں آپ کو آپ کے ساتھیوں کو سیکنڈ کلاس کا آمد و رفت کا کرایہ شاہی مہمانی اور پانچ سو روپے بطور نذر پیش کیا جائے گا راجہ کے لئے شفاء کی دعائیں فرمائیں، میاں صاحب نے فرمایا کہ راجہ کا اسی بیماری میں انتقال کرنا لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے میں دعا کروں گا مگر تین شرطیں ہیں اگر وہ راجہ پوری کر دے تو میں دعا کروں گا جس سے جب تک اس نے زندہ رہنا ہے بیماری کی تکلیف نہ ہوگی اور جب موت آئے گی تو اس وقت یہ بیماری عود کر آئے شرطیں یہ ہیں کہ راجہ اگر اس کا دل ملے مسلمان ہو جائے دوسرے اپنی راجدھانی میں قربانی گاؤ سے پابندی اٹھا دے تیسرے اذان بلند آواز سے کہنے کی جو بندش ہے وہ اٹھا دے۔ حکیم نورالدین نے دوبارہ آ کر جواب دیا کہ راجہ نے کہا ہے مجھے مسلمان ہونے میں دل سے انکار نہیں مگر ایسا کیا تو میری قوم مجھے ہلاک کر دے گی اور قربانی گاؤ سے پابندی اٹھانے سے بھی میرا یہی حشر ہو گا البتہ اذان بلند آواز سے کہنے کی میں اجازت دے دیتا ہوں میاں صاحب نے فرمایا کہ میں دعا

کرتا ہوں جو اللہ کو منظور ہوگا ہوگا مگر تینوں شرطیں مان لیں تو انشاء اللہ مذکورہ بالا طریق پر شفا تا حیات ہو جائے گی اور موت کے قریب مرض عود کر آئے گا حکیم نورالدین نے راجہ کی طرف سے میاں صاحب کو وہاں چل کر دعا کرنے پر اصرار کیا کہ ہو جائے جو ہو جائے آپ چل کر دعا کریں راجہ کے لیے بیماری میں سفر محال نہ ہوتا تو اس کا زیارت کا شوق بھی ہے جب اصرار بے حد ہوا تو فرمایا نہ بھائی جاتے تو نہیں اپنے آدمیوں کو دعا کے لیے آپ کے اصرار پر بھیج دیتا ہوں چنانچہ مولانا مولوی نور محمد صاحب بانی ام المدارس لدھیانہ ان دنوں وہاں پڑھا کرتے تھے ان پر سو روپیہ قرض تھا اس سے پہلے مولوی صاحب نے اپنے قرض کی میاں صاحب سے شکایت کی تھی اور میاں صاحب نے مولوی صاحب سے فرما رکھا تھا کہ صبر کرو اس کا وقت بھی آرہے گا۔ چنانچہ اس موقعہ پر میاں صاحب نے مولوی نور محمد صاحب اور مولوی نوازش علی صاحب کو جموں بھیجا۔ ان کو سو روپیہ دیا گیا مولوی نور محمد صاحب نے اپنا قرض چکا دیا۔ تیسری دفعہ حکیم نورالدین صاحب پھر میاں صاحب کی خدمت میں آئے جب جانے لگے تو مولوی نوازش علی صاحب کا بیان ہے کہ میاں صاحب نے جب حکیم نورالدین صاحب جانے کے لیے رخصت ہو چکے تھے دوبارہ حکیم نورالدین کو بلوایا اور فرمایا کہ دیکھو دو تین مرتبہ آپ آئے ہو ایک طرح کا دوستانہ سا ہو گیا ہے تو اب میرا حق ہے کہ میں ایک نصیحت کی بات آپ کو کہوں کیا پنجاب میں کوئی جگہ قادیان ہے عرض کیا کہ ہے فرمایا وہاں کا ایک شخص خلاف دین بڑے بڑے دعاوی کرتا چلا جائے گا عرض کیا کہ وہ ہے اور ایسا ہی کر رہا ہے فرمایا کہ میں لوح محفوظ پر حکیم صاحب آپ کو اس شخص کا مددگار لکھا ہوا دیکھتا ہوں۔ ہوگا تو وہی جو خدا منظور ہوگا مگر میری نصیحت یہ ہے کہ اس سے بچنا حکیم نورالدین نے عرض کیا کہ حضرت ابھی تک تو بچا ہوا ہوں آپ دعا فرمائیں۔

مولوی عبدالغنی صاحب نے حضرت والا سے عرض کیا کہ حضرت ذاکرین کو ذکر کرتے
ہوئے سنا تو آج میں نے غور کیا کوئی کسی طرح ذکر کر رہا ہے کوئی کسی طرح اس کا کوئی مقرر طریقہ
ہے جو ضروری ہے یا ذکر مقصود ہے خواہ کیسے ہو۔ فرمایا کہ بزرگوں نے جو طریق مقرر کیا ہے چاہیے
کہ اسی قاعدے اور طریق سے ذکر کیا جائے اس سے جلد نفع ہوتا ہے اور ویسے بھی ذکر کیا جائے
تو خالی از نفع نہیں۔ مگر اس طرح دیر میں اور تھوڑا سا نفع ہوتا ہے ہمارے ہاں ایسا ہی حال
ہے بتایا تو سب کو ہے مگر جس کا جس طرح دل چاہے کرنے لگتا ہے خیر کرتا رہے تو جب بھی
ہو نفع سے خالی نہیں اگرچہ یوں دیر میں نفع ہوتا ہے عرض کیا گیا کہ نفع سے ثواب مراد ہے جو
آخرت میں معلوم ہوگا یا کچھ اور فرمایا ہے تو ثواب ہی مگر مراد یہ ہے کہ آثار ذکر پیدا ہو جاتے
ہیں اور انوارات پیدا ہو جائیں۔ آثار ذکر یعنی انسان کا دل خدا کے سوا غیر کی محبت سے چھوٹ
جائے اور کچھ اللہ تعالیٰ سے انس پیدا ہو جائے کیونکہ انسان انس سے مشتق ہے مولانا مولوی
عبدالغنی صاحب نے فرمایا کہ صبح ایک صاحب ایسا ذکر کر رہے تھے کہ مجھے یہ نہ معلوم ہوسکا
کہ وہ لا الٰہ سے ابتداء کرتے ہیں بلکہ یوں معلوم ہوتا تھا کہ الا اللہ سے ابتداء کرتے ہیں اور لا الٰہ
پر انتہاء، مگر جب وہ تسبیح ختم کرتے ہیں یا ٹھہرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ الا اللہ پر ختم کرتے
ہیں حضرت والا نے فرمایا کہ یہ تو غلط ہے لا الٰہ سے شروع کرنا چاہیے اور الٰہ پر ذرا سکتہ تو ہو، مگر
وقف نہ ہو اور الا اللہ کے بعد اس سے زیادہ فصل کیا جائے جتنا الٰہ پر سکتہ کیا جاتا ہے مولوی
عبدالغنی صاحب نے حضرت والا سے یہ بھی دریافت کیا کہ حضرت اس ذکر کی کوئی حد بھی ہے
یا ہمیشہ کا قصہ ہے حضرت والا نے فرمایا کہ ہمیشہ اس کے پورا ہونے کا ایک وقت ہوتا ہے اور بتانے
والا ہی اس کو بتلاتا ہے پھر ایسا ذکر کرنے کی ضرورت نہیں رہتی اگر کوئی کچھ نہ کچھ کر لیا کرے
تو وہ اس کی مرضی اور بعض اوقات وقتی ضرورت کے طور پر ہو سکتا ہے پھر تو ایسا ہوتا ہے کہ

آشنا، ذکر میں کسی کو نفل نماز میں سے انس ہو جاتا ہے کسی کو تلاوت قرآن سے کسی کو تعلیم و تعلم سے اور کسی کو کسی اور دینی کام سے کسی کو مفادِ عامہ کے امور سے اور انتظام سیاسی سے کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے اکثر کو اسی سے تھا جس کے ماتحت انہوں نے دنیا میں عدل و انصاف قائم کیا۔ رفاہِ عام کے کاموں کو سر انجام دیا جہاد کئے اور اشاعت و ترویج دین کی۔ گو ہر ایک کا مخصوص رنگ تھوڑا تھوڑا الگ بھی ہوتا تھا پس ذکر جب پورا ہو جاتے تو پھر اعمالِ صالحہ کی کثرت اور نفلی عبادتوں سے کہ ان تمام امور میں فرائض، واجبات اور نفلی درجے کے امور ہوتے ہیں واسطہ رہ جاتا ہے اور وہ حدیث قدسی میں جو آیا ہے کہ میرا بندہ نوافل سے میرے قریب ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس کے ہاتھ ہو جاتا ہوں جن سے وہ کام کرتا ہے پاؤں ہو جاتا ہوں جن سے وہ چلتا ہے آنکھیں ہو جاتا ہوں جن سے وہ دیکھتا ہے او کما قال ؐ۔ ایک مولوی صاحب نے سوال کیا کہ اس سے تو ہمہ اوست والے دلیل پکڑتے ہیں اصل مطلب اس کا کیا ہے اور مولوی عبد الغنی نے یہ سوال کیا کہ یہ اذکار کے مخصوص طرز بزرگوں نے استنباط کئے ہیں یا تجربہ سے ایجاد کئے ہیں یا الہامِ ربانی سے معلوم کئے ہیں دونوں کے سوالات کا حضرت والا نے ایک ہی جواب دیا کہ جب کوئی بندہ اس حدیثِ قدسی کا مصداق ہو جاتا ہے تو پھر جو کچھ اس کے دل میں آتا ہے وہ سب اللہ کی طرف سے ہوتا ہے اور کامل اصلاح کا یہی مطلب ہے باقی وحی سے قائم کردہ شریعت کے خلاف ہو تو وہ خیال قابلِ اعتناء نہیں ہوتا اور وسوسہ نفسانی ہوتا ہے کیونکہ وحی تو وحی ہے جس کے ذریعہ حق و باطل کو واضح کر دیا جاتا ہے اور اصولی امور قائم کئے جاتے ہیں جزئیات کے اخذ کے لیے جزئیات کی مثالیں تک بھی وحی کے ذریعہ واضح کر کے راستہ کھول دیا جاتا ہے آنکھیں کان وغیرہ ہو جانے سے یہی مراد ہے کہ کامل رضا، کامل اصلاح اور خلوص نیت اور کمال فنائیت

حاصل ہو جاتا ہے۔

آج کھانے کے وقت ایک جگہ کے ہیڈ ماسٹر صاحب آئے تھے انہوں نے کسی مولوی صاحب کے وعظ میں ایک بزرگ کی حکایت سنی کہ قیامت میں ان سے سوال ہوا کہ کیا لائے ان کو اپنی توحید پرستی پر ناز تھا سو عرض کر دیا، باری تعالیٰ نے فرمایا کہ ایک دفعہ تم کو درد ہوا تھا تو کہا تھا کہ دودھ پینے سے ہوا تو توحید کیا رہی، جاؤ ان کو جہنم میں ڈال دو، راستہ میں خواجہ احرار نظر آئے انہوں نے فرشتوں کو ٹوکا کہ علامہ جامی کو ادھر کیوں لے جا رہے ہو ماجرہ عرض کیا تو فرمایا جاؤ باری تعالیٰ میں عرض کردو کہ خواجہ احرار نے روک دیا ہے، یہ قصہ سنا کر ماسٹر صاحب نے عرض کیا کہ پھر عامۃ مومنین کی توحید تو بے کار ہوئی۔ حضرت والا نے فرمایا کہ اول تو یہ کسی کو خواب نظر آیا ہے خواب صحیح بھی ہو تو پھر یہ ان کے مرتبہ کے مطابق پکڑ تھی عوام اسکے مکلف نہیں ہیں کیونکہ ایسے الفاظ حدیث سے بھی ثابت ہیں جو کہ حضور نے بھی فرمائے لو تاثرات سے نتائج کو منسوب فرمایا جو بالکل ظاہر اور عام ہے لہٰذا ہم سے انشاء اللہ ایسے معاملات میں گرفت نہ ہوگی تیسرے وہاں نجات عجز سے ہے کوئی عمل اور کمال وہاں ہیچ ہے وہ بھی چلے پھر بھی بیڑا فضل سے پار ہوگا اگر وہاں باریک پیسا گیا تو پھر کون نکل سکتا ہے اس لیے انشاء اللہ ہم سے ایسے سوال نہ ہوں گے نہ ایسی پکڑیں فکر نہ کیجئے مگر اس کا یہ بھی مطلب نہیں کہ عقائد و اعمال سے غفلت اور لاپرواہی برتی جائے۔

۵ر صفر المظفر ۱۳۶۶ھ مطابق ۳۰ر دسمبر ۱۹۴۶ء ڈھڈیاں

عصر کے بعد کی مجلس میں حضرت تھانویؒ کے بارہ میں آخر میں لیگ سے مایوس ہو کر

الگ ہو جانے کا ذکر ہوا نیز الیکشن میں لیگ کے حق میں بیان دینے سے خاموشی اختیار کرنے کو حضرت تھانوی ؒ کے متوسلین کے مناسب سمجھے کا ذکر ہوا لیکن بعد میں حضرت تھانوی ؒ کے نام سے اشتہار بازی لیگ کے حق میں شروع ہوئی تو مولانا عبدالجبار صاحب نے اس اشتہار بازی کے رد میں اعلان شائع کرا دیا تھا اس تذکرہ پر حضرت والا نے فرمایا کہ مولوی عبدالجبار صاحب تو جواب الجواب کا جواب شائع کرانے کو تیار تھے مگر میں نے کہا کہ نہ کوئی سنتا ہے اور نہ کوئی جان کر مانتا ہے اس لیے فضول ہے اس لیے وہ اشاعت سے رک گئے نیز فرمایا کہ حضرت کی زندگی میں مولانا عبدالجبار صاحب جو مولانا تھانوی ؒ کی جماعت دعوۃ الحق کے واحد سرگرم مبلغ تھے وہ لیگ کے جلسوں میں حضرت کے حکم سے تشریف لے جاتے رہے اور وہاں کی دین سے بے اعتنائی بلکہ لیگ کے اعلیٰ طبقہ کی اسلام دشمنی کے حالات کی حضرت کو آکر رپورٹ دیتے تھے تو ایک دفعہ الگ مولانا عبدالجبار کو مولانا شبیر علی صاحب نے ڈانٹا کہ ایسے قصے آکر حضرت کو نہ سنایا کرو چنانچہ اس سلسلہ میں مولانا مولوی عبدالجبار صاحب نے حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب سے مشورہ لیا حضرت شیخ نے مشورہ دیا کہ جانے دو ورنہ کسی ترکیب سے آپ کو حضرت تھانوی کے ہاں سے نکلوا دینے کا خطرہ ہے چنانچہ انہوں نے اس کا خیال رکھا نیز حضرت والا نے فرمایا کہ ایک دفعہ مولانا مولوی شبیر علی صاحب سہارنپور کے مدرسہ کی کمیٹی کے جلسے میں آئے اور بڑی چبا چبا کر باتیں کرنے لگے اور ہم لوگوں سے کہا کہ مدرسہ والوں کو اس سلسلہ میں بحث مباحثہ کر کے ایک طرف کا فیصلہ کر لینا چاہیے تو میں نے کہہ دیا کہ جس طرح آپ حضرات کو کانگرس سے نفرت ہے اسی طرح مجھے لیگ سے نفرت ہے اور حضرت مدنی کا ساتھ نہیں چھوڑا جا سکتا اس لیے اگر ایسا فیصلہ کرنے کا خیال ہو تو میرا استعفیٰ لیجیے اس وقت تو بات رہ گئی دوسری مرتبہ مولانا محمد شفیع صاحب کو

لے کر آئے اور سیر کبیر کہیں سے مل گئی تو گفتگو کرنے لگے میں نے کہا کہ علامہ طوائی کہیں یا سیر کبیر ہم تو حضرت مدنیؒ کا ساتھ چھوڑ نہیں سکتے ان علامہ طوائی اور صاحب سیر کبیر کو کیا خبر تھی کہ کبھی مسلمانوں کو یہاں تک کی پستی حالت میں جانا پڑے گا جو ایسی حالت کے متعلق مسائل ان میں درج کرتے اور ناظم صاحب نے بھی فرمایا کہ یہ کتابوں کی عبارتیں موجودہ حالات پر چسپاں نہیں ہوتیں ناظم صاحب نے یہ بھی فرمایا کہ حضرت شیخ الحدیث صاحب یہاں نہیں کبھی ان کے سامنے اس پر مفصل بحث کر لینا مگر اس کے بعد پھر نوبت نہیں آئی۔

حضرت والا نے ہجرت کے سلسلہ میں فرمایا کہ سنہ [illegible] میں جب ہجرت کی تحریک چلی تو رائے پور حضرت شیخ الہند اور مفتی صاحب تشریف لائے۔ مجمع کی کثرت اور وقت کی کمی کے باعث حضرت شیخ الہند سے تو ذکر نہیں آیا مگر مفتی عزیز الرحمٰن سے میں نے پوچھا کہ واقعی اب جو ہجرت نہ کریں گنہگار ہوں گے جیسا کہ عام طور پر فتویٰ دے دیا گیا ہے مفتی صاحب نے فرمایا کہ واجب تو ہجرت نہیں ہے البتہ زیادہ سے زیادہ مستحسن کہہ سکتے ہیں چونکہ لوگ ہجرت کر رہے تھے اس لیے ان کی دل شکنی نہ ہو یہ فتویٰ دیدیا گیا ہے میں نے عرض کیا کہ مقررین تو اسے فرض واجب کا مرتبہ دیتے ہیں مفتی صاحب نے فرمایا کہ کبھی بات کو مرغوب خاطر بنانے کے لیے مقررین ایسا کیا کرتے ہیں تب میرا خلجان ان دنوں دور ہوا حضرت والا نے یہ بھی فرمایا کہ ہجرت تو عاشقوں کا کام ہے حضرت مدنی کے والد صاحب نے عشق و محبت میں ہجرت کی تھی خود اپنے ہاتھ سے مکان بنایا تھا جو بعد میں برباد ہو گیا تھا اور وہ باہر فرنگ کی رباط سے آ گئے ہیں ترک شعبہ میں زمانہ جنگ سنہ ۱۹۱۶ء میں حضرت مدنی کے والد اور بھائی سب کو پکڑ کر لے گئے تھے کسی کو کہیں پہنچا دیا گیا کسی کو کہیں اور حضرت کے والد کو اڈریانوپل پہنچا دیا تھا حضرت مدنی کے بھائی جب وہاں سے چھوٹ کر آئے تو دوبارہ اس برباد مکان کے کھنڈرمیں رہے اور ایک

جب چوروں نے آپ پر وار کیا تو ایسے خدشات میں وہاں سے باب مجیدی کی طرف ایک جگہ آکر خریدی اور پھر مکان اور مدرسہ کی بنیاد رکھی جب ہم اولاً حج میں گئے تو اس مکان میں رہتے تھے اس میں پچاس ساٹھ حاجیوں کا بخوبی گزر ہو سکتا تھا جب دوسری دفعہ حج میں گئے تو اس مکان کی زیارت کو بھی گئے تو وہ بالکل ٹوٹ پھوٹ چکا تھا گویا کسی نے اس پر ہل چلا دیا ہے۔

حضرت مولانا محمد علی صاحب جالندھری[1] نے واقعہ بیان کیا کہ دو آدمیوں کی دعوت پر ضلع جالندھر میں ایک گاؤں میں تبلیغ اسلام اور تردید مرزائیت کے لیے گئے مگر جس مکان پر ٹھہرایا اس کے مالک کے نام کے بعد احمدی لکھا ہوا تھا وہاں چونکہ کچھ مرزائی تھے مجھے مغرب کے بعد شبہ ہو گیا کہ یہاں ٹھہرانے میں مرزائیوں کی طرف سے میرے ساتھ کوئی شرارت نہ ہو پھر رات کو تردید مرزائیت پر تقریر کرنے سے روکنے میں میزبانوں اور دوسرے مرزائیوں میں صلاح مشورں کی طوالت رہی، اس وقت معاملہ ٹل گیا، صبح کو میں نماز کے بعد ذرا سو گیا کہ پھر جمعہ کی وجہ سے سونے نہ ملے گا لیٹے لیٹے میں ان لوگوں کی باتیں سنتا رہا۔ دو آدمی مرزائیت کے بارہ میں جھگڑنے کے لیے بھی آئے مگر مجھے سویا ہوا خیال کر کے چلے گئے پھر مجھے نیند آگئی تو میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ بہت خوبصورت بزرگ آسمان سے سیدھے زمین پر نازل ہوئے میں نے دریافت کیا کہ آپ کون بزرگ ہیں فرمایا میں عیسیٰ بن مریم ہوں میں نے عرض کیا کہ آپ کے نازل ہونے کا وقت تو ابھی دور ہے آپ پہلے ہی کیوں تشریف لاتے انہوں نے غصے کے لہجہ میں فرمایا کہ جب تم لوگ میری حیات ثابت نہ کرو تو میں خود نہ آؤں تو کیا ہو، میں نے عرض کیا کہ حضرت ناراض نہ ہوں، آپ کی حیات ثابت کرنا تو ہمارے بائیں ہاتھ کا کرتب ہے مزید ثابت کروں گا چنانچہ بیدار ہونے کے بعد میں نے اپنے بلانے والوں پر جو یہاں کے مرزائیوں کے رشتہ دار بھی تھے واضح کر دیا کہ اگر یہاں کے مسلمان بھی تردید کی اجازت نہ دیں گے تو میں بازار میں ہندوؤں سے جلسہ کی جگہ لیکر

---

[1] حضرت مولانا محمد علی صاحب جالندھری سابق صدر مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان

تقریر کروں گا چنانچہ جمعہ کے بعد جامع مسجد میں چار گھنٹے مرزائیت کی امکانی تردید کی۔ ایک مولوی صاحب سے ذکر کیا تو انھوں نے ایک حدیث بیان کی جو مجھے یاد نہیں رہی کہ انبیاء علیہم السلام کی شکل میں خواب میں شیطان دکھائی نہیں دے سکتا۔

اس پر حضرت والا نے فرمایا کہ یہ تنبیہ ہی تھی کہ تقریر سے رکا نہ جائے نیز حضرت والا نے فرمایا میں اس پر یہ ہوں کہ یہ خواب میں خداوند تعالیٰ بحیثیت اپنے اسم ہادی کے یا انسان کے اپنے مربی اسم ہادی کے ہر انسان کا مربی اسم الگ الگ ہے وہ کسی بزرگ کی اگر استعداد اس سے اچھی ہو تو کسی نبی کی شکل میں اور پھر اور زیادہ استعداد اعلیٰ ہو تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل میں خواب میں اور بعض اوقات ویسے ہی جیسے کشف کہہ دیتے ہیں متمثل ہو کر کوئی ہدایت دے جاتا ہے اور یہ بھی ہو جاتا ہوگا کہ وہ بزرگ ہی نظر آجائے آخر جسم خاکی میں لوٹانا نہیں اور نہ روح کے لیے آنا جانا ہوتا ہے کہ حضرت بہاو لنگری علیہ الرحمۃ ان حالات سے بہت گذرے ہوئے تھے اپنے استاد کو دہلی میں ایک حدیث کے متعلق عرض کیا کہ جناب نے جو تقریر اس حدیث میں فرمائی ہے وہ غلط معلوم ہوتی ہے۔ حضرت والا (یعنی شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوری) ابھی اس حدیث کی یہ تقریر کر گئے ہیں۔ استاد سن کر حیران ہوئے اور فرمایا کہ یہ تقریر نہایت لطیف ہے باقی جو میں نے کی تھی غلط وہ بھی نہیں طلباء جو مولانا بہاو لنگری سے پڑھتے تھے ان میں سے ایک صاحب فرماتے تھے کہ حضرت بہاو لنگری ؒ خم ٹھونک کر بیٹھ جاتے اور کہتے تھے کہ سبق میں جو کسی نے پوچھنا ہے پوچھے اور جس علم سے گفتگو کرنی ہے کرلے طلباء حیران تھے کہ اب مولانا کو اتنا علم ایک دم کہاں سے آگیا مولانا کا یہ حال تھا کہ رات کو ذکر میں گذرتی اور مطالعہ دیکھنے کا وقت نہیں ملتا تھا طلباء بھی مستعد تھے مگر حضرت بہاو لنگری باوجود مطالعہ نہ دیکھنے کے پہلے سے زیادہ اعلیٰ اور اچھی تقاریر کرتے تھے خود حضرۃ بہاو لنگری

نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں لکھا تھا کہ حضرت مجھے علوم تو تمام آگئے ہیں حضرت نے فرمایا خدا مبارک کرے مگر یہ رہنے کے نہیں چنانچہ بعد میں ایک دفعہ حضرت بہاولنگری سے میں نے پوچھا تو فرمایا اب وہ علوم نہیں رہے، بعد از عرصہ بسیار ایک دفعہ اس کا ذکر بطور شکایت کے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچایا گیا کہ حضرت پہلے بڑی اچھی حالت تھی اب کچھ نہیں، فرمایا کہ پہلی حالت ہی کچھ نہ تھی حضرت والا نے ایک بات یہ بھی فرمائی کہ حضرت بہاولنگری علیہ الرحمۃ کی بڑی عالی استعداد تھی اور بڑے بڑے حالات آپ پر گذرے ہیں۔ حضرت بہاولنگری علوم میں زمانہ طالبعلمی میں بڑے مستعد طلباء میں سے تھے اور اسی وجہ سے بعض اوقات اساتذہ سے علمی لڑائی بھی ہو جاتی تھی نیز فرمایا کہ حضرت مولانا بہاولنگری رحمہ اللہ نے اخیر زمانہ میں ایک خط لکھا کہ رائے پور میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر جا کر میرا سلام عرض کرو اور عرض کرو کہ بھلوں کو بھلی لاج ہے۔ میں نے ایسا ہی کیا اور سخت گرمیاں نکل جانے پر یہ دریافت کرنے کے لیے گیا کہ یہ کیا بات تھی غالباً کوئی بات حضرت کو پیش آئی ہوگی مگر جب وہاں گیا اور کئی دن رہا بھی تو بالکل پوچھنا یاد نہ رہا آخری دفعہ جب میں وہاں حاضر ہوا تو بڑے خوش ہوئے اور دریافت فرمایا کہ کتنا قیام ہوگا عرض کیا کہ حضرت دس دن فرمایا بہت اچھا مگر دو چار دن بعد ہی مولوی عبدالعزیز صاحب کے بھائی چودھری عبدالمجید خان گستلوی گمتھلہ میں سخت بیمار تھے مولوی عبدالعزیز صاحب کا خط آگیا اور مجھے طلب کر لیا تو مجھے واپس ہونا پڑا میرے آنے کے غالباً تین دن بعد حضرت کا وصال ہو گیا اگر میں دس دن وہاں ٹھہرتا تو حضرت کے جنازے میں شامل ہو جاتا ایک دفعہ خواب میں حضرت بہاولنگری کی زیارت کی عرض کیا کہ حضرت آپ تو انتقال کے بعد تمام حالات سے تجربہ کار ہو گئے ہیں کیا گزری فرمایا کہ جب روح تن سے جدا ہوتی تو میں اپنے آپ کو جدا نہیں پاتا۔

فرمایا کہ حضرت منشی جی صاحب بھی بڑے ذہین تھے ذہنی انتقال آپ کا بہت ہی جلد ہوتا تھا چنانچہ ایک شخص نے دیر تک باتوں میں بڑی محبت کا اظہار کیا آپ نے بعد میں فرمایا کہ سب علی اللسان جب آپ کا زمانہ وصال قریب آیا تو دریافت کرنے پر کہ کب زیارت ہوگی لکھا کہ اب طبیعت سب سے الگ یا فرمایا یکسو ہوگئی ہے یہاں تک کہ مشائخ سے بھی میں نے ملنے پر عرض کیا کہ بڑے طوطا چشم ہو ہم کو یہاں چھوڑ کر آپ عالم بالا کی طرف تشریف لے جا رہے ہو فرمایا کہ تیرا تو کبھی کبھی کچھ خیال آجاتا ہے جی میں تھا کہ پھر جلد زیارت ہوگی مگر پھر حضرت کی خدمت میں ایسی حالت میں حاضری ہوئی کہ فالج پڑ چکا تھا بات بھی نہ کر سکتے تھے۔

---

۷ صفر المظفر ۱۳۶۶ھ مطابق یکم جنوری ۱۹۴۷ء ۔ ڈھڈیاں

حضرت والا کی خدمت میں چند حضرات نے مولوی عبدالکریم[1] صاحب کے متعلق ذکر کیا کہ وہ کہتے ہیں کہ آپ کے حکم سے درس میں لگ گئے ہیں حالانکہ خوش الحان اور جاذبیت کے آدمی ہیں ہمارا خیال ہے کہ وہ شہید ملت مولانا مولوی گل شیر[2] صاحب کے جانشین بن کر احرار کا پروپیگنڈہ کیا کریں۔ درس تو اور بھی جاری رکھ سکیں گے حضرت والا نے فرمایا کہ انہوں نے

---

[1] مولانا عبدالکریم صاحب شاہپوری مرحوم

[2] مولانا گل شیر شہیدؒ ملوالی ضلع اٹک کے رہنے والے تھے بہت خوش الحان تھے وعظ میں بہت تاثیر تھی ان کے وعظ سے بہت لوگ تائب ہو کر جرائم کی زندگی ترک کرتے تھے یہاں تک کہ بہت سے ہندو آپ کے وعظ سے مسلمان ہوئے، مجلس احرار اسلام میں شامل ہو کر انگریزوں کے خلاف کام شروع کر دیا تھا۔ ۱۹۴۲ء میں رات کو گھر میں آرام فرما رہے تھے کہ کسی نے بندوق سے فائر کر کے شہید کر دیا۔ (مرتب)

مجھ سے دریافت کیا تھا تو میں نے درس کے لیے کہہ دیا، میں تو نہیں روکتا وہ چاہیں تو یہ کام کرنے لگیں دین کا کام ہی کرنا ہے جس سے بھی مناسبت ہو اور بن آئے کر لیا جائے ان حضرات میں ایک نوجوان عبدالرؤف صاحب جن کو ساتھی مولوی عبدالرؤف کہتے تھے تشریف فرما تھے جو کہ تیرھویں جماعت میں سرگودھا میں پڑھتے تھے اسی کالج میں ان کے والد مولانا مولوی حبیب[؟] صاحب پروفیسر تھے حضرت والا نے جب یہ سنا کہ یہ نوجوان عبدالرؤف تیرھویں جماعت میں ہے تو فرمایا کہ اب یہ تو ملازمت میں جانے کی تیاری کر ہی چکے ہیں۔ اور انگریزی تعلیم کے جو نتائج قوم اور افراد قوم کے حق میں نکل رہے ہیں وہ مختصر سادہ مگر موثر انداز میں بیان فرمائے۔ لڑکے نے کہا کہ حضرت تعلیم حاصل کرنے میں میرا کوئی قصور نہیں یہ تو والد صاحب کا ہے، حضرت والا نے فرمایا ہاں یہ تو درست ہے مگر جو کچھ بھی ہے اب آپ تو آج نہیں کل جب اس تعلیم میں ہیں تو حالات سے گھر کر لیگ میں ہی ٹھکانا بنانے پر مجبور ہو جائیں گے۔ لڑکے نے کہا کہ حضرت آپ اگر میرے والد صاحب کو تحریر فرما دیں تو میں اب بھی انگریزی تعلیم چھوڑنے کو تیار ہوں۔ حضرت والا نے فرمایا کہ اب نہیں اب وہ مقام جہاں چھوڑنے کی گنجائش تھی دور نکل گیا اور اس کا واپس آنا مشکل ہے اب تم یہ نیت کر لو کہ پڑھنے کے بعد تم تبلیغ اور دینی خدمت کرو گے تو یہ پڑھنا کچھ ٹھکانے لگ جائے گا اس نے جس طرح کوئی شخص بڑا بوجھ اتار دیتا ہے ایسا محسوس کیا اور عرض کیا کہ انشاء اللہ ایسا ہی کروں گا۔ مولانا حبیب الرحمٰن نے کہا کہ ساتھ ہی یہ بھی خیال رکھنا کہ زندگی سادہ رہے ورنہ باوجود ایسی نیت کے بڑھے ہوئے اخراجات کی مجبوریاں آپ کو ملازمت کی طرف کھینچ لے جائیں گی۔ حضرت والا نے تائید میں فرمایا کہ بھائی مولوی صاحب ٹھیک فرماتے ہیں تباؤ تم چائے تو نہیں پیتے ہو لڑکے نے عرض کیا کہ حضرت نہیں پیتا۔ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے ساتھ ہی یہ کہا کہ شادی نہیں ہوئی تو سوچ کر کرنا ورنہ اس راستے

سے بھی ملازمت کے دروازہ پر پہنچا دیا جاتا ہے حضرت والا نے تائید میں فرمایا کہ ہاں اگر بڑی جگہ شادی ہو گئی تو بیگم صاحبہ ایسی ایسی فرمائشیں کیا کریں گی کہ ان کا پورا کرنا بغیر ملازمت کے نہ ہو سکے گا۔ حضرت والا نے اس نوجوان سے دریافت فرمایا کہ اچھا کچھ عربی بھی پڑھی ہے لڑکے نے جواب دیا جی حضرت پڑھی ہے، حضرت والا نے فرمایا خیر پھر یہ نیت کر کے اب تو بی۔ اے کم از کم کر ہی لو کہ تبلیغ کرو گے نیز فرمایا کہ عبدالوہابؒ ہے تو بی اے سا مگر خوب تبلیغ میں دلچسپی لے رہا ہے ملازمت ترک کر دی ہے اتنا سادہ ہے کہ لوگ پڑھا ہوا بھی نہیں سمجھتے مگر بعض اوقات تبلیغ میں جہاں ضرورت پڑے تو جب انگریزی بولنے لگتا ہے اور لوگ سنتے ہیں کہ بولتا ہے تبلیغ کے لیے نوکری چھوڑے پھرتا ہے تو پھر بڑی توجہ سے بات سنتے اور اثر بھی لیتے ہیں۔

---

۸ صفر المظفر ۱۳۶۶ھ مطابق ۲ جنوری ۱۹۴۷ء ڈھڈیاں

حضرت والا کی خدمت میں ایک صاحب کا ذکر ہوا کہ اس نے دنیا کمانے کے زاویہ نگاہ سے بڑی کامیاب زندگی گزار دی اور پسماندگان کے لیے معقول سکنی، زرعی اور نقدی مہیا کر گیا ہے مگر سو سالہ پیرانہ سالی کے باوجود حرص دن دونی رات چوگنی ترقی پر ہے اس پر حضرت والا نے فرمایا کہ ان کو الزام نہ دو انسان کا قاعدہ ہے کہ جو کام زندگی بھر کرے بڑھاپے میں وہی خیالات گھومتے ہیں اور حرص تو حدیث میں آیا ہے کہ بڑھاپے میں جوان ہو جاتی ہے بشرطیکہ جوانی اور شروع عمر میں اس کا علاج نہ کر دیا جائے، اخلاق میں سے حرص کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ

ؒ حاجی عبدالوہاب صاحب جو آجکل تبلیغی جماعت پاکستان کے امیر ہیں انہیں بھائی عبدالوہاب کے نام سے یاد کیا جاتا ہے ملحقہ ضلع کرنال کے راجپوت گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں حضرت اقدسؒ سے بیعت ہیں (مرتب)

اس کو جوانی میں قابو نہ کر لیا جائے تو بڑھاپے میں بڑھتی ہے کیونکہ حرص کا کوئی خاتمہ نہیں ہوتا۔

۹ر صفر المظفر ۱۳۶۶ھ مطابق ۴ر جنوری ۱۹۴۷ء ڈھڈیاں

حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے محبت کے بارہ میں سوال کیا تو حضرت والا نے فرمایا کہ دنیا میں ہر شخص کی طبیعت کے مطابق محبت مختلف صورتیں اختیار کرتی ہے دیکھو کسی کو تجارت کرنے میں ذوق ہے کسی میں زراعت کا شوق ہے کسی پر صنعت و حرفت میں ترقی کرنے کے جذبات غالب ہیں اور روپیہ کمانے کی محبت نے یہ مختلف صورتیں اختیار کر رکھی ہیں حبِ مال کے علاوہ جس کو حبِ جاہ ہے وہ کہتا ہے کہ مال تو خرچ کرنے کے لیے ہی ہوتا ہے وہ جاہ کے کاموں کو ترجیح دیتا ہے اور مال کو جاہ کی محبت میں قربان کرنا ایک کھیل سمجھتا ہے پھر ان میں سے کسی کو کسی سے عام عشق ہو جائے تو وہ مال و جاہ کو بالائے طاق رکھ کر محبوب کے وصال کے لیے جان تک کی بازی لگا دیتا ہے اور جان سے زیادہ عزیز مال و جاہ کو بھی خیرباد کہہ دیتا ہے پھر اس میں اس کو وصال سے پہلے جو بے کلی ہوتی ہے اس کو رفع کرنے کے لیے محبوب کو اگر پالے لپٹاتا ہے اور چاہتا ہے کہ ہم دونوں ایسے ایک ہو جائیں کہ کوئی حجاب درمیان میں نہ رہے اس میں بھی ہر ایک کی پرواز خیال اور صلاحیت و استعداد مختلف ہوتی ہے کوئی کسی مرحلہ پر سکون محسوس کرتا ہے کوئی کسی پر مگر چونکہ یہ فانی چیزوں کے عشق میں کمالِ اتحاد اور پھر اس کے زوال کا عدم معدوم و محال ہے اس لیے اس کے بعد بھی حقیقی سکون حاصل نہیں ہوتا مگر خدا تعالیٰ کی محبت جو ایک ذوقی شے ہے اس میں جہاں تک اس کی استعداد ہوتی ہے جب تک نہ پہنچ لے تو شوق اور سوز رہتا ہے پھر جب وصال ہو

جلائے تو سکون و اطمینان ہو جاتا ہے جیسے دنیا میں بھی اس کی مثال آپکی اگرچہ مثال مثال ہے اور اس سے زیادہ کا بیان محال ہے کہ ذوقی شئے ہے اگر دنیا میں بھی لوگوں کو اس کا تجربہ اور وجدان نہ ہوتا تو مثال دشوار ہوتی تو وہاں بھی مثال مثال کی ہی حیثیت رکھتی ہے پس یہ کوئی تجربہ اور عام قاعدہ کے باہر کی شئے نہیں ہے وہی جذبات ہیں جن کا رُخ موڑنا ہوتا ہے۔

---

۱۰ صفر المظفر ۱۳۶۶ھ مطابق ۴ جنوری ۱۹۴۷ء ڈھڈیاں

مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے عرض کیا حضرت خیال آیا کرتا ہے کہ انسان جو اپنے شہواتی جذبات کو غیر محل سے روک کر صحیح محل میں صرف کرتا ہے تو اس روک کے مجاہدہ پہ جو ثمرہ مرتب ہوتا ہے وہ جنت کی حوریں ہیں، حضرت والا نے فرمایا کہ ہاں یہ بھی درست ہے بات یہ ہے کہ عام مومنین کی جو خواہشات یہاں پوری نہیں ہوئیں اور شریعت کے پاس کی وجہ سے ان کو پورا کرنے یا کسی اور وجہ سے عدم استطاعت کے باعث ان کو پورا کرنے کا موقعہ نہیں ملا وہ جنت میں پوری کر دی جائیں گی اگر ان کا استعمال یہاں رہا ہے تو انکی حرص اور طلب کرتی ہے مگر وہاں کا یہ خاصا ہوگا کہ ایسی نعمتوں کے ملنے سے بھی وہاں ترقی ہو گی۔ یعنی دل ان سے نکل کر تربیت پاتا ہوا ایسی حالت کو پہنچ جائے گا کہ سوا رؤیت باری تعالیٰ کے اور کوئی چیز ایسی نہ ہوگی جس سے لذت پائے جیسے یہاں بھی لڑکپن کے محبوب کھیل حالت بدلنے پر ایسے ہو جاتے ہیں کہ اور بڑی قسم کی لذتیں اس محبوب کھیل کی لذت کو بالکل ہیچ کر دیتی ہیں بلکہ اس سے دل آشنا دور ہو جاتا ہے کہ اس میں نام کی لذت بھی محسوس نہیں ہوتی۔ حدیث شریف میں رؤیت باری کے متعلق آتا ہے کہ اس کی لذت جنت کی تمام لذتوں کو ہیچ کر دے

گی نیز فرمایا یہاں بھی ایک لذت دوسری کو فنا کرتی ہے اور بڑا بننے کی لذت اور سب کو فنا کر دیتی ہے اور خدا کو منظور ہو اس کا فضل ہو تو اس کے مٹ جانے کے بھی سامان پیدا ہو جاتے ہیں۔

---

۱۱ صفر المظفر ۱۳۶۶ھ مطابق ۵ جنوری ۱۹۴۷ء ڈھڈیاں

عصر کے بعد کی مجلس میں حضرت کے بچپن کے ساتھی امام دین[1] صاحب سے حضرت والا نے فرمایا کہ بھتیجے وہ بھی یاد ہے جب تم اور میں پڑھنے کے لیے کھیوڑے کو چلے مگر چکرام داس جا کر آپ کے والد صاحب نے آپ کو روک لیا کہ مجھے پڑھانے کی ضرورت نہیں زمین سے کھانے پینے کی کمی نہیں پھر پڑھا کر کیا کرنا ہے اور میں کھیوڑے چلا گیا۔ اور حضرت والا نے امام دین صاحب کے والد کی انہی سے سنی ہوئی حکایت سنائی کہ بچپن میں وہ گھر سے بھاگ گئے تھے کراچی پہنچے وہاں سے بادبانی جہازوں میں سوار ہو کر آگے جا اترے اور جوناگڑھ کی ریاست میں پہنچ گئے ولی عہد تک رسائی ہو گئی آدمی ذہین تھے نواب جوناگڑھ کے منہ چڑھے مصاحب بن گئے یہاں تک اثر و رسوخ پیدا کیا کہ نواب اپنی صاحبزادی سے نکاح کرنے کو تیار ہو گیا۔ مگر نواب پر ایک زد پڑی اور اس کے منہ بولے مصاحبوں کو بھی بیک بینی و دو گوش ریاست سے بھاگنا پڑا اور جب واپس آئے تو اگرچہ گھر آنے کو جی نہیں چاہتا تھا مگر مجبوراً اسی راستہ گھر پہنچے پاس صرف پانچ سو روپیہ کے قریب رہ گئے تھے ان کی زمین خریدی حضرت والا نے امام دین سے فرمایا کہ بھتیجے تمہاری والدہ کی شادی کا مجھے ہوش ہے اور تم جب پیدا

---

[1] مولانا عبد الرحمٰن صاحب کے والد حافظ امام الدین صاحب مرحوم

ہوئے تو میں کھیلو لیے تھا جب آیا تو ننھا سا بچہ تم کو مجھے دکھایا گیا اور پھر بڑے ہو کر ہم ساتھ کھیلے۔ جناب امام دین صاحب نے کہا کہ حضرت وہ دن یاد ہیں جب ہم دونوں مویشی چرایا کرتے تھے فرمایا خوب یاد ہے آپ کے والد کو پڑھانے کی ضرورت محسوس نہ ہوئی اور میرے والد صاحب پڑھانے کے شوقین تھے خواہ میں کتنا جفا کشی سے گھر کا کام کاج کرتا مگر والد صاحب مرحوم سرد آہیں بھرا کرتے کہ یہ پڑھنے کیوں نہیں جاتا اور مجھے کبھی گھر میں چین سے نہ رہنے دیا پڑھنے بھیجتے تھے پھر کنواں بھی دریا برد ہو گیا مگر اللہ کا شکر ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو پھر اللہ کا یہ فضل جو آج ہوا مجھ پر کیسے ہوتا۔ فرمایا کہ امام دین صاحب کے والد صاحب کو چونکہ وہ بہت پھرتے رہتے تھے کئی دفعہ فقیروں سے واسطہ پڑا ایک دفعہ لڑکپن میں ہی بھاگ کر ایک درویش کے ڈیرے پر جا کر رات کاٹی۔ دن میں وہاں بہت جمگھٹا جمع ہوتے تھے اور وہ فقیر بھی اپنی مجلس میں لوگوں کے ساتھ عامیانہ گالی گلوچ میں مشغول رہتا۔ مگر رات کو وہاں کسی کو ٹھہرنے نہ دیتا۔ امام دین کے والد کی ٹھہرنے کی چونکہ کوئی جگہ نہ تھی اس کو ٹھہرالیا اور کپڑا اوڑھنے کو دیا رات کو اپنی چوٹی ایک دیوار میں گڑھی ہوئی مضبوط کھونٹی سے باندھ دی اور کلمہ شریف یعنی نفی اثبات کا ذکر شروع کر دیا وہ بظاہر سوئے ہوئے تھے مگر کپڑے میں سے دیکھ رہے تھے چونکہ اوپری اجاڑ جگہ تھی نیند باوجود تھکے ہوئے ابھی نہ آئی تھی دیکھا کہ لا الٰہ کہنے سے اس فقیر کے تمام جسم کا جوڑ جوڑ الگ ہو کر گر جاتا اور کھونٹی میں صرف سر لٹکتا رہ جاتا اور الا اللہ پر جسم پھر سالم ہو جاتا۔ وہ فقیر ان کو رکھنا چاہتے تھے مگر یہ ماجرا ایسا تھا کہ وہ ڈر گئے اور اگلے روز وہاں سے چلتے بنے مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے عرض کیا کہ یہ کیا ماجرا تھا حضرت والا نے فرمایا کہ بعض طبیعتیں ہوتی ہیں ان کو ذکر نفی اثبات میں یہ ہو جاتا ہے کہ سب کی نفی ہو جاتی ہے اور جوڑ الگ الگ ہو کر گر جاتے ہیں۔ نفی پر

الگ الگ اور اثبات پر پھر سب اعضاء جڑ جاتے ہیں مولانا نے عرض کیا کہ یہ حقیقتاً ہوتا ہے یا ایسا نظر آتا ہے، فرمایا کہ واقعۃً ہوجاتا ہے مولانا نے عرض کیا اس سے تو خون نکل جائے اور وہ شخص جریان خون کے باعث مرجائے، فرمایا کہ خون پر بھی نفی کا اثر پڑتا ہے اور نفی کے وقت وہ سب چیزیں فنا اور اثبات پر ثابت ہو جاتی ہیں۔

ضلع شاہ پور کے رہنے والے ایک صاحب نے حضرت کی خدمت میں بیان کیا کہ ملک خضر حیات نے اپنا گیہوں کنٹرول نرخ سے زیادہ یعنی چودہ روپیہ من ہندو تاجروں کو بیچ دیا ہے اور وہ بیس روپے من عام طور پر بلیک کرکے کھانے والوں کو دیتے ہیں، حضرت والا نے فرمایا کہ یہ سُنا تو کسی دن پہلے بھی تھا مگر جی باور نہیں کرتا تھا کہ وزیر اعظم ایسا کرسکتا ہے کہ پھر تو اندھیر مچ جائے مگر اب آپ وہاں کے رہنے والے اور پورے واقف بتاتے ہیں تو حیرت ہوتی ہے، ظفر ندیم صاحب نے اس کی تصدیق کی کہ واقعی ایسا ہوا ہے اور یہ عام بات ہے جو وہاں کے لوگوں کو بھی معلوم ہے اور اخبار ملاپ میں بھی یہ خبر شائع ہوچکی ہے۔ حضرت والا نے فرمایا کہ جب اتنی ذمہ داری والے لوگ ایسا کر رہے ہیں تو ملک کی انتظامی بیل کیسے منڈھے چڑھے گی مجھے تو اس کا یقین نہیں آتا تھا مگر آپ سے سن کر حیرت ہوتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ یہ زمیندار لوگ عام طور پر ہر جگہ کے خود غرض اور جابر و ظالم ہیں خواہ یوپی ہو یا پنجاب۔

---

۱۲ صفر المظفر ۱۳۶۶ھ مطابق ۶ جنوری ۱۹۴۷ء ڈھڈیاں

مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے عرض کیا کہ ایک عشق کی موجودگی میں دوسرے عشق

کا گزر کیسے ہو سکتا ہے فرمایا کہ جس طرح بچپن میں کھیل کود سے عشق ہو تو وقت آنے پر وہ خود چلا جاتا ہے اسی طرح بعض محبتیں بعض حالات پیدا ہونے پر خود رفع ہو جاتی ہیں عرض کیا گیا کہ بچپن کی مرغوبات خاصہ کا زوال بچپن کے زائل ہونے سے طبعی طور پر لازم آگیا کہ بچپن کا جانا ایک طبعی امر ہے تو یہاں یہ کیسے چسپاں ہوا۔ فرمایا کہ انسان کی محبتوں کا باری تعالیٰ کی طرف لوٹنا ایک طبعی امر ہے تو جب ان محبتوں کا رُخ ماسوا کی طرف ہو گا وہ گویا غیر طبعی حالت ہے جس کے لیے کچھ تھوڑا سا کرنے سے حالت طبعی امر کی طرف کو لوٹتی ہے اور کرنا گویا اس مد میں عوارض اور غیر طبعی دباؤ کا علمی طور پر اور ہمت و کوشش کے ذریعہ دور کرنا ہی تو ہے کہ فضل ایزدی شامل حال ہو تو اس میں اگرچہ پہلے حالات کے رسوخ کے اعتبار سے کچھ دقت پڑتی ہے مگر طبعی بات ہے کہ اس رسوخ کے مقابلہ میں بہت کم سعی کرنے سے ہی حالت رو باصلاح ہو کر معتد بہ ازالہ ہو جاتا ہے تربیت مشکل بہت ہے اگر بچپن سے اچھی تربیت میسر آ جائے تو کام کچھ بھی دشوار نہیں گویا اس طرح ہے جس طرح طبعاً بچپن سے لڑکپن اور دوسرے مراحل زندگی بے تکلف آ جاتے ہیں مگر طبیعت کا فقدان جس حیثیت مشکلات کا باعث ہو جاتا ہے اور یہ فضل ایزدی ہے کہ ایک نیک کام دس گنا اور اس سے بھی زیادہ ثواب ہو ملتا ہے یا نیکیاں لکھی جاتی ہیں تو گویا وہ برائی جتنی راسخ ہوتی ہے اس کے لیے جتنی عام قاعدہ میں مشقت مطلوب تھی اس سے دس گنا کم مشقت محض فضل سے کفایت کرے گی اور فرمایا کہ دراصل نیک صحبت اختیار کرنا ضروری ہے اور بیعت اس کا ایک طریقہ ہے جب تک کثرت سے صحبت نہ اٹھائی جائے نفع کچھ نہیں ہوتا رسمی بات جو دیکھتے ہو پیدا ہو جاتی ہے کہ پیر صاحب نے سوچا کہ ہمارا ایک روپیہ نذرانہ ٹھہرا ہو گیا اور مریدوں نے سمجھا کہ ہمارے پیر ہیں اور نفع جو چاہتے ہیں اس طرح صحبت اٹھائے بغیر نہیں ہوتا اور کسی بد عقیدہ

سے تعلق ہو جائے تو اسی کا اثر آجاتا ہے۔

---

۱۴ صفر المظفر ۱۳۶۶ھ مطابق ۸ جنوری ۱۹۴۷ء ڈھڈیاں

صبح کی مجلس میں حضرت والا مولانا مولوی عطا محمد صاحب سے باتیں کر رہے تھے اور سعدی کے مشہور شعر کے " سعدی بشو لوحِ دل از نقش غیر حق " کی تشریح فرما رہے تھے کہ انسان کو تمام دنیاوی بلکہ دینی علوم سے بھی اپنے دل کو صاف کرنے کی جستجو کرنی چاہیئے کہ جہاں تک ممکن ہو ما سوا کا وہم مٹانے کی کوشش کرے پھر جو علوم حق نما ہوتے ہیں وہ القیان کی راہ سے خود آجاتے ہیں اور جتنے خدا کو منظور ہوں آتے ہیں اور مستہلکین تو پھر ادھر کو چلے جاتے ہیں باقی جن سے خدا نے کام لینا ہو ان کو اس عروج کے بعد نزول ہوتا ہے۔ خواہ قرآن سے لگاؤ سے یا الہام کی استعداد ہو تو الہام سے خدا تعالیٰ جو کام لینا چاہے اس کی طرف کا میلان پیدا فرما دیتے ہیں وہی وقت اصل تبلیغ کا میرے نزدیک ہے ورنہ اس سے پہلے نفس کا حصہ ہوتا ہے امام غزالی علیہ الرحمۃ نے خود تحریر فرمایا کہ میں بغداد کے مشہور مدرسہ نظامیہ میں درس دیتا تھا اور چونکہ ابتداء سے ایک تلاش اور کھٹک تھی اس لیے غالباً دس سال بعد اس خیال نے زور پکڑا کہ یہ تو نفس کا حصہ ساتھ ہے اس کا ازالہ کرنا چاہیے جس فقیہ اور صاحب علم و فضل سے مشورہ لیا سب نے اس کام میں لگے رہنے کا مشورہ دیا مگر آخر دل کے فتویٰ پر عمل کیا اور سب چھوڑ چھاڑ کر غالباً بیت المقدس کے کسی حجرہ میں کامل تنہائی اختیار کی۔ پھر دیکھا جو دیکھا سنا جو سنا۔ پھر حق تعالیٰ نے بعض اور لوگوں کو جو اس کے اہل تھے، میرے متعلق مبشرات کے ذریعے میری رہنمائی کے لیے اشارہ فرمایا۔ خود مجھے بھی اور بادشاہ

اسلام کو کہ بدھ مذہب ماحول ہو گیا تھا تصانیف کے ذریعہ اس کی اصلاح کی جائے۔ چنانچہ بارہا کے مبشرات نور البلات کی بناء پر جب ادھر سے یہ کام سونپا گیا تو شروع کیا۔ دیکھو پھر اس سے کتنا نفع مخلوق الٰہی کو ہوا وہ ظاہر ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ ایک مصلح من عامہ یا اور کوئی مفاد عامہ کا کام ایک شخص از خود کرتا ہے تو حکومت اس کی قدر کرتی ہے لہٰذا اس سے خوش بھی ہوتی ہے۔ مگر ایک شخص کو اس کام پر مامور کرتی ہے تو اس کے لیے جو مدد حکومت کرتی ہے وہ اور ہوتی ہے اور اس پر جو رضا مرتب ہوتی ہے وہ بھی اور ہوتی ہے۔ یہی حال پہلی اور پچھلی تبلیغ اور دینی کاموں کا ہے۔ ہر کام جس کی شرع میں جس درجہ کی تاکید و ترغیب ہو وہ موجب رضا تو ہے مگر حکومت کو دلی عندیہ سے پوری واقفیت نہیں ہو سکتی۔ یہاں اگر نفس کے اندر مذموم جذبے ملے ہوں تو اتنا ہی اس کی حیثیت کم ہو جائے گی۔ ہاں نفع اور راہمیت سے خالی نہ ہوگا۔ مگر جب کسی کو وہ خود اہل سمجھ کر اور ضرورت کے مطابق سامان تائید کے ساتھ مامور فرمائیں گے تو اس سے جو رضا اور انعام اور کامیابی مرتب ہو گی وہ اور ہو گی۔

---

۱۵ صفر ۱۳۶۶ھ مطابق ۹ جنوری ۱۹۴۷ء مقام ڈھوڈیاں

مولانا مولوی عطا محمد صاحب نے حضرت والا کی خدمت میں عرض کیا۔ حضرت تھانوی علیہ الرحمۃ نے تحریر فرمایا ہے کہ آجکل قویٰ کمزور ہیں۔ اس لیے پڑھنے پڑھانے میں پہلے لوگوں کی اندھا دھند ریس نہ کیا کرو تو حضرت والا نے فرمایا کہ ہاں قویٰ کی کمزوری تو ہے مگر ہماری پستی کی وجہ قویٰ کی کمزوریوں سے زیادہ عشق کا فقدان ہے عشق کمزوریوں کی تلافی کر دیا کرتا ہے حضرت حافظ یوسف صاحب مرحوم جو جنگ طرابلس وغیرہ میں ہندی طبی وفد میں ترکی کی مدد کو گئے تھے فرماتے تھے کہ انور پاشا ایسے کام کر جاتا تھا جو عام عادات و قوت سے مافوق معلوم دیتے تھے

مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے عرض کیا کہ حضرت عشق کے فقدان میں بھی قویٰ کی کمزوری کو
کچھ دخل ہے فرمایا کہ ہاں دخل تو ایک بڑی حد تک ہوتا ہے مگر عشق ہو تو قویٰ کی کمزوری کی
تلافی ہو جایا کرتی ہے اور عشق ویسے بھی ہوتا ہے تمام تر قویٰ کی قوت پر ہی منحصر نہیں اھ فرمایا
کہ علماء کے لیے کام کا بے حد میدان ہے مگر ان میں عشق کا رنگ نہیں، عرض کیا گیا کہ حضرت عشق
کا رنگ تو ہے ہی مگر افلاس کا ڈر تو ہے جب کام کرنا چاہتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ طلباء نادار ہوں تو
دین پڑھائیں۔ نیز اہل و عیال کی پرورش واجب اگر اس میں کوتاہی کریں تو گنہگار بھی ہوں اور
جس کے اہل و عیال نہ ہوں اس کو کم از کم اپنے لیے قوت لایموت تو ضروری ہے کہ انسان
کو آخر اس سے چارہ کار نہیں ہے اور جان کی حفاظت فرض ہے اور کوتاہی گناہ۔ فرمایا کہ علماء اگر
اشاعت دین میں کوتاہی کریں وہ بھی تو گناہ ہے آخر حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین
کو بھی دقتیں پیش آئیں انہوں نے سوا اصحابِ صفہ کے معاشی کاروبار میں حصہ بھی لیا مگر
دینی کام کو مقدم اور حاوی رکھتے ہوئے کہ کام کاج زندگی کا ضمیمہ تھا دین کا ضمیمہ نہیں تھا،
ایک مولوی صاحب کی زبان سے یہ بھی نکل گیا کہ کمائے بغیر تو اسے کوئی لڑکی نہیں دیتا۔ مولوی عطاء محمد
صاحب نے ان کو جواب میں فرمایا کہ شادی نہ کرے روزے رکھ لے، حضرت والا نے
فرمایا کہ ہاں کسی بزرگ سے کسی نے کہا کہ حضرت آپ شادی نہیں کرتے کہ سنت ہے فرمایا
کہ بھائی ہر کام کا وقت ہوتا ہے خدا کو منظور ہو گا تو اپنے وقت پر شادی بھی ہو جائے گی،
یہ ضروری نہیں ہوتا کہ ہر سنت کو ہر وقت ادا کرتے ہی رہنا بھی سنت ہے آخر حضور صلی اللہ
علیہ وسلم کی بھی تو ایک زمانہ تھا کہ شادی نہ ہوئی تھی ایک دور تھا کہ گھر سے ساتھ لے کر مدینہ
کو نہیں چلے اور ایک دور تھا کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ حکم الٰہی کے ماتحت دین کو مقدم کرنے والی

زندگی پر اگر زیب و زینت کو ترجیح دیں قرآن کو چھوڑ دیا جائے یہ سورہ احزاب میں ہے۔ اور پھر تورپہ وغیرہ کرکے اگر اہل وعیال ہوں قرآن کو بھلاتا چلا جاتا ہے میں نے ہمیشہ ایسا ہی کیا کہ اب آتا ہوں اتنے دنوں تک آجاؤں گا۔ مولوی عطاء محمد صاحب نے عرض کیا کہ حضرت جب نکاح ہو جائے تو نان نفقہ تو واجب ہے حضرت والا نے فرمایا کہ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ تو بیان کر ہی دیا باقی دوسرے زاویہ سے دیکھو تو آنکھ کی اوٹ پہاڑ ہے قرآن پاک میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے آتا ہے کہ دین پر جما رہ اور اپنے اہل وعیال کو جمائے رکھ اور بعد میں فرمایا ہے کہ لا نسئلك رزقا اور فرمایا وفی السماء رزقکم۔ آخر یہ سب کچھ جو ان حضرات علماء کرام نے پڑھا ہے یہ کلام ہے کہ جس پر بعض اعتراض علماء نے کیے مگر حضرت والا حکم ٹھونک کر سب کا جواب دیتے رہے ہیں نیز فرمایا کہ مظاہر علوم میں تو مجھے معلوم ہے کہ اساتذہ اس کا عمل پڑھائی کے ساتھ ساتھ فرماتے رہتے ہیں خصوصاً شیخ الحدیث صاحب کو اس کا بڑا اہتمام ہوتا ہے مگر وہاں طلباء سنتے اور سمجھتے نہیں ورنہ تقدیر پر ایمان اور توکل کا بیان ہونا کس لیے ہے فرمایا کہ تبلیغ کیوں نہیں کرتے خصوصاً حضرت دہلویؒ کے طرز سے تبلیغ کریں پھر دیکھیں مگر پھر بھی پر مٹنے کا ارادہ کر کے کیا جائے تو کامیابی ہوتی ہے اور یہی چیز اساتذہ اور مشائخ سے سیکھی جاتی ہے نہ تو زبان ہے نہ دل سے خدا کے سوا کسی سے سوال کریں یا توقع رکھیں اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے حالات پر غور کریں گے بلکہ بزرگوں کے حالات پر بھی غور کریں گے تو راستہ اور میدان ملے گا مگر یہ سب عقیدہ تقدیر اور توکل اور ایثار و قربانی پر فراموش کر دیا جاتا ہے اور سچ تو یہ ہے کہ حاصل کرنے کی طرف زمانہ تعلیم میں توجہ بھی نہیں کرتے جس کی وجہ سے بعد میں بھٹکتے پھرتے ہیں فرمایا کہ حضرت دہلویؒ کو اتنا کہا گیا اور خواص تک نے کہا مگر انہوں نے فرمایا کہ میں جس چیز کا مشاہدہ کر رہا ہوں اب

اس میں کسی کی کیسے مانوں اور بعض وقت چپ ہو جاتے مگر تھوڑی دیر میں سن کر پھر جوش میں فرماتے کہ مجھے تو شرح صدر ہو گیا ہے۔ یہ سب عشق کے کرشمے تھے اور یہ تھا کہ اس علاقہ میں جہاں کے لوگ دین سے قطعاً اور کلیتاً ناواقف تھے یعنی میوات میں جس کے حالات سرکاری کاغذات میں جو تھے وہ حضرت کی سوانح میں سید علی میاں نے نقل کر دیئے ہیں حضرت نے اتنا کام کر دیا کہ اب ایک صدی بھی وہاں کوئی باہر سے نہ جائے اور وہاں کے ادارے شست پڑ جائیں تو اسلام سے وہ لوگ منحرف ہو کر کسی دوسرے دین کی طرف مائل نہیں ہو سکتے ایک دفعہ وہاں بہت سالوں کا قصہ ہے اپنے پیر حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کو بلایا تو حضرت شیخ الحدیث بھی ساتھ تھے مجھے بھی ساتھ لے لیا ——— اور حضرت شیخ نے بلا بتلائے قرض لے کر چپکے چپکے سفر پر خرچ کیا اور وہاں بھی جا کر حضرت دہلوی نہ تو کھانے پینے کا چنداں اہتمام کرتے تھے بلکہ ہر وقت کام میں لگے رہتے تھے اگر کام کے وقت کوئی کھانے کا تذکرہ کہہ دیتا تھا کہ حضرت مہمان ہیں کھانا کھالو وقت ہو گیا تو فرماتے کام ہو رہا ہو تو کھانے کے لیے مت ٹوکو۔ ایک دفعہ حضرت دہلوی بیمار تھے تو تقریر کے لیے مولانا زکریا قدوسی مدظلہ کو بلایا اور یہ میں نے مولانا زکریا قدوسی سے بھی سنا ہے کہ جس جگہ جلسہ تھا فجر کی نماز بڑے میاں نے حسب معمول طوال مفصل کی بڑی سورتوں سے پڑھائی۔ سلام کے بعد فرمایا کہ بھائی میں تو بیمار ہوں تمہارے سامنے مولوی زکریا صاحب قدوسی کچھ فرمائیں گے مگر میں ایک آدھ بات کہہ دوں پھر جو فرمانا شروع کیا تو ظہر کا وقت ہو گیا، میں نے عرض بھی کیا کہ حضرت آخر مجھے بھی تو اسی غرض سے بلایا تھا یہ سن کر فرمایا کہ ہاں بیان تو آپ نے ہی کرنا ہے، ظہر کی نماز پڑھی گئی اور میں (یعنی مولانا زکریا قدوسی)، فوراً کھڑا ہو گیا تاکہ ایک بات پھر نہ شروع ہو جائے تو فرمایا کہ ہاں مولوی صاحب آپ فرمائیں میں تو بخار میں مبتلا ہوں ابھی جاتا ہوں اور ایک سامنے کے درخت

کے ساتھ اوکرہ بیٹھ گئے اور عصر تک اسی طرح بیٹھے رہے یہ آخر عشق کی نیرنگیاں نہ تھیں تو کیا تھا اگرچہ وہ بات نہیں مگر مولوی یوسف صاحب اور ان کے ساتھی بڑے ہی خلوص سے کام کر رہے ہیں بس کرو مگر مخلص کے پیچھے لگ کر خلوص سے، غیر مخلص کے پیچھے لگ کر خود رائی سے نہ کرو۔

اور فرمایا کہ کچھ کرنا ہے تو قاضی صاحب اب تبلیغ کچھ نہ کچھ سیکھ کر آ رہے ہیں ان کو آگے کر دو اور ان کے پیچھے لگ کر خوب کام کرو اس کا اجر بھی ضرور ملے گا اور انشاء اللہ محنت رائیگاں نہیں جائے گی حضرت دہلوی کی یہ حالت تھی کہ مولوی لطیف الرحمن صاحب نے فرمایا کہ ایک رمضان میں سحری و افطاری میں مہمانوں کو بھی گولر ہی دیئے جاتے تھے تو میں نے اجازت چاہی۔ فرمایا گولر نہیں کھائے جاتے اچھا ٹھہرو شام کو افطاری سے پہلے چھکڑے پر لادی لدی کسی نے زردہ پلاؤ کی دیگیں بھیج دیں۔ فرمایا کہ ہم نے اپنے ایسے مہمان کے لیے جو گولر دل سے بھاگتا ہے دعا کی تھی اللہ نے یہ بھیج دی، اب خوب کھاؤ اب ایسی حالت ہے کہ رجوعات کی انتہا نہیں اور وہ سیٹھ اور تاجر جن کے متعلق مفتی کفایت اللہ صاحب کا بیان ہے کہ ہم چلاتے تھے اور قالین بچھاتے تھے اور خاطریں کرتے تھے تب بھی ذرا سی بات پر ان کے ناک چڑھ جاتے تھے اب خود آتے ہیں ساتھ کھانا بھی لاتے ہیں اور جمعرات جمعہ کو نظام الدین میں آکر جہاں فرش پر رات کو تھوڑی بہت اچھی بری جگہ مل جاتی ہے لیٹ جاتے ہیں تبلیغ میں کندھوں پر مختصر بستر اٹھائے پیدل سوار بھاگ رہے ہیں اور اپنے کپڑے خود دھو رہے ہیں۔

رات کی مجلس میں تبلیغ کرنے والے حضرات کے لیے حضرت والا کا موضوع حضرت بہاولنگری اور حضرت منشی جی صاحب علیہما الرحمۃ کے حالات تھے فرمایا کہ حضرت بہاولنگری رح کا اصل وطن بہاولنگر کے پاس ایک گاؤں تھا حضرت کے والد بزرگوار بچپن میں فوت ہو گئے تھے

اور والدہ ماجدہ نے آپ کے تعلیم کے زمانہ میں محنت مزدوری کپاس چننا وغیرہ جو کام اکثر دیہات میں مل سکتے ہیں کر کے گذر کی، حضرت مولانا اللہ بخش صاحب کو میں نے بھی اپنے زمانہ طالبعلمی میں دہلی میں دیکھا کہ دہلی میں بدر الدین مہر کن کی مشہور مسجد میں ایک مدرسہ کے مدرس وامام مسجد تھے اور اس زمانہ کے اعتبار سے ممتاز تنخواہ ملتی تھی جس پر آپ کا اور آپ کی والدہ صاحبہ اور گھر والوں کا گذرا اچھی طرح ہوتا تھا اور مولانا مرحوم بن ٹھن کر رہا کرتے تھے لاہور کے قریب کے ایک غالباً مولوی عبد الکریم صاحب نام کے جو رائے پور میں پڑھنے کے زمانہ میں ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے بعیت ہو چکے تھے پھر دہلی چلے گئے تھے اور دوسرے طالبعلموں کے ساتھ حضرت مولانا سے پڑھا کرتے تھے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو جب لقوہ کا مرض ہوا تو حضرۃ گنگوہیؒ کے حکم سے دہلی میں حکیم عبد المجید خانصاحب کے پاس علاج کے لیے تشریف لے گئے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے مرید ان مولوی صاحب طالب علم نے حضرت بہاولنگری اپنے استاد سے عرض کیا کہ میرے پیر علاج کے لیے دہلی آرہے ہیں۔ اور وہ اچھے سے اچھا مکان بھی آسانی سے لے سکتے ہیں مگر مسجد کے قریب کوئی مکان اس وقت تک مجھے ایسا نہیں مل سکا جو ان کے لیے کرایہ پر حاصل کر لوں اگر جناب اجازت دیں تو ہم طالب علم اپنے حجروں میں سے ایک پیر صاحب کے لیے خالی کر دیں اور خود دوسرے میں گذر کر لیں گے تو مولانا نے فرمایا کہ نہیں میں خود طلباء میں لیٹ جایا کروں گا اور میرا حجرہ جو زیادہ آرام دہ اور مسجد سے بالکل لگا ہوا ہے آپ کے پیر صاحب کے لیے زیادہ موزوں ہے میں ملا سے ان کے لیے خالی کر دیتا ہوں، چنانچہ وہ خالی کر دیا گیا حضرت رحمۃ اللہ علیہ دہلی تشریف لے گئے تو اس میں فروکش ہوتے وہاں تین ماہ قیام رہا۔ مولانا بہاولنگری اس زمانہ میں کسی پیر فقیر اور عالم کے جیسا مستعد ذہین لوگوں کا ہوتا ہے قائل نہ تھے اس لیے شروع شروع میں پاس جا کر اٹھنا بیٹھنا نہیں ہوا دو چار دن پرے پرے ادھر اُدھر پھرتے پھراتے اور اپنے

کام میں مشغول رہے اس مسجد میں متولی مدرسہ اور مسجد بدرالدین مہرکن کے صاحبزادے پابندی
سے نماز باجماعت پڑھا کرتے تھے اور اس زمانہ میں اس طبقہ کے لوگ باوجود متولی ہونے کے
پابند صوم وصلوٰۃ ہوا کرتے تھے اور آجکل کی نسبت نیک ہوا کرتے تھے یہ متولی صاحب بھی اچھے
لوگوں میں تھے اور نمازیں پہلے سے آکر عین امام کے پیچھے پہلی صف میں بیٹھا کرتے تھے اس طرح
یہ جگہ گویا ان کے لیے مخصوص ہوگئی تھی اگر کبھی کسی دن کسی وجہ سے متولی صاحب دیر میں آتے
یعنی جماعت سے پہلے نہ آسکتے تو لوگ ان کے ادب ورعایت کے باعث وہ جگہ ان کے لیے
چھوڑے رکھنے کے عادی سے ہوگئے تھے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو اس رواج کا علم نہیں تھا
—————— آپ نماز کے وقت پہلے سے جاکر عین امام
کے پیچھے پہلی صف میں کہ اس وقت ساری صف میں جگہ خالی پڑی تھی بیٹھ گئے اور نمازی بھی
آتے اور بیٹھتے اور صف پُر کرتے گئے ۔متولی صاحب جو ذرا دیر سے مگر جماعت سے پہلے آئے
تو جگہ رُکی ہوئی تھی وہ بے ساختہ حسب عادت اس جگہ پر بیٹھنے کے لیے حضرت کے عین ساتھ
جو تھوڑی جگہ فرجہ سا تھا اس میں گھس کر حضرت کی گود میں ہی سمجھئے جا بیٹھے تو حضرۃ ذرا دوسری
طرف سرک گئے تاکہ وہ اچھی طرح بیٹھ جائیں حضرت بہادلنگری نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو نصیحت
کے طور پر ایک آیت غالباً اس کا ترجمہ کچھ ایسا بنتا ہے کہ پس صبر کر جیسے پہلے اولوالعزم پیغمبروں
نے بھی صبر کیا ہے گویا ایک طریق سے متولی کے جبر پر صبر کی تلقین کی اور پھر ہمیشہ ساری عمر اس
نصیحت کے باعث شرمندہ رہے کہ آپ کو اور نصیحت اور وہ بھی میں کرنے والا ۔حضرت
کو تو ایسی باتوں میں کیا ہوتا خیر دوتین روز بعد آپ حضرت کی خدمت میں اپنے حجرہ
میں آکر تھوڑی دیر کو بیٹھنے لگے اور کافی اثر لیا اور دوچار ورق مثنوی شریف کے ان
دنوں حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے حضرت بہادلنگری نے پڑھے بھی تھے جب تین ماہ بعد حضرۃ وہاں

سے رائے پور تشریف لے آئے تو حضرت بہاولنگری کو اب احساس زیادہ ہوا اور خود فرماتے تھے کہ میں کسی کا قائل نہ تھا مگر میں نے محسوس کیا کہ تین ماہ میں میں نے آپ سے کبھی کسی کی غیبت زمانہ قیام دہلی میں نہ سنی حالانکہ رات دن ایک ہی مسجد کے پاس کے حجروں میں رہنا اور اکٹھے بیٹھنا اٹھنا سونا لیٹنا ہوتا تھا اگر کوئی بڑا آدمی کسی کی غیبت کرتا تو اکثر حضرت رحمۃ اللہ علیہ بات کو ٹلا دیتے تھے یا اس میں سے اپنی توجہ اور طرف کر لیتے اور اگر کوئی اور غیبت کرتا تو اسے روک بھی دیتے تھے اس طرح کئی باتوں سے تاثرات لیے اور جب حضرت چلے آئے تو وہ تاثرات زیادہ محسوس ہونے لگے اور حافظ عبداللہ جو سنہری مسجد میں رہتے تھے حضرت سے تعلق رکھتے تھے ان کو ساتھ لے کر بیعت کے ارادے سے حضرت بہاولنگری رائے پور تشریف لائے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ ان دنوں مدو گڑھ یا کسی اور آس پاس کے گاؤں میں فروکش تھے حضرت بہاولنگری رائے پور سے ہوتے ہوئے حضرت کی خدمت میں اس گاؤں میں جا پہنچے اور اور موزوں طریق پر درخواست بیعت کرنے کی مگر حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بیعت ہونا ہے تو گنگوہ حضرت گنگوہی سے جا کر ہو جاؤ۔ حضرت بہاولنگری نے عرض کیا کہ حضرت میں تو آپ سے بیعت ہونا چاہتا ہوں نیز خاص انداز میں فرمایا کہ آپ نہ کریں اور ہمارے وہاں بھی پیر ہوتے ہیں ہم خود بھی چشتی لوگ پہلے سے چلے آتے ہیں ادھر ہی جا کر وطن میں کسی پیر کا مرید ہو جاؤں گا اور ڈھولکی قوالی وغیرہ خوب سنا کروں گا۔ حضرت نے کان ہی ملایا مگر ایسی باتوں کی وجہ سے جو اس غرض سے کہی گئی تھیں آخر حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے بیعت فرما لیا ویسے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ حضرت بہاولنگری حضرت گنگوہی علیہ الرحمۃ کی خدمت میں گئے بھی تھے مگر اس وقت وہاں جانا منظور نہ کیا تھا کہ یا خود بیعت کر لو ورنہ پیر ہمارے وہاں ادھر پیر ہوتے ہیں آخر بیعت ہو کر چلے آئے اور پڑھنے پڑھانے لگے پھر بڑے اصرار سے حضرت سے اجازت

لے کر وہ ملازمت ترک کر دی جو اس زمانہ کی معقول ملازمت تھی اور جس پر تمام گھر والوں کا
فراغت اور آرام کا گذر تھا اور وطن آکر ایک مسجد کے امام ہو گئے پھر وہاں سے چک نادر شاہ
میں امامت پر چلے گئے وہاں کچھ طلباء بھی پڑھتے تھے وہاں ایک خانصاحب زمیندار ہیں وہاں
اس زمانہ میں حضرت سے ملنے ایک دفعہ میں بھی گیا تھا اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ بھی
گیا تھا جب حضرت بہاولنگری ہی حضرت کو وہاں لے گئے تھے حضرت نے مولوی اشفاق صاحب
کو بھی وہاں حضرت کے پاس پڑھنے بھیجا تھا وہ بیمار ہو گئے تو میں ملنے گیا تھا اور ایک دفعہ حضرت
نے مجھے خط دے کر ایک کام بہاولپور بھیجا تھا تو فرمایا تھا کہ مولوی اللہ بخش ادھر کے واقف ہیں
ان کو بھی وہاں سے بہاولپور ساتھ لے جائیں اس وقت وہاں گیا پھر حضرت وہاں
کی باتیں اس طرح فرمانے لگے کہ میں سمجھ گیا کہ اب یہاں سے بھی جی اکھڑا ہوا سا ہے چنانچہ جب ایسا
ہوتا تو چک نادر شاہ والے خانصاحب حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں لکھ دیتے کہ حضرت
اجازت نہ دیں جب حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت بہاولنگری چک نادر شاہ لے گئے تھے تو
آتے ہوئے وہاں جہاں اب حضرت بہاولنگری کے مکانات ہیں حضرت رحمۃ اللہ علیہ جنگل میں
تھوڑی دیر کو ٹھہرے اور فرمایا کہ آہا مولوی صاحب بہت خوش جنگل ہے اور اس زمانہ میں وہاں
بستی بالکل نہ تھی بن کے درختوں کا گھنا جنگل تھا جس میں سے راستہ چک نادر شاہ کو جاتا تھا پھر
حضرت کی اجازت سے حضرت بہاولنگری نے چک نادر شاہ کی امامت و مدرسی بھی چھوڑ دی
جو بہت اصرار سے لی گئی تھی جب وہاں جہاں اب مکان ہیں آکر اجاڑ میں حضرت سے
اجازت کے بعد چھپر باندھا گھر والوں سے حضرت بہاولنگری نے جب دریافت کیا کہ کچھ
کھانے کو ہے تو انہوں نے عرض کیا یہ سیر بھر ایک باجرہ ہے تو فرمایا یہ تو بہت ہے چلے اب
پکاؤ پھر اللہ مالک ہے اس کے بعد ہم نے وہ زمانہ بھی دیکھا کہ وہاں حضرت کے مکان بن گئے

مسجد اور مدرسہ بن گیا اور رفتہ رفتہ جنگل والا ایک گاؤں بن گیا حضرت کی زمینیں بھی ہو گئیں، اور ہم نے دیکھا کہ حضرت کے لنگر میں سوا سوا من پختہ آٹا مہمانوں کے لیے پکا کرتا تھا اور کوئی کمی نہ رہی اور اس کے علاوہ جو ہوا وہ ہوا۔ ایک دن ایک مولوی صاحب کو حضرت والا نے مخاطب کر کے فرمایا کہ جس نے کام کرنا ہو پہلے تو جو سوچنا ہو سوچ لے اور پھر جب طے کر لیا تو نہ ٹلنے کا عزم کر کے اس پر جم جائے یہ طریق ہر کام کا ہے اور اس کے سوا کسی کام میں ہرگز کبھی کامیابی نہیں ہوا کرتی۔

حضرت منشی جی رحمۃ اللہ علیہ بھی ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے مجاز ہوتے ہیں آپ نے صرف تین جماعت تک پڑھا تھا مگر ماشاء اللہ بہت ذہین تھے ایک مدرسہ میں جمعداری تھا ان کے استاد مدرس تھے وہ کسی وجہ سے اور جگہ گئے تو وہاں ان کو ٹھہرا گئے آپ نے وہ کام سنبھالا اور ایک روپیہ ماہوار وہاں تنخواہ ملتی تھی آپ کے گھر والی اور بچے بھی پانچ چار تھے بھلا ایک روپیہ اتنے کنبہ کے لیے کیا ہوتا فرماتے ہیں کہ لوگ گھی خریدتے میں سوچا کرتا کہ گھی بھی کوئی ضروری چیز ہے لوگ گھی کا کیا کرتے ہیں فضول چیز کا، فرمایا تھا کہ پہلی مرتبہ تین ماہ کی اکٹھی تنخواہ تین روپے ملی تو گویا بڑی دولت ملی اور وہ روپے بار بار شاید بیس دفعہ گنے پھر جب دل اور طرف کو پھرا تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے اب اس ملازمت کے چھوڑنے کیلئے بھی درخواستیں اور عرضداشتیں شروع ہوئے مگر حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس کا ابھی وقت آئے گا۔ جب وقت آیا تو وہ بھی چھوڑ دی۔ چھوٹا سا مکان تھا جس میں کنبہ کے لیے چارپائیاں نہ آسکتی تھیں، مگر وہ تین جو آسکتی تھیں سب انہیں پر گچھا سا ہو کر لیٹ جاتے تھے اب ملازمت چھوڑی تو مکان بھی اور ہو گئے اور ہر طرح کی فراغت نصیب ہوئی ظاہر کی بھی اور باطن کی بھی، تو پہلے خوب غور کرے پھر جب آدمی کام کو پکڑ لے تو اس پر ڈٹے نہ تو سوال کسی سے زبان سے کرے اور نہ عمل

سے اپنے مالک کی طرف متوجہ رہے اور کام پر ثابت قدم ہو۔

---

۱۶ صفر المظفر ۱۳۶۶ھ مطابق ۱۰ جنوری ۱۹۴۷ء ڈھڈیاں

ایک مولوی صاحب نے حضرۃ والا کی خدمت میں عرض کیا کہ حضرت اگر شیخ کا وصال ہو جائے تو کسی اور سے بیعت کرنے کی ضرورت ہے حضرت والا نے فرمایا کہ اپنے حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے سنا ہوا ہے کہ ضرورت نہیں مگر اس وقت تک ضرورت ہے کہ سالک کو عالم مثال سے مناسبت ہونے سے پہلے شیخ کا وصال ہو جائے آپ کے ایک سوال کے جواب میں فرمایا کہ لوگ ناواقفیت سے دل کے دھڑکنے یا جسم کے تھرتھرانے کو قلب کا جاری ہونا سمجھنے لگے ہیں حالانکہ یہ کوئی چیز نہیں بلکہ قلب کا جاری ہونا ذکر کے آثار پیدا ہو جانے کا نام ہے نورانیت کے چمک کا نظر آنا مراد نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ نیک اعمال کی طرف رغبت ہو گویا دل میں نورانیت آ جاتی ہے نیز فرمایا کہ ایک درجہ کا خلوص ہی ذکر کے آثار ہیں۔

---

۱۷ صفر المظفر ۱۳۶۶ھ مطابق ۱۱ جنوری ۱۹۴۷ء ڈھڈیاں

ایک مولوی صاحب نے دریافت کیا کہ ذکر جہر سے مجھے گھبراہٹ ہوتی ہے ذکر جہر زیادہ اچھا ہوتا ہے یا ذکر قلبی۔ حضرت والا نے فرمایا کہ کسی کو کوئی زیادہ مفید ہوتا ہے اور کسی کو کوئی۔ یہ تو آپ مولوی ہیں جانتے ہیں کہ سلوک کے معنی چلنا ہے اور ہر شخص کا چلنا مختلف ہے جتنے نفوس اتنے راستے تو جس کو جو طریق شیخ مناسب سمجھے وہ مفید ہے، باقی حاصل اس میں یہ ہے کہ ذکر لسانی سے مقصد دل پر اثر ڈالنا ہی ہے اور چلانا ہے یعنی محبت پیدا کرنا جسے آثار ذکر کہتے ہیں۔

سلوک میں چلنا بغیر حرکت کے نہیں ہوتا اور حرکت کے بڑے طریق یہ ہیں کہ زور زور سے ذکر لسانی کرنا تاکہ گرمی پیدا ہو اور گرمی سے حرکت پیدا ہو یا پھر حبس دم سے گرمی پیدا کی جاتی ہے،

سانس کے ذریعہ گرم ہوا کا نکلنا اور ٹھنڈی ہوا کا داخل ہونا دل کی گرمی کو زائل کرتا ہے، دم روک دینا دل کو گرم کرتا ہے جس سے حرکت پیدا ہوتی ہے اور یا پھر توجہ دے کر بھی دل کو گرماتے ہیں اصل تو صحبت ہے اس سے جو عشق و محبت پیدا ہوتا ہے اس کے ابتدائی رواں کرنے کے لیے ذکر کرتے اور ذکر سے اس کے نفع کو تقویت پہنچاتے ہیں تو توجہ سے جو حرکت پیدا کی جاتی ہے وہ عارضی ہوتی ہے اور بعض دفعہ بلکہ اکثر اوقات مضر پڑتی ہے اور پھر حبس دم سے بھی یہ مقصد ہے اور سب سے زیادہ اچھا ذکر لسانی جہر سے گرمی اور حرکت پیدا کرتا ہے اور اصل تو ذکر قلبی ہے مگر لاکھوں میں ایک دو شخص ایسے مشکل سے ہوتے ہیں کہ وہ لسان کی بجائے قلب سے ذکر پر جلد قادر ہو جائیں اس لیے زیادہ کی رعایت سے ذکر لسانی جہری کرتے ہیں اور صحبت کا فائدہ اس وقت ہوتا ہے جب غفلت نہ ہو یا کم ہو تو غفلت کو دور کرنے کے لیے دل میں یاد الٰہی کی ضرورت ہے اور یاد پر استقامت اور غفلت کا معتد بہ زوال بغیر ذکر کے عام عادات کے خلاف ہے اس لیے جس کو دلی ذکر موافق پڑے تو یہی مقصود ہے مگر یہ استعداد عام نہیں اس لیے اس کی تلافی کے لیے خواہ حبس دم کرائیں یا ذکر جہر، اور صحبت سے وہ جذبات اور کیفیات جو شیخ میں ہیں اس میں منتقل ہوتے رہتے ہیں، محبت الٰہی کا جذبہ بھی اگر شرائط پائی جائیں تو اس کی استعداد کے موافق اپنے وقت پر اگر اللہ کو منظور ہو سرایت کر ہی جاتا ہے۔

کسی کے تذکرہ کرنے پر فرمایا کہ حضرت مولانا نانوتوی علیہ الرحمۃ جب مباحثہ شاہجہانپور میں مسئلہ تقدیر کو واضح کرنے لگے تو طلباء کو یوں معلوم ہوا کہ اس سے آسان تو شاید کوئی مسئلہ علم میں ہو گا ہی نہیں مگر جب جلسہ گاہ سے باہر آئے تو وہ بات جاتی رہی اور آپس میں چرچا کرنے

گے کہ یہ کیا بات ہوگئی یہ کہہ کر مولوی عبد الغفور صاحب لنگر مخدوماں والوں سے فرمایا کہ مولوی صاحب اگر اللہ چاہے تو اس کو یہ قدرت ہے کہ علم ایسے راہ سے دے جس کا انسان کو پتہ ہی نہیں اس کو علم لدنی کہتے ہیں۔

ایک مولوی صاحب نے دریافت کیا کہ سیاست کسے کہتے ہیں فرمایا کہ مولوی صاحب آپ یوں سمجھ لیں حکومت کو کہتے ہیں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین کے زمانہ میں اسلام کی حکومت بھی ترقی ہوتی تھی وہ اسلام کی سیاست ہی تو تھی مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے عرض کیا کہ لوگوں کی ہر بات کی اصلاح کا اور تربیت کا کام سیاست ہے فرمایا یہ تو غایت ہے حکومت اس میں جس طرح حسنہ ملے وہ سیاست ہے۔

---

۲۰ صفر ۱۳۶۶ھ مطابق ۱۴ جنوری ۱۹۴۷ء ڈھڈیاں

حضرت والا نے نعیم اللہ خاں سے خود بیٹ میں سنا ہوا ایک واقعہ بیان فرمایا کہ نعیم اللہ خاں نے سنایا میں فیض آباد میں کوتوال تھا ہوا تھا رات کو گشت کرتا ہوا ساتھی سپاہیوں کے ساتھ بازار سے گزرا تو دیکھا کہ عین وسط سڑک میں کوئی لیٹ رہا ہے سردی سخت تھی لیٹنے والا سردی سے سکڑ رہا تھا مجھے رحم آیا سپاہیوں کو کہا اور نہیں تو کچھ اس کے پاس آگ ہی جلا دو کہ ان کو کچھ گرمی پہنچ جائے سپاہیوں نے دکانوں کے چھپروں سے بانس وغیرہ کھینچ کھانچ کر جیسے پولیس والوں کی عادت ہوتی ہے لکڑیاں اس کے پاس جمع کر کے آگ جلا دی، آگ کی روشنی میں میں نے دیکھا کہ وہ لیٹنے والا شخص ایک عورت ہے ہم وہاں سے چلے گئے اگلے روز یا ایک دو روز بعد میرے تبادلہ ضلع ہردوئی کا حکم آگیا، میں اپنے گھر والوں بال بچوں سمیت ہردوئی پہنچا

میری خوشدامنہ بھی ساتھ تھی، بال بچوں کو ایک جگہ بٹھا کر میں چارج لینے میں مشغول ہو گیا۔ تو
گھر والوں نے بتایا کہ ایک عورت پاگل سی آ گئی اور آکر مستورات اور بچوں کو دیکھ کر ہنستی اور
پیسے کو تھوڑی دور بھاگ جاتی پھر آجاتی یہی تماشا سا کرنے لگی تو گھر والوں نے اسے کہا کہ باؤلی
ایسا نہ کر داروغہ صاحب آکر ماریں گے۔ اتنے میں میں بھی پہنچ گیا تو وہ عورت مجھے کہنے لگی کہ سرکار
مجھے پہچانتے ہو۔ میں نے گھر والوں سے اس کی حرکات بھی سُن لی تھیں اور اس کے پوچھنے پر
اس سے کہا کہ نہیں۔ اس نے کہا سرکار یاد کرو فیض آباد میں آپ نے میرے پاس رات کو تکیہ کی
آگ روشن کرائی تھی میں وہی ہوں اور تم لوگ میرے تبادلہ کرا دینے کی وجہ سے یہاں آئے ہو۔
اب مجھے خیال آ گیا مگر اہمیت نہ دی اور ہم اپنے شغل میں لگ گئے۔ گھر والوں نے آپس میں
تذکرہ کیا کہ یہاں کی امرتی اچھی ہوتی ہے۔ وہ عورت بولی سرکار امرتی کھانا چاہتے ہو تو یہ لو۔ یہ
کہتے ہی ایک امرتی سے بھری ہوئی ٹوکری پیش کر دی جس میں گرم گرم امرتیاں تھیں جیسا بھاپ اٹھ رہی
تھیں۔ ہم نے اس خیال سے کہ نہیں معلوم یہ کیا بلا ہے وہ نہ کھائیں ایک دن گھوڑے کے دانے
سے بھری بالٹی کو کہا کہ سرکار یہ دانہ نہیں روپے ہیں، جب ہم نے دیکھا تو بالٹی واقعی روپوں سے
بھری ہوئی تھی، ——— یہاں میں نے نعیم اللہ خان سے دریافت کیا کہ وہ روپے
کیا ہوئے تو بتایا کہ وہ رہے نہیں، میں نے کہا بس آگے چلو، انہوں نے آگے سنایا کہ وہ روز آتی
اور گھر والوں نے ایک دن کسی مرد سے تعویذ کا ذکر کیا تو اس عورت نے کہا سرکار تعویذ چاہیے
یہ کہہ کر ہاتھوں سے فوراً تعویذ نکال کر دیدیئے، اس سے ہم نے پوچھا کہ تو کیا بلا ہے اس نے کہا
سرکار شہیدوں کے جن مجھ پر عاشق ہیں، وہ رات کو ہمارے پاس نہ رہتی تھی بلکہ کہیں دیکھی نہ جاتی
تھی ایک دن میں نے پوچھا کہ وہ جن کیا ہیں کیسے ہیں، اس نے کہا سرکار جن دیکھ کر ڈر جاؤ گے،
میں نے کہا نہیں تو اس عورت نے اپنا منہ دوسری طرف پھیر کر جو ہماری طرف کیا بہت بڑا سر،

بہت بڑی بڑی لٹے سے کچھ کم آنکھیں اور بڑی بڑی مونچھیں نظر آئیں اور پھر دوسری طرف منہ کر کے جو ہماری طرف پھرا یا۔ تو وہی عورت کی عورت ہم بے حد حیران ہوتے، میں نے کہا، وہ شہید کہاں ہیں کہا سرکار یہیں باہر جنگل میں ہیں میں نے کہا کہ ان کی قبریں مجھے بھی دکھاؤ تو اس نے رات کو ساتھ چلنے کو کہا میں اور میرا دیوان دونوں مسلح ہو کر رات کو ساتھ ہو لیے تو شہر سے کافی فاصلہ پر جا کر اس نے ہم سے الگ ہو کر ایک جست گھاس اور جنگل کی طرف کو لگائی اور آگے جا کر ہمیں کہا کہ ادھر آجاؤ ہم بھی پیچھے چلے گئے وہاں معمولی شکستہ دو قبریں اور ایک نماز کا چبوترہ سا بہت خستہ حالت میں تھا، وہاں اس نے بھی نفل پڑھے ہمیں بھی پڑھنے کو کہا ہم باوضو ہو کر گئے تھے تو نفل پڑھے پھر اس سے باتیں کرنے لگے میں نے کہا کہ یہاں ہم بہت دور اپنے ضلع سہارنپور سے آگئے ہیں۔ ہمارا یہاں سے تبادلہ ادھر کو کرا دے اس نے کہا سرکار یہ دو انگلیاں اٹھا کر پیشانی پر رکھ دو میں نے رکھ دیں تو کہا فلاں جگہ ہے فلاں ضلع میں ہے وہاں کا تبادلہ صبح کو آپ کا ہو جائے گا، میں نے کہا سہارنپور نہ کرایا خیر وہ بھی وہاں سے قریب ہے اگلے روز صبح کو اچانک یہاں سے اس ضلع کو جانے کا حکم مل گیا وہاں چلے گئے کلکٹر نے مل کر بہت اچھی باتیں کیں، تعلیم دریافت کی میں نے بتایا کہ بی اے کیا ہے اس نے کہا کہ ضلع میں فلاں جگہ جو اس علاقہ کی تحصیل تھی تھانہ کی خالی ہے وہاں جاؤ، ہم اس گاؤں میں چلے گئے کہ وہ بھی وہاں پہنچ گئی اس سے کہا باؤلی وہاں شہر میں تھا تو کوتوال تھا اب یہاں گاؤں کے ویران تھانے میں آگئے ہیں اچھا تبادلہ ہوا کہ مصیبت ہو گئی، بولی سرکار گھبراؤ نہیں جلد ضلع کے مالک ہو جاؤ گے چنانچہ چند روز بعد کلکٹر نے یا کسی اور افسر نے جس کا تعلق تھا مجھے اس تھانہ سے بلا کر ایک افسر پولیس کا پیشی میں ہوتا ہے وہاں لگا دیا اور بعد ایک روز میری رپورٹیں وغیرہ دیکھ کر اور کام جانچ کر اس نے کہہ دیا کہ اب تم ہی لکھ کر مجھ سے دستخط کرا لیا کرو چنانچہ میں ضلع میں کلکٹر کے نام پر حکومت

کہنے لگا اب وہ عورت آئی تو کہتی سرکار ملازمت چھوڑ دو، یہ پڑھا کرو، وہ پڑھا کرو، میں نے کہا باؤلی اب تو ہم آرام کے ہوتے اور ملازمت کا پورا فائدہ اٹھانے کے دن آئے، اب چھوڑ دیں نہیں چھوڑتے، اس نے کہا اچھا۔ اس کے بعد والد صاحب کے خط آنے لگے کہ میں ضعیف ہو گیا ہوں تمہارے دوسرے بھائی فلاں فلاں کاموں کی وجہ سے باوجود بلانے کے میرے پاس رہنا نہیں چاہتے اور بھی ضرورتیں ہیں، تم ملازمت چھوڑ کر چلے آؤ، میں نے میل و محبت کی تو والد صاحب نے خود آکر مجھ سے استعفیٰ دلایا۔ ایک دو دفعہ کلکٹر نے استعفیٰ نامنظور بھی کیا اور مجھے بہت سمجھایا کہ نوکری نہ چھوڑو۔ مگر میں والد صاحب کے کہنے سے مجبور تھا آخر چھوڑ کر چلا آیا۔ اب جس کو کہ نقصان اور ٹوٹا ہوتا ہے اور بڑی دقت کی زندگی ہو گئی اور وہ عورت بھی اب کبھی دکھائی نہ دی، میرے گھر سے پانی پت کی تھیں وہ مریض ہو گئیں بہت علاج کئے ناکامی کی صورت میں دعاؤں اور عاملوں کی طرف رجوع کیا ایک شخص نے کہا کہ میں استخارہ یا کوئی عمل کروں گا جس سے یہ معلوم ہو جائے گا کہ ان مصائب کا ازالہ کیسے ہو سکتا ہے چنانچہ کچھ دن بعد اس نے بتلایا کہ پانی پت میں ایک مزار ہے کسی شہید یا بزرگ کا اس پر جا کر سات چراغ جلا دو تو سب درست ہو، چنانچہ میں نے جانا اپنے سسرال تھا ہی۔

چراغوں کا انتظام کر کے لے گیا وہاں مزار پر بڑی دہشت معلوم ہوتی تھی اور کانپنے لگا کہ چراغ گر جائیں مگر ہمت کر کے جلد جلد وہ چراغ جلا دیئے۔ اگرچہ اس کا کچھ اثر پڑا مگر معتد بہ فائدہ نہ ہوا ایک دن دوسری مرتبہ میں پانی پت گیا تو عورت دوڑتی ہوئی آئی اور میرے قدموں پر گر گئی میں نے غور سے دیکھا تو وہی عورت تھی مگر وہاں اس کے کپڑے پوری وضع کے اور یہاں ادھر کی وضع کے تھے لجی رہتی رہی اور اصرار کیا کہ میری دعوت ضرور کھاؤ، میں نے دریافت کیا کہ تو یہاں کیسے؟ اس نے کہا کہ سرکار مجھے اب مدت سے یہاں قید کر دیا گیا ہے،

قلندر صاحب میں ایک حجرہ میں رہتی تھی اور شعبدہ کے طرز پر تعویذ مانگنے والوں کو ہاتھوں میں سے تعویذ نکال کر دیتی رہتی تھی لوگوں نے بھی یہ تماشا بنا رکھا تھا اور سارا دن یہی سلسلہ جاری رہتا تھا۔

حضرت والا نے یہ حکایت سنا کر فرمایا کہ میں نے اور سعل سے بھی اس کے بعد دریافت کیا تو لوگ بتلاتے تھے کہ وہاں اس قسم کی صورت رہتی ہے جس طرح وہاں اور لوگ پڑے رہتے ہیں وہ بھی رہتی ہے ——— مجھ سے نعیم اللہ خان نے دریافت کیا کہ یہ کیا بات تھی، میں نے بتایا یہ سب شیطانی اثرات تھے اور اس نے تم سے شرک کرانا تھا مہ چراغ جلوا کر کرالیا اور کچھ بھی نہیں اس شخص نعیم اللہ خاں نے میرے ہاتھ پر بیعت بھی کی۔ اب اس کا انتقال ہو چکا ہے۔

---

۲۱ صفر ۱۳۶۶ھ مطابق ۱۵ جنوری ۱۹۴۷ء ڈھڈیاں

مولانا حبیب الرحمن صاحب نے مولوی زبیر صاحب کی طرف سے ایک سوال کا ذکر حضرت والا کی خدمت میں کیا تو حضرت والا نے فرمایا کہ دینی تعلیم حاصل کرنے والوں کی ابتدا ہی اپنی نیت تو کسی کی ہوتی نہیں بلکہ والدین اور سرپرست بھی خالی الذہن ہو کر یا فاسد نیت سے پڑھاتے ہیں اب یہی صورت ہے کہ کسی اللہ کے بندے کی صحبت اٹھا کر پہلے اپنے آپ کو اسلام کا حامی بنا لیں، اصلاح نیت کریں اور اخلاق کو سنوار لیں پھر خواہ دینی تعلیم و تعلم کا کام کریں یا معاشی سب ٹھیک ہو گا اور یوں اگر بڑے سے بڑے دینی مدرسہ کے صدر مدرس بھی بن جائیں اور ان سے ہزاروں لوگ دین پڑھیں مگر ان کے لیے وہ دنیا ہی دنیا ہے

گا. مولوی زبیر صاحب کی طرف سے مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے سوال کیا کہ بال بچوں کے نان نفقہ اور خدمت والدین کے انتظام کے ترک سے گنہگار تو نہ ہوں گے فرمایا کہ مگر غور کریں تو اپنے حرص کا علاج کرلانے جانے میں آدمی معذور رہتا ہے یا گنہگار، لہذا اب جب طلب پڑھ رہے ہیں تو اب وہ خدمت ترک ہے یا نہیں، مولوی زبیر صاحب نے خود اشکال وارد کیا کہ حضرات صحابہ کرام تو کام میں لگ جاتے تھے کوئی تجارت میں کوئی زراعت اور صنعت میں تو اب ہم کو بھی ایسا ہی کرنا چاہیے. حضرت والا نے فرمایا کہ ہم منہ بھر کر صحابہ کرام کے نام تو لیتے ہیں مگر ہم میں سے کسی کو ویسی صحبت میسر ہے جو فوراً اصلاح ہو جائے اور کام پھر کرتا ہی ہوتا ہے ان کے کام مقدم نہیں تھے وہ دینی ضرورت پر سب کام چھوڑ دیتے تھے اور ہم معاشی ضرورت پر دینی کاموں کو ترک کر دیتے ہیں حالانکہ ہمارے دینی کام بھی روح کے اعتبار سے دنیا کے ہی کام ہیں مولوی زبیر صاحب نے کہا کہ جب ہم کو وہ میسر نہیں تو پھر کیسے کریں فرمایا کہ اگر ویسا نہ ہو سکے مگر ہمارے لائق ہو جائے تو اس کا امکان ہے اس کے لیے کوشش کرو، عرض کیا کہ حدیث میں ہے کہ آخر زمانہ میں اگر دسواں حصہ بھی کوئی کرے تو غنیمت ہو گا فرمایا کہ دسواں تو کیا لاکھواں حصہ بھی اگر آپ کو حاصل ہے تو غنیمت ہے مگر اپنے اندر کا مطالعہ خود کر لو کہ فلاں کام خالص نیت سے ہوتا ہے، ہمارے حضرۃ رحمۃ اللہ علیہ نے تو فرمایا کہ زندگی میں ایک عمل بھی خالص نیت سے ہو جائے تو ہو سکتا ہے کہ نجات کیلئے کافی ہو جائے اس کی وجہ اور تفصیل تو بہت ہے اور اگر تم طلب پڑھنے ہی خدمت والدین اور حقوق زوجین کے خیال سے آئے ہو اور یہ حقوق کی ادائیگی کا خیال خوفِ خدا و نہی یا رضائے الٰہی کے پیش نظر رکھتے ہو تو تم کو جو کام جائز ہو سب درست ہے اگر خود مطالعہ کر کے اس نتیجہ پر پہنچو کہ یہ بات نہیں تو پھر سب کام چھوڑ کر اس قسم کی نیت کرنا سیکھو کہ اس کے بغیر جو بھی

کرو گے وہ عاقبت ۔ ہم تمہیں کیا الزام آئے گا خواہ ایسا کرنا کچھ بھی ہو اگر اس نیت سے نہیں تو
سب بے کار ۔

---

۲۲ صفر ۱۳۶۶ھ مطابق ۱۶ جنوری ۱۹۴۷ء ڈھڈیاں

حضرت مولانا عطا محمد صاحب کو مخاطب کر کے حضرت والا نے اذکار و اشغال کے
مقرر کرنے کے اصول جامع اور مجتہدانہ انداز میں بیان فرمائے جس سے معلوم ہوا کہ ماہرین نے
اذکار و اشغال تجویز کرنے میں کس اصول کو ملحوظ رکھا ہے نیز جملہ طرق کے اذکار و اشغال کے
باہمی فرق کی وجہ اور جملہ طرق میں تطبیق خود سمجھ میں آ گئی کہ حاصل سب کا خیال کو جمع کرنا ہے
اس لیے کہ خیالات اگر جمع کرنے کا ڈھنگ آ جائے تو خیال کی قوت دنیا کی سب قوتوں سے
بڑی قوت ہے جو انسان کو راہ طے کرنے میں مدد دیتی ہے اگر یوں کہا جائے تو ایک حد تک
بجا ہے کہ خیالات کو مجتمع کرنے میں ہی وقت لگتا ہے جب اس پر قابو ہو جائے تو سالک کے
قبضہ میں ایک ایسا براق برق رفتار آ جاتا ہے جو اس راہ کی منزلوں کو چشم زدن میں طے کر کے
انسان کو دروازۂ خداوندی پر پہنچا دیتا ہے ۔ ہر انسان اپنی قوت اجتماع خیالات کی صلاحیت
پر گامزن ہوتا ہے جس طرح یہ براق دروازہ خداوندی پر پہنچا سکتا ہے اسی طرح اگر لو صحیح
نہ ہو تو جدھر سالک توجہ کرے ادھر کی بے انتہا ۔ حدود تک پہنچ جاتا ہے انوار وغیرہ سب
انسان کے اندر کی چیزیں ہوتی ہیں اور اکثر مزاج پر موقوف ہوتی ہیں آثار بھی طبعی بات ہوتے
ہیں لطائف بھی سب انسان کے اندر ہی ہیں یہ تمام چیزیں اگر صحیح طور پر کام میں لائی جائیں
تو حسب استعداد انسان کو صرف دروازہ تک لے جا سکتی ہے مگر وہ چیز جو اصل چیز ہے وہ

رضائے الٰہی پر موقوف ہے اور محض قبضۂ خداوندی میں ہے جب انسان اس در کا درویش بن جائے اور دروازہ پر جا پڑے تو اگر خدا کو منظور ہو پھر ایک چیز ادھر سے آتی ہے وہ انسان کے اندر سے نہیں باہر سے آتی ہے مگر اس کا نہ تو تصور ہو سکتا ہے نہ مثال اور نہ کسی کے بس کی ہے شیخ کا کام بھی بس دروازہ تک پہنچا دینے پر ختم ہو جاتا ہے اب انتظار ہے جب اللہ چاہے کرم فرمائے ہماری قوم کی قسمت ہے کہ اول تو دینیات اور تصوف کی طرف کوئی آتا نہیں اور مشاغل میں پھنس جاتا ہے اور اگر کوئی ادھر آئے بھی تو جو ادھر لگ رہے ہیں ۔ ان سے چھٹکارا پا کر اطمینان سے کام کرنے کا موقعہ نہیں ملتا۔ حضرت والا سے دریافت کیا گیا کہ جب کوئی گناہ ہو جاتا ہے اس کے بعد بڑی ندامت، رقت اور کوفت ہوتی ہے۔ فرمایا یہ بات بہت اچھی ہے مگر یہ خیال رہے کہ اس ندامت رقت اور کوفت کی کیفیت پیدا کرنے کے لیے گناہ نہ کیا جائے یہ بھی شیطان کا دھوکہ ہو سکتا ہے اور اس کے اور نفس کے دھوکے بڑے ہیں۔

---

۲۸ رصفر ۱۳۶۶ھ ۔ لائل پور

ایک نابینا حافظ مولوی عبد المجید صاحب بی اے نے دو سوالات کئے جن کے حضرت والا نے مختصر جوابات دیئے کہ اولاً اپنی مدلل کوشش سے قرآن کے ترجمہ میں مرزائی تحریف کے متعلق سلسلہ کار جاری رکھو اور احرار اور جمعیۃ وغیرہ نیشنلسٹ مسلم جماعتوں کے اتحاد کے متعلق تو ان تحریکوں اور جماعتوں کے مجتہدین سے گفتگو کرو، میں مقلد حضرت مدنی کا ہوں ان کے بعد احرار کو خصوصاً مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی اور مولانا عطاء اللہ شاہ صاحب

بخاری کو اچھا سمجھتا ہوں باقی یہاں ایک کانگرسی ہمارے ساتھ ہے جو کانگرس میں مجتہد ہے (یعنی مولانا حبیب الرحمٰن صاحب) اگر کچھ کانگرس کے متعلق پوچھنا ہو تو اس سے پوچھو۔

---

۱۰ ربیع الاول ۱۳۶۶ھ مطابق ۴ فروری ۱۹۴۷ء جگراؤں ضلع لدھیانہ

تین شخص بیعت ہونا چاہتے تھے ان کے متعلق ایک شخص نے عرض کیا کہ تین آدمی توبہ کرنا چاہتے ہیں حضرت والا نے فرمایا کہ مسلمان ہیں توبہ تو کرتے ہی رہتے ہوں گے میں مسافر اور دور کا رہنے والا ہوں یہ مولوی صاحب بھی دور کے میرے ساتھ رہنے والے ہیں ہنس کر فرمایا (مولانا حبیب الرحمٰن صاحب کے متعلق) ان سے بیعت ہونا ویسے بھی ہر شخص کے بس کی بات نہیں کہ ساتھ جہاد کی بیعت لیتے ہیں اس لیے بیعت کرنا ہے تو مولوی ابراہیم صاحب اور مولوی محمود الحسن صاحب ہیں یا کسی اور سے کراؤ کیونکہ اس میں صحبت کی ضرورت ہوتی ہے اور ان کو میرے پاس بوجہ دوری آنے جانے کی آسانی نہ ہوگی مگر وہ مُصر ہوئے تو حضرت والا نے مان لیا اور ان کو سامنے بٹھا کر تینوں کے ہاتھ ایک ساتھ اپنے ہاتھ میں لے کر پہلے کلمہ شریف لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھایا پھر کہلوایا۔ یا اللہ اسی توبہ کردے ہاں کفر سے شرک سئیں بدعت سئیں غیبت سئیں زنا سئیں جھوٹ بولنے سے نماز چھوڑنے سے ہور سب گناہاں سے۔ جو اساں اپنی ساری عمر وچ کیتے چھوٹے ہوں یا بڑے اسی عہد کردے ہاں کہ تیرے سب حکم مناں گے تیرے رسول پاک دی تابعداری کراں گے یا اللہ — ! ساڈے گناہ بخش دے سانوں توفیق دے اپنی رضامندی دی اپنے رسول پاک دی تابعداری دی پھر فرمایا کہ بس اب گناہاں توں بچدے رہناں نماز دی پابندی رکھنا، جماعت نال نماز پڑھن دی کوشش کرنا، شریعت

دے برخلاف کم نہ کرنا۔ بری صحبت توں بچنا صحبت دا اثر ہندا ہے تاں بُرا بن جاندا ہے نیکاں دی صحبت اختیار کرنا درود شریف سوم کلمہ پڑھدے رہنا۔ ایک تسبیح یا تین تسبیح مولوی صاحب توں سکھ لینا۔

یکم رمضان المبارک ۱۳۶۶ھ مطابق ۲۰ جولائی ۱۹۴۷ء ۔ رائے پور

ایک مولوی صاحب نے دریافت کیا کہ حضرت یا شیخ کی صحبت کے کچھ آداب ہیں فرمایا کہ سب سے بڑا ادب محبت ہے اور وہی سب آداب سکھاتی ہے۔ اور محبت نہ ہو تو ادب بے جان ہے مولانا عبدالرشید صاحب مصنف "لغات القرآن" نے دریافت کیا کہ حضرت اگر محبت کم ہو تو پھر کیا کام کچھ چل سکتا ہے۔ فرمایا کہ ذکر الٰہی کی کثرت سے کچھ کام چل سکتا ہے اور نوافل نمازیں، تلاوت قرآن مجید، ذکر اسمائے الٰہی یہ سب ذکر الٰہی میں شامل ہے البتہ ذکر اسم الٰہی سے احساس آدمی کو ذرا جلد ہو جاتا ہے اور دوسرے اذکار میں ذرا دیر سے اور تبارك اسمك کے متعلق شاید آپ نے مجھ سے مضمون پہلے بھی سن رکھا ہو گا فرمایا ایک دفعہ مجھے رمضان ایسے گذارنے کا موقعہ ہوا کہ اس میں علاوہ پڑھنے پڑھانے کے باتیں کرنا نہیں صرف مغرب کے بعد ایک دوست سے کچھ باتیں ہو جاتی تھیں اور وہ دوست یہی مولوی عبدالرحمٰن[1] صاحب کے والد ہیں

دل ز پُر گفتن بمیرد در بدن — گرچہ گفتارش بود دُرِّ عدن

مولوی محمد اکرم صاحب ٹھٹہ شریف والوں نے دریافت کیا کہ دُرِّ عدن سے مراد دنیا کا کلام ہے فرمایا دین کا کلام بھی مراد ہے پُرگفتن اس میں نہیں چاہیئے۔

---

[1] مولانا عبدالرحمٰن صاحب کے والد حافظ امام الدین صاحب مرحوم

۲ر رمضان المبارک ۱۳۶۶ھ مطابق ۲۱ر جولائی ۱۹۴۷ء بلئے پور

مغرب کے بعد کی مجلس میں تذکرہ مولانا آزاد کی تفسیر اور اس کے قصص کا آگیا۔ حضرۃ والا نے فرمایا کہ مولانا کو تحقیق میں بڑا کمال ہے جیسے کہ ذو القرنین کے متعلق تحقیق فرمائی ہے اور فرمایا کہ قصص کی تحقیق اس طرح ضرورت کے مطابق ہے اس کی ضرورت ہے کہ ان قصص کی جہاں تک ممکن ہو تحقیق کر دی جائے اور مولانا آزاد کو اس میں خاص مہارت معلوم ہوتی ہے۔ مولوی حبیب اللہ صاحب نے دریافت کیا کہ حضرت بعض شیوخ کے متعلق ہے کہ وہ ظاہری شرعی عبادتوں کی قیود سے نکل جاتے ہیں مثلاً نماز چھوڑ دیتے ہیں اور ذکر و فکر ہی کو نماز اور دائمی نماز سمجھا جاتا ہے اور شیخ اکبر کی بعض عبارتوں کا ایسا مطلب بیان کیا جاتا ہے حتی یاتیک الیقین سے بھی بعض یہی معنی نکالتے ہیں اس پر حضرت والا نے فرمایا کہ آپ کی طرح میں نے بھی کبھی وہ درجہ نہیں پایا البتہ اتنا ضرور ہے کہ حضور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے سب صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین مشہور صوفی بزرگ جیسے حضرت پیران پیر شیخ عبد القادر جیلانی، حضرت جنید بغدادی اور ایسے ہی اور بزرگوار جو اس سلسلہ کے امام ہیں قدس اللہ اسرارھم۔ ان کے متعلق کوئی ایسی بات کہیں دیکھی اور سنی نہیں، بلکہ اس کے خلاف شرع کی پابندی ہی ثابت ہے اگر کوئی ایسا درجہ ہوتا تو ان حضرات میں ضرور اس کی مثالیں اور بیانات میں تذکرہ اور نصوص میں دلائل و اشارات ہوتے مگر وہاں تو اس کے خلاف خدا کی عبادت پر مداومت اور شرع کی پابندی کی تاکید کی اور اسوۂ نبوی کو معیار قرار دیا گیا ہے اور اعمال و اقوال سب اسی کے مؤید ہیں۔

---

۴ رمضان المبارک ۱۳۶۶ھ مطابق ۲۳ جولائی ۱۹۴۷ء رائے پور

مغرب کے بعد کی مجلس میں ایک مولوی صاحب نے تذکرہ شروع کیا کہ بعض بزرگوں کے متعلق سنا ہے کہ وہ کئی جسم بنا کر مختلف مقامات پر اپنے آپ کو ایک ہی وقت میں دکھا دیتے ہیں حضرت والا نے فرمایا کہ ایسے کیسے ہو سکتا ہے البتہ ممکن ہے کہ ان کے لطائف متمثل ہو جائیں اور ایسا ہوا بھی ہے ایک بزرگ کا نام اور تعارف بیان فرمایا کہ انہوں نے درخت پر قیام کر رکھا تھا نماز کا وقت تھا اپنے تمثیلی جسم کے ساتھ مسجد میں جماعت میں شریک ہوئے، ان کے مرید جو امام اور ان معاملات کے خود بھی اہل بھید میں سے تھے پہچان کر وہیں سے آواز دی کہ حضرت نماز نہیں ہوئی کیونکہ نماز اصل جسم پر فرض ہے نہ کہ تمثیلی جسم پر، یہ سن کر پیر صاحب فوراً درخت سے نیچے گر گئے اور اصل جسم سے نماز پڑھی نیز محبت میں بھی بعض اوقات کسی کو ایسا نظر آجاتا ہے کہ فلاں صاحب ہیں اور ایسا واقعہ میں نہیں ہوتا فرمایا کہ حضرت سید شہید علیہ الرحمۃ کے متعلق جو بیان کیا جاتا ہے میں اس کو انہیں صورتوں میں سے ہی سمجھتا ہوں اور یہ غلط سمجھتا ہوں کہ وہ دوبارہ ظہور کریں گے یہ ایسے ہی امام غائب والے غلط عقیدے جیسا غلط عقیدہ ہے کیونکہ وہ بھی کہتے ہیں کہ امام مہدی غار سر من رائے میں پوشیدہ ہیں اخیر زمانہ میں ظہور فرمائیں گے جن لوگوں نے ایسے واقعات بیان کئے اگر وہ دیکھنا ظاہر اور واقعتہ صحیح ہے تو وہ تمثل کا ظہور یا کشف کا ماجرہ ہے کہ اس میں بھی ہر شخص کو صحیح انداز مشکل ہوتا ہے کسی کے دریافت کرنے پر حضرت نے فرمایا کہ قیامت کے متعلق جو اولیاء سے منسوب پیشگوئیاں ہیں وہ بھی ایسی ہیں کہ یقین کے قابل نہیں اور اس میں علاوہ روایت کے اعتبار کے اور بھی سلسلے ہو سکتے ہیں، بعض اوقات صاحب کشف کو قرینہ میں دھوکہ ہو جاتا ہے غرضیکہ وہی صحیح ہے جو نصوص میں ہے کہ وقت

کا تعین اللہ کے علم میں ہی ہے اور بس ۔

---

۲۹ رمضان المبارک ۱۳۶۶ھ مطابق ۱۷ اگست ۱۹۴۷ء رائے پور

مغرب کے بعد کی مجلس میں آزادی ہند کی مبارکباد دی پر فرمایا کہ اگرچہ مسلم لیگ نے ملک میں نفرت پھیلا کر آزادی کی مسرتوں کو گدلا کر دیا اور پھر ملک کے تقسیم ہو جانے سے جو فساد برپا ہے وہ بھی دل کو دکھا رہا ہے آزادی میں ہم کیا خوشی محسوس کریں کہ مسلم قوم تو مذہب سے آزاد ہو گئی علماء کے خلاف چلی اور اب آئندہ اول تو اس افتراق و انشقاق کے باعث ہمیشہ جرمنی اور فرانس کی طرح لڑائیاں رہیں گی اور اگر ملک نے ترقی کی تو مادی ترقی تو ہو گی مگر مذہب کے لیے تو اب کوئی جگہ نظر نہیں آتی ۔

حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے عرض کیا کہ حضرت نے سچ فرمایا مگر یہ تو اب ہندوستان کے سرپرست حضرات کو چاہیئے کہ وہ مذہب کے قیام و دوام کے لیے کوئی کام کریں ۔ حضرت والا نے فرمایا کہ اس کے لیے آدمیوں کی ضرورت ہے مگر ذہین اور لائق عناصر دوسری تعلیم میں چلے جانے کی وجہ سے اب آدمی نہیں ہیں ۔

یکم شوال المکرم ۱۳۶۶ھ مطابق ۱۸ اگست ۱۹۴۷ء رائے پور

مغرب کے بعد کی مجلس میں اس امر کا تذکرہ تھا کہ صوفیاء کی بیعت ایک عہد ہوتا ہے اور ہر عہد کا ایک اثر ضرور ہوتا ہے کم ہو یا زیادہ چنانچہ اس پر تجربہ شاہد ہے فرمایا کہ خلفاءِ راشدین

رضوان اللہ علیہم اجمعین چونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتہ تھے اس لیے وہ بیعت طریقت اور بیعت خلافت دونوں کر سکتے تھے اور چونکہ سلطنت کا اثر سب اثروں پر عموماً غالب ہوتا ہے اسلیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام دوسرے تبلیغی کمالات اور ذرائع کے ساتھ ساتھ حکومت بھی اللہ تعالیٰ نے دی تاکہ ہدایت علی وجہ الکمال ہو جائے تو یہی رنگ خلفاء راشدین مہدیین کا بھی ہوا مگر بعد میں جب خلافت جامع کمالات نہ رہی تو صوفیا نے بیعت طریقت جاری کی اور اس میں عہد ہوتا ہے جو عزم پیدا کرتا ہے اور خدا کے حضور گناہوں سے توبہ اور نیکیوں پر استقامت کی دعا مزید برآں ہے کہ اللہ والوں کی دعاؤں میں تاثیر ہوتی ہے۔ فرمایا کہ الناس علی دین ملوکہم مشہور قول ہے جو اپنے اثر لت میں پایۂ ثبوت کو پہنچا ہوا ہے ایک زمانہ وہ تھا کہ حضورؐ اور صحابہؓ لوگوں کے گھروں پر تبلیغ کے لیے جاتے تھے اور ایک زمانہ وہ آیا کہ لوگ فوج در فوج وفود بنا کر حضور کی خدمت میں دین حاصل کرنے کو آنے لگے اور صحبت جس پلے کی ہوا سکا حسب استعداد تاثیر مسلمات سے ہے تو ایک دفعہ زیارت کرنے والا بھی صحابی ہو گیا اور حسب استعداد نعمت حکمی سے فائض اور جنہوں نے زیادہ صحبت اٹھائی اور دیر تک ساتھ رہے اور استعداد عالی رکھتے تھے ان کے کیا کہنے، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی استعداد اکمل۔ ساتھ دیر کا تعلق اور محبت کمال کی توجہ حاصل ہوا وہ بھی اتنا کمال کا کہ ظاہر ہے اور اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک جنگل میں سے نکلے تو کھڑے ہو کر شکر کرنے لگے کہ یہاں میں اپنے والد کے اونٹ چرایا کرتا تھا اگر کوتاہی کرتا تو وہ بڑے سخت تھے اور پورا کام کرتا تو کبھی شاباش نہ کہتے شکر ہے خدا کا کہ اس نے مجھے یہ کچھ عطا کیا۔ ان کی خلافت کے کیا کہنے کہ چند سال میں دنیا کی بڑی بڑی سلطنتیں الٹ دیں اور یہ کچھ اور مشہور تاریخی فاتحین کی طرح نہ تھا بلکہ ایسا انتظام اور انتظام چلایا جو لوگوں کی اصلاح کا موجب ہوا یہ سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت ہی کا

اثر تھا کہ لوگ سب کچھ اللہ واسطے کرتے تھے سونے کے غنیمت کے ڈھیر پڑے ہیں مگر پاس محافظ کمبل میں بیٹھا ہے اور ایک حبہ خیانت کا نام نہیں، ابو عبیدہ ابن جراح امین امت کا حال یہ کہ شام کے خزانے قدموں میں ہیں مگر اسی حال میں ہیں جو حضور کے زمانہ میں تھا یہ حضرات دنیا کے زاہدین تھے اگر ہم ان کے حالات نہ پڑھتے تو سمجھتے کہ دنیا ویسے ہی چلی جاتی ہے مگر ان کے حالات خود معجزہ ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جن کی صحبت کی یہ برکت تھی۔ بعد حضور کے ایسے تربیت دیئے ہوئے پاکیزہ نفوس کو اگر کوئی کہے کہ وہ یہ سب نفاق سے اور دنیا طلبی کے لیے کرتے رہے تو پھر اور خلوص ایمان اور زہد کہاں ملے گا پھر تو حضور کا کیا کمال ہوا کہ تمام عمر جو لوگ ساتھ رہے اور حضور کی زبان حق ترجمان سے جنہوں نے صداقت، خلوص اور امانت کی سند حاصل کی۔ وہ بھی اگر خدانہ کرے معاذ اللہ شیعہ جیسا لکھتے ہیں منافق اور دنیا طلب نکلیں تو پھر حضور کی نبوت کیا ہوئی اور پھر خدا کا وجود اور اسکی رہنمائی، ہدایت اور کمال سے ثابت کی جائے گی۔ الغرض ہر صحابی خصوصاً صحابہ کرام میں سے مشہور ہستیاں اسلام کی صداقت، حضور کی رسالت اور خدا کی خدائی اور رحمت کا ثبوت ہیں ان کے انکار سے کیا کیا لازم آتا ہے۔ نعوذ باللہ من شرور انفسنا

۲، شوال المکرم ۱۳۶۶ھ مطابق ۱۹، اگست ۱۹۴۷ء بلتے پور

عصر کے بعد کی مجلس میں حضرت والا نے مولانا عبد الرشید صاحب نعمانی مصنف لغات القرآن کو مخاطب کر کے فرمایا کہ انسان پیدائش سے لے کر تمام عمر علوم جو ما سوا اور غیر اللہ ہیں کماتا ہے خواہ کسی حاسہ سے کمائے تو اب جب خدا تعالیٰ کی طرف چلتا ہے جسے سلوک کہتے ہیں

تو اس راہ میں وہ تمام علوم جو لوح دماغ پر منقش ہو گئے محو کرتے ہیں اور یہ صحبت، ذکر، ماحول
تمام چیزوں کے ذریعہ کیا جاتا ہے پھر اس پر دوسرے نقوش لکھے جائیں تو آئیں گے۔ سلوک
میں حسب استعداد رخ کا ٹھیک کرنا ہے کیونکہ یہ راہ خیال سے اور توجہ سے چلا جاتا ہے فرمایا
کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ اس راہ میں جو کرنا ہے وہ کرنا ہی ہے مگر پرہیز بہت
ضروری ہے۔ روشنی کے لیے چراغ، تیل، بتی وغیرہ سب چیزوں کا اہتمام کیا جائے مگر بجھانے کے
لیے پھونک مارنے کا نمونہ دے کر فرمایا صرف فو سے ہو سکتا ہے پس ماحول، صحبت، ذکر شغل تو
کرنا ہی ہے لیکن پرہیز سب سے ضروری ہے فرمایا کہ ایک شخص نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو
اپنا حال سنایا اور دریافت کیا کہ رجعت کی وجہ معلوم نہیں، حضرت نے ٹھنڈا سانس بھر کر یہی فرمایا
کہ کیا کرایا کھونے کیلیے یہی ضروری نہیں کہ آدمی کسی معروف گناہ میں مبتلا ہو بعض اوقات ایک
نظر جو کسی پر خلاف شرع پڑ جاتے اس خرمن کو جلانے کو کافی ہوتی ہے اور اس ابتدائی نورانی
کرن کو ہمیشہ کے لیے بجھانے کی سبب بن سکتی ہے۔ اللھم احفظنا من شرور انفسنا۔

غرض یہ ہے کہ ہر شخص دنیا میں یہ سلوک طے کرتا ہے یہ جو احادیث میں آیا ہے کہ بعض
لوگ پل پر سے بجلی کی طرح بعض گھوڑے کی طرح بعض اس سے کم چال سے نکل جائیں گے
اور بعض دوزخ میں گر جائیں گے اور ایک خاص مدت بعد نکل کر آگے لیجائے جائیں گے
اور بعض کو جب وہ جنت میں پہنچ جائیں گے حسرت ہوگی کہ سنا تھا کہ دوزخ آئے گا پل آئے
گا مگر کوئی چیز دیکھنے میں نہ آئی تو جو لوگ سلوک یہاں طے کر لیتے ہیں ان کو وہاں طے نہیں کرنا ہو
جو ادھورے رہ جائیں گے کمی وہاں پوری کریں گے اور جن میں جتنی کمی ہوگی اتنی وہاں دقت
ہوگی تو یہاں کم سے کم یہ ہے کہ رخ ٹھیک کر لینا ہے جس نے رخ ٹھیک نہ کیا اس کے لیے
گمراہی سے نکلنے کا پھر کیسے موقعہ ہوگا ہاں اللہ تعالیٰ ہی چاہے تو اور بات ہے نیز فرمایا کہ جب کچھ

دل میں یہ پیدا ہو گیا کہ ہاتے کچھ کرنا چاہیے تھا یہ بڑی غنیمت ہے ورنہ غفلت میں ہی رہتا ہے اور لوگ کہا کرتے ہیں کہ یہ مصیبت نہیں معلوم کیوں آئی کوئی گناہ تو کیا نہیں، میں کہتا ہوں کہ غفلت ہی کیا کم گناہ ہے یہ سب اس سوال کے جواب میں تھا کہ مولانا عبد الرشید صاحب مذکور نے مثنوی کی طرف منسوب شعر کے بر زبان تسبیح و در دل گاؤ خر کا مطلب دریافت کیا تھا۔

تو حضرت والا نے فرمایا کہ اللہ کا نام تو صرف زبان سے لینے سے بھی اثر ہوتا ہے اور زبان کے ساتھ دل ہو جائے تو پھر کیا کہنے اور یہاں تو یہی پیدا کرنا ہے کہ ماحول ہو، صحبت ہو ذکر ہو، ماحول تو آئندہ شاید اب سے دینی اعتبار سے بد تر ہو اور صحبت بھی مفقود ہوتی جا رہی ہے ذکر جیسا ہو غنیمت جان لو خدا تعالیٰ کی طرف توجہ ہو جاتی ہے اور پھر جو چیز ادھر سے آتی ہے وہ تو اس کے اختیار میں نہیں ہے اصل چیز وہی ہے پس جتنا کرنے کا کام ہے کر لو خدا کے فضل سے آنے والی شے بھی زندگی میں یا بعد میں آہی جائے گی بس یہ کر لو۔

---

۴ شوال المکرم ۱۳۶۶ھ مطابق ۲۰ اگست ۱۹۴۷ء بدھ کو

عصر کے بعد کی مجلس میں حکیم مولوی حبیب احمد صاحب کے مکان کو آگ کے لگ جانے کا ذکر ہوا تو اس پر حضرت والا نے فرمایا کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ یہ مصیبتیں بھی چابک ہیں جو انسان کو غفلت سے بیدار کرتے رہتے ہیں انسان کو غفلت ترک کرنی چاہیے اور غفلت سے مراد خدا کی یاد سے خالی الذہن رہنا ہے اسلام نے رہبانیت نہیں سکھلائی مگر خیالات کو دنیا کے دھندوں کی الجھنوں سے نکالے اور انہیں خدا تعالیٰ کی یاد کی چاشنی پیدا کئے بغیر تو انسان کا کام نہیں چلتا اسے رہبانیت کہیے تو اتنا تو کرنا ہوگا۔ دیکھیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم

کو بھی غارِ حرا میں جا کر رہنا پڑا اور پھر جب فرشتہ نازل ہوا تو لوگوں کی طرف تبلیغ کے لیے توجہ کی۔ ایک دفعہ پورا لوٹنے کی کوشش کئے بغیر جو دنیا میں گھسنا ہے یہ غفلت اور دنیا ہے اور لوٹنے کے بعد پھر تعلق جوڑنا بالکل دوسری حیثیت کا ہے اور پھر ساری دنیا دین اور کام فی سبیل اللہ ہو جاتے ہیں فرمایا کہ ہماری سمجھ میں ابھی یہ بات نہیں آئی کہ روسی یا اشتراکی نظام سے امن کیسے پیدا ہو اور خوشحالی کیسے ہو سکتی ہے اس کا کفیل تو اسلامی نظام ہے جو اخلاق کے بل پر اقتصادی اور سیاسی نظام کو قائم کرتا ہے۔

---

۴ شوال المکرم ۱۳۶۶ھ مطابق ۲۱ اگست ۱۹۴۷ء رائے پور

مولانا حبیب الرحمٰن صاحب کو حضرت والا نے فرمایا کہ میں تمہارے سیاسی نظریات اور حضرت مدنی مدظلہ العالی کے ارشادات کو حق سمجھتا ہوں مگر لوگ عقل سے کام نہیں لیتے اور جیسا خیال تھا کہ پاکستان بننے کے بعد ان کو اپنی غلطیوں کا جلد احساس ہوگا یہ ہوتا نظر نہیں آتا اور اب مجھے تجربہ ہو گیا کہ قومیں جب تباہ ہوا کرتی تھیں تو ان کو سیدھی بات بھی کیوں سمجھ میں نہیں آیا کرتی تھی پہلے صرف کتابی اور اجمالی علم تھا اب تجربہ اور مشاہدہ سامنے ہے یہ سب کچھ ہے مگر جب اور پاگل ہو گئے ہیں تو ہم کو زیادہ عقل سے راہ نکالنے کی کوشش کرنے کی ضرورت ہے اس لیے میرا خیال ہے کہ اگرچہ زمینداروں کو پہلے کا سا عروج اب نہیں رہ سکتا مگر ہو سکے تو ایسا کرو کہ ان کی اصل زمینیں کسی طرح فی الحال ان کے پاس رہ جائیں اور آخر کار ان کو اتنے حقوق تو رہ جائیں جو ایک کاشتکار کو رہا کریں گے۔

۲۰ رمضان المبارک ۱۳۶۷ھ مطابق ۱۱ جولائی ۱۹۴۸ء اتوار۔ رائپور

شام کی مجلس میں یہ فرمایا کہ میاں عبدالرحیم صاحب سہارنپوری کا تکیہ کلام تھا میرا چاند
آپ نے اپنے ایک مرید کو جو قافلہ کے ہمراہ بندرگاہ پر حج کے ارادہ سے گیا ہوا تھا خط لکھا کہ
میرے چاند اب جو جہاز چلنے کو ہے اس میں اگر مفت بھی بٹھائیں تو سوار نہ ہونا چنانچہ اس جہاز
میں سہولت کے باوجود اور اس جہاز کے عین منزل وقت پہنچنے کے قرینے کے باوجود اپنے
ساتھیوں کے اصرار کے باوجود ان صاحب نے جہاز پر سوار ہونے سے انکار کر دیا اور بتا دیا
کہ حضرت میاں صاحب کا ایسا خط آیا ہے اس لیے میں سوار نہیں ہوتا چنانچہ وہ اس کے بعد
والے جہاز پر سوار ہوئے مگر یہ دوسرا جہاز پہلے سے پہلے جدہ پہنچا۔ معلوم ہوا کہ پہلے جہاز کے
مسافروں میں بیماری پھیل گئی اس وجہ سے اس جہاز کو راستہ میں ایک پہاڑی پر بہت دن تک
قرنطینہ ٹھہرنا پڑا اور بعد میں پہنچا، بعض غیر مقلد بھی حضرت کے ان مرید کے ساتھ تھے انہوں نے
بھی اس واقعہ سے متاثر ہو کر کہا کہ ہم ہند واپس آکر میاں صاحب سے ملیں گے معلوم نہیں
کہ ملے یا نہیں۔ نیز حضرت والا نے فرمایا کہ یہ کشف وغیرہ اصل مقصود نہیں یہ کسی کو ہوتا ہے کسی
کو نہیں اصل مقصود تو اصلاح اخلاق ہے جتنا تعلق جس سے ہوتا اتنا ہی اس کے اخلاق آدمی
جذب کرتا ہے اسی لیے اگر کامل سے محبت کا تعلق ہو تو زیادہ نفع ہوتا ہے جس کو خدا سے
محبت ہو اس میں وہاں کی باتیں اثر کرتی ہیں۔ مگر خدا کی محبت والوں سے جتنا تعلق ہوا اتنا ہی
خدا کی محبت بھی آتی ہے مولانا نعمانی نے دریافت کیا کہ اللہ والوں سے تعلق کیسے ہو فرمایا یہی
محبت رہے اور ذکر کرتا رہے۔

۴ رمضان المبارک ۱۳۶۷ھ مطابق ۱۲ جولائی ۱۹۴۸ء سوموار، رائپور

حضرت مولانا منظور نعمانی مدظلہ العالی نے دریافت کیا کہ حضرت ایمانیات میں کیا تردد ہوتا ہے فرمایا یہی کہ ہم خاص ماحول میں پرورش پاتے ہیں اور تقلیدی طور پر خاص خیالات دل میں گھر کر جاتے ہیں نہیں معلوم ہم حق پر ہیں یا دوسرے اس گفتگو سے پہلے یہ ذکر تھا کہ اللہ کا نام خواہ بغیر دھیان لیا جائے نفع بخش ہے یا نہیں مولانا نعمانی کے اس سوال کا جواب حضرت والا نے یہ دیا تھا کہ ہاں ہوتا ہے۔ تبارک اسمک بابرکت ہے نام تیرا۔ چنانچہ وہ دھیان کی طرف لاتا ہے اور دھیان سے ہو تو نفع اور زیادہ ہوتا ہے، بابو آتمارام آریہ نے مباحثہ نگینہ میں کہا تھا کہ جو زبان سے کہا جائے اس کا دل پر اثر ضرور ہوتا ہے اور یہ فلسفہ کا مانا ہوا مسئلہ ہے اس پر تذکرہ چلا کہ حضرت کیا آپ اس مباحثہ میں تھے فرمایا جی تھا مولانا نعمانی سے حضرت نے دریافت کیا کہ آپ نہیں تھے انھوں نے عرض کیا کہ میری پیدائش ۲۳ھ کی ہے جس سال حضرت گنگوہی علیہ الرحمۃ کا وصال ہوا تھا حضرت والا نے فرمایا تب تو آپ ابھی اس مناظرہ کے زمانہ میں پیدا بھی نہیں ہوئے تھے مناظرہ نگینہ حضرت گنگوہی کے وصال سے ایک سال پہلے ہوا تھا اس میں ہمارے بہت حضرات گئے تھے مولانا احمد حسن صاحب امروہی بھی تھے مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری مسلمانوں کی طرف سے مناظر تھے مناظرہ نگینہ میں اس پر بحث تھی کہ آسمانی اور خدائی کتاب وہ ہو سکتی ہے جو ابتدائے آفرینش سے ہو اور عقل کے مطابق ہو، یہ پنڈت آتمارام کی طرف سے تھا۔ اس پر مولانا ثناء اللہ صاحب نے ویدوں کے منتروں میں سے کچھ ایسا پیش کیا کہ تم اپنے بزرگوں کے طریق پر جو تم سے پہلے ہو چکے ہیں چلو ہر چند آریہ مناظر اس سے نکلنے کی کوشش کرتا مگر مولانا

شنا۔ اللہ صاحب نے ہلنے نہیں دیا آخر تیسرے دن آتمارام جی نے کہا کہ بس میں جو کچھ کہہ سکتا تھا کہہ چکا اور کوئی بات میرے پاس اس سلسلہ میں نہیں اسی پر مناظرہ ختم ہو گیا۔

حضور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت نے صحابہ کو کیسے کیا بنا دیا سلطنت بنانے والے تو دنیا میں بہت گذرے مگر یہاں تو ابتداء میں اس کا خیال تک نہ تھا دنیوی نفع پر تو بہت لوگ جمع ہوتے ہیں اور ہوئے ہیں مگر خالص عبادت الٰہی پر اور اصلاح اخلاق پر لوگوں کا جمع ہونا جبھی ہوتا ہے اگر جمع کرنے والے میں یہ خوبیاں بدرجۂ وافر ہوں، سلطنت تو صحابہ کو بعد میں مل اور روجوہ سے مل گئی۔ ابتداء میں اس کا نہ تصور اور نہ وہم وگمان تھا نہ ایسا کوئی بلاوا۔ جو تر دو تھا وہ اسلام کے اندر جو فرقے ہیں ان میں تھا۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھ کر یہ جی میں آتا تھا کہ یہ ایسے شخص کا چہرہ نہیں جو باطل پر ہو جیسے حضور کے سامنے دیہاتی آکر دل سے پکار اٹھتے تھے کہ یہ جھوٹے کا چہرہ نہیں اس پر مولانا نعمانی نے فرمایا کہ حضرت رابعہ بصری کا قول ہے کہ صحابہ تم سے نمازوں وغیرہ میں زیادہ نہ تھے مگر دین کا وقار ان کے دل میں زیادہ تھا ایسا ہی کسی کا قول حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے حق میں مولانا عبدالمنان صاحب میواتی نے پڑھا۔ حضرت والا نے فرمایا کہ اصل بات یہی ہے کہ دیکھ کر خدا یاد آ جائے ورنہ آجکل کے ہم مسلمان تو ایسے ہیں کہ ہمیں دیکھ کر کوئی اسلام کی طرف مائل کیسے ہو۔

---

۵ رمضان المبارک ۱۳۶۷ھ مطابق ۱۲ جولائی ۱۹۴۸ء منگل۔ رائپور

فرمایا صحابہ کرام کی ہر شئے میں فوقیت کی وجہ ایک چیز یہ تھی جو ان کے دلوں میں ڈالدی

گئی تھی وہ حقیقت کیا تھی حضرت والا نے فرمایا کہ جس طرح کسی کو کسی چیز کا خیال لگ جائے قرآن کو دین کا ہمہ گیر خیال ایسا لگا ہوا تھا جو اوروں کو حاصل نہیں آجکل بھی بعض چیزوں کا بعض آدمیوں کو خاص خیال لگ جاتا ہے یہ اس کے سمجھنے کی مثال ہے۔

حضرت خالد بن ولید کا شام کی ایک ایسی جنگ کا قصہ ہے کہ اس سے پہلے بہت سی فتوحات ہو چکی تھیں، تین دن ایسا ہوا کہ جنگ کی مشغولیات سے واپس آتے مگر خیمہ میں چھینکے پر روٹی نہ ہوتی۔ کبھو ریا ستو یا جو ملتا اس سے اپنا کام چلاتے مگر غلام سے نہ کہا تیسرے دن خادم کو بلا کر کہا بیٹا قرآن میں ہے کہ انسانی جسم کا قیام کھانے پر ہے آخر کیا وجہ ہے کہ تین دن سے مجھے کھانا نہیں ملا۔ اس نے حیران ہو کر جواب دیا کہ میں تو روز کی روٹی حسب معمول پکاتا ہوں اپنا حصہ کھا لیتا ہوں آپ کا حصہ چھینکے پر رکھ دیتا ہوں اور سمجھتا رہا کہ آپ آکر کھا ہی لیتے ہوں گے۔ حضرت خالد بن ولید نے کہا اس میں بھی کوئی بہتری ہے دیکھو کہ روٹی کون لے جاتا ہے اگلے روز دیکھا کہ سامنے کے محصور شہر میں سے بدرو کے راہ ایک کتا آتا ہے اور روٹی لے کر اسی شہر میں چلا جاتا ہے چنانچہ اسی راہ سے گھس کر اس شہر کو جو کافی مہم کے بعد بھی فتح نہ ہوتا تھا فتح کر لیا۔

حضرت عمر نے ابو عبیدہ کا جبکہ سپہ سالار تھے امتحان لیا۔ سب کے گھر گئے تو ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کے گھر سوا پیالہ اور ایک دو اور معمولی چیزوں کے کچھ نہ پایا تو رو پڑے کہ ادھر سب میں تغیر ہوا مگر اے امین الامت آپ اسی حال پر ہیں جس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم چھوڑ گئے تھے انہوں نے جواب دیا کہ اس سے زیادہ چیزوں کی ضرورت ہی نہیں پڑتی یہ ان لوگوں کا حال ہے جن کے ہاتھوں پر ملک کے ملک فتح ہوئے اور بے حد سامان حاصل ہوئے۔ فرمایا کہ مال و دولت کی کثرت وراثت وغیرہ پر عمل نہ کرنے سے ہے لوگ حیلے حوالے کر لیتے ہیں۔

ٹھیک حصہ بانٹتے نہیں ورنہ یہ دولت تو ایک جگہ جمع ہو کر سرمایہ نہ بنا کرے ——— گو میرا جی چاہتا ہے کہ کوئی سمجھدار اچھا لکھنے والا اسلامی نظام پر کچھ لکھے تاکہ لوگوں کی توجہ اس کی طرف مائل ہو۔

۶ر رمضان المبارک ۱۳۶۵ھ مطابق ۴ر جولائی ۱۹۴۶ء بدھ رائپور

حضرت والا نے حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی سے دریافت کیا کہ حضرت جو بزرگ وصال کے وقت کسی کو اپنی نسبت منتقل کر دیتے ہیں یہ کیا معاملہ ہے فرمایا اگر نسبت اور کو مل گئی تو کیا وہ خالی رہ گئے فرمایا کہ نہ تو کوئی اپنی مرضی سے نسبت دوسرے کو دے سکتا ہے نہ یہ منتقل ہوتی ہے اسے یوں کہو کہ ایک صاحب رشد و ہدایت کے فوت ہو جانے پر اللہ تعالیٰ کسی دوسرے اہل کو اگر چاہے وہ نسبت القاء کر دیتا ہے تاکہ وہ کام جو اللہ تعالیٰ بزرگ کے ذریعہ لے رہے تھے اب کسی دوسرے سے لینے لگیں۔ مولانا نعمانی نے نسبت کی حقیقت کے متعلق سوال کیا فرمایا جو تعلق بندہ کو خدا سے ہوتا ہے وہی نسبت کہلاتا ہے۔ عام طور پر بھی لوگوں کو یہ چیز اپنے مولا سے ہوتی ہے مگر معتد بہ اور وافر کے لیے جو خصوصی ہو یہ لفظ بولتے ہیں۔ مولانا نعمانی کے مزید دریافت کرنے پر فرمایا کہ یہ تعلق اس وقت بھی رہتا ہے جب دھیان اور استحضار نہ رہے مگر اللہ کے بندوں کو دھیان اور استحضار مسلسل بھی رہتا ہے پھر نسبت کا رنگ سب کا ایک نہیں ہوتا کسی کو کوئی رنگ غالب ہوتا ہے کسی کو کوئی غلبے کے لحاظ سے نام بھی پڑ جاتا ہے ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شیخ الہند کی طبیعت میں بڑی یکسانیت تھی ہمارے حضرت نے مرض کے ایام میں مجھے فرمایا کہ حضرت سہارنپوری

سے جاکر میری طرف سے بیعت جہاد کر اور اپنی طرف سے بھی حالانکہ لوگوں میں مشہور ہے کہ حضرت سہارنپوری ان معاملات میں بالکل نہ تھے مگر جب میں اپنے حضرت کے وصال کے بعد حضرت سہارنپوری کی خدمت میں حاضر ہوا تو مجھ سے دریافت فرمایا کہ حضرت نے کچھ فرمایا ہے، میں نے عام باتیں بتائیں، پھر حضرت نے الگ دوبارہ دریافت فرمایا کہ وہ حضرۃ شیخ الہند والے کام کے بارہ میں کچھ فرمایا ہو تو پھر میں سمجھا کہ بڑے میاں کو بھی اس میں لگا ہے تو میں نے وہ عرض کیا۔ نیز حضرت والا نے فرمایا کہ بعض لوگ یوں سمجھتے ہیں کہ ہم پر صحبت اور ذکر کا کچھ اثر نہیں ہوا میرے خیال میں اثر ضرور ہوتا ہے مگر استعداد کے موافق اب اگر کوئی حالات تو خواجہ معین الدین یا حضرت مجدد صاحب کے دیکھے اور اپنے میں کمی پائے تو کہے وہ بات نہیں ہوئی۔ وہ کیسے ہو ان کی استعداد جب اس میں نہیں، ہاں اپنی استعداد کے موافق کچھ نہ کچھ فرق ضرور پائے گا۔

---

۱۷ رمضان المبارک ۱۳۶۷ھ مطابق ۲۵ جولائی ۱۹۴۸ء اتوار رائپور

صوفی رشید احمد صاحب گنگوہی کو حضرت والا نے فرمایا کہ اس آیت سے جس میں ذکر ہے کہ یہ پیغمبر تو کھانا کھاتا اور بازار میں آتا جاتا ہے خیال آتا ہے کہ ولایت تھوڑا کھانے یا زیادہ روزے رکھنے اور کاروبار چھوڑ کر بیٹھنے میں نہیں بلکہ عام آدمیوں کی طرح رہنے والوں میں سے جو ایمان، نیک کام اور تقویٰ میں بلند ہوں وہ پیغمبروں کے مطیع اور کاروباری بھی ہوں تو سبحان اللہ اچھے آدمی ولی ہوتے ہیں بشرطیکہ اخلاق اور عادات وغیرہ اچھے ہوں۔

۹ر شوال المکرم ۱۳۶۶ھ مطابق ۱۵ر اگست ۱۹۴۸ء اتوار ۱۱ بجے پونے

مجلس کے اندر بعض حضرات نے یہ تذکرہ کیا کہ دہلی میں نئی نسل دین سے دور تو ہے ہی لیکن ظاہری شکل و صورت میں بھی اجنبی ہوتی چلی جا رہی ہے اعتقاد بھی دن بدن مذبذب اور متزلزل ہوتا جا رہا ہے مقامات مقدسہ مساجد و مقابر کی اعلانیہ توہین و تذلیل ہو رہی ہے نئی نسل کہتی ہے کہ کوئی عذاب اور بربادی ان مقامات کی توہین و تذلیل کرنے والوں پر نہیں آتی تو معلوم ہوتا ہے یہ سب دین دھرم خدا رسول نیکی بدی توہمات ہیں۔

اس پر حضرت والا نے فرمایا کہ بنی اسرائیل جو پیغمبروں کی اولاد اور اپنے زمانہ کے مسلمان تھے ان کو اللہ نے سورۂ بنی اسرائیل میں فرمایا لتفسدن فی الارض مرتین الٰی آخرہ کہ تم دو دفعہ زمین میں فساد پھیلاؤ گے اور تکبر کرو گے تو ہم تم پر اپنے بندے مسلط کر دیں گے بخت نصر کو جو اسلام سے دور تھا اپنا بندہ قرار دیا اور بنی اسرائیل کو جو مسلمان تھے بربادی کا وعید سنایا اور اس کو تکبر کا نتیجہ فرمایا۔ میں آج بھی دیکھتا ہوں کہ مسلمانوں میں تکبر زیادہ ہے اور ہندوؤں میں بہت کم ہے خدا تعالیٰ کا معاملہ اخلاق پر منحصر ہے اور تکبر اخلاق کو خراب کرنے میں سب سے بڑھ کر ہے اور سب برائیوں کا سر ہے اسی لیے آیا ہے کہ جس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر تکبر ہوگا۔ وہ جنت میں نہ جانے پائے گا۔ فرمایا مسلمانوں پر جو ادبار آ رہا ہے وہ تکبر کی وجہ سے ہے یہ بھی فرمایا کہ لوگ بھول جاتے ہیں یاد نہیں رکھتے۔ پچھلے انگریزی دور میں مسلمانوں نے بھی ہندوؤں کو بہت ستایا۔ سہارنپور کے فساد پر جو ایک زمانہ میں آخریوں پر ہوا تھا مسلمانوں نے کیا کیا نہیں کیا وہ لوگوں کو بھولا تو نہیں مگر مسلمان نہیں معلوم اتنی جلدی کیوں بھول جاتے ہیں؛ اس وقت مسلمانوں نے ہندوؤں کو مارا لوٹا اور خدا جانے کیا کیا متکبرانہ باتیں

کیں پھر اب دیکھ لو اس وقت جو ہو رہا ہے اب اس کا بدل بھی تو ہونا تھا وہ کرانے والا تو اب سات سمندر پار جا بیٹھا اور بھگتنا ان بے وقوفوں کو پڑ رہا ہے تکبر بُری چیز ہے خواہ کسی کے مقابلہ میں ہو۔ نیز فرمایا ایک بڑے راؤ صاحب جو بڑے حضرت کے پاس آیا کرتے تھے ان کا میں معتقد تھا کہ یہ بڑے نرم مزاج اور نیک ہیں ایک دفعہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ وہاں تھے نہیں وہ بیٹھے تھے اور میں بھی تھا کہ ایک چمار ادھر سے گزرا یہ تو معلوم نہیں کہ ان کو اس چمار کے متعلق کیا شکایت تھی مگر اسے بہت گالیاں دیں اور رات نے بجائے اس کی کہ میرا سارا اعتقاد ختم کر ڈالا۔ تب میں سمجھا کہ یہ تو چھپے رستم نکلے اسی طرح ایک موقعہ پر ایک راجپوت نے ایک چمار کو پیٹا۔ وہ اور تو کچھ نہ کہہ سکتا تھا مگر یہ کہتا تھا کہ چمار کی کوئی زندگی نہیں ایک دفعہ ایک جگہ راؤ صاحبان کا کوئی مہمان سفر سے آ رہا تھا راستے میں ایک بیمار غریب رعایا کا آدمی بیماری کی حالت میں سردی کا موسم تھا دھوپ سینکنے کے لیے جھونپڑی سے باہر نکل کر بیٹھا ہی تھا کہ وہ مہمان راستہ پر جاتا ہوا اس کے پاس سے گزرا مہمان کے پاس کچھ بوجھ یعنی پوٹلی سی تھی اس نے بیمار سے پوچھا یہاں کوئی آدمی ہے جو یہ پوٹلی ذرا فلاں صاحب کے مکان تک لے چلے اس بیمار نے کہا جی ہم بیمار ہیں ..... مہمان نے جو خود راجپوت تھا ڈانٹ کر کہا اچھا تیرا یہ مزاج ہو گیا ہے اسے آگے لگا لیا اور بوجھ اٹھوا دیا اور راؤ صاحب کے مکان پر جا کر کہا آپ لوگوں کا کچھ انتظام نہیں آپ لوگوں نے رعایا کو بگاڑ رکھا ہے اور میزبان راؤ صاحب نے یہ بات سن کر اس بیمار کی سنے بغیر اسے پیٹ ڈالا اور گالیاں دیں یہ تو ان کو پتہ ہی نہ تھا کہ میری رعایا میں یہ بیمار بھی ہے یا تندرست، اور اس کا عذر کیا ہے آخر آج اس کا بدل بھی سامنے ہے۔

حضرت والا نے یہ بھی فرمایا کہ میں جہاں تک سمجھا ہوں یہ جو کہتے ہیں فلاں کی اصلاح ہو گئی تو اصلاح سے مطلب کچھ زیادہ عبادت، ریاضت، نوافل کی کثرت اور روزے وغیرہ نہیں،

بلکہ نفس کا ٹوٹنا یعنی تکبر کا ٹوٹنا ہے باقی سب کچھ اسی بات کے لیے ہے حضرت گنگوہیؒ کا نمک جلنے کا مشہور واقعہ بیان فرمایا کہ وہ نفس کا توڑنا ہی تھا آجکل ایسی مشقتیں مشائخ اس لیے نہیں لیتے کہ زمانہ کو نفس کی اصلاح کا اہتمام اور قدر نہیں اس لیے اتنی محنت کرنے کا ارادہ نہ کریں گے اس لیے خیال کر لیا گیا کہ ذکر کی برکت سے ہی کچھ نہ کچھ جو ہو جائے غنیمت ہے۔

۱۸ر شوال المکرم ۱۳۶۷ھ مطابق ۲۴ر اگست ۱۹۴۸ء منگل رائے پور

صبح کی مجلس میں خواجگان چشت کے ملفوظات اور ان حضرات کے حالات پر حضرت والا نے روشنی ڈالی کہ یہ حضرات سیاسیات سے بالکل الگ اور اصلاح خلق کے کام میں پورے اخلاص و مستعدی سے منہمک تھے اور ہماری بھی یہی لائن ہے مگر لوگ اس لائن میں آجکل دلچسپی نہیں لے رہے کیونکہ دوسری ضروریات اور جمہوریت کے پیش نظر مشغولیات عامہ نے زندگی کا رُخ اور طرف پھیر دیا ہے آج کھانے کی مجلس میں حضرت اقدس نے فرمایا کہ ہمارا یہ مکان چھت سے بہت ٹپکتا ہے اس کے حجروں کو لیپنے کا کام بھائی الطاف کیا کرتے ہیں اور حاجی ظفر الدین نے مٹی وغیرہ درست کی ہے اب کھانا تیار کر کے لائے ہیں اس مکان کے ٹوٹوں کے سرے بالکل کھلے ہوئے ہیں اچھا ہے اسی میں عمر کا کافی حصہ گزر رہا ہے اور گزر جائے گا کسی نے عرض کیا کہ اس چھت پر ٹین ڈلوا دینا چاہیئے۔ حضرت والا نے فرمایا دھیلے کی بڑھیا ٹکہ سر منڈائی، ٹین ڈال کر اس پر کیا کرنا ہے کافی گزر گئی اب نہیں معلوم کتنی باقی ہے اب کاہیکو ایسا کرنا ہے نیز مولانا حبیب الرحمن سے فرمایا کہ خواجگان چشت کے ملفوظات کے

ؔ حضرت شاہ ابو سعید گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ

جو رسالے آجکل آپ دیکھ رہے ہیں ان میں سے کچھ سناؤ تو مولانا نے خواجہ اجمیریؒ، حضرت قطب صاحب، بابا فرید صاحب، حضرت نظام الدین اولیاء اور امیر خسرو علیہم الرحمۃ کے رسالوں سے جو ان حضرات نے اپنے اپنے شیخ کے ملفوظات میں لکھے ہیں تھوڑا سا سنایا۔

---

۲۰ شوال المکرم ۱۳۶۱ھ مطابق ۲۶ اگست ۱۹۴۲ء جمعرات رائے پور

کھانے کی مجلس میں حضرت والا نے کسی وجہ سے سہارنپور کا اپنا طالب علمی کے زمانہ کا ایک واقعہ بیان فرمایا کہ میرا ایک ساتھی طالبعلم تعلیم میں کچھ ایسا ہی تھا ان دنوں وہاں ایک پیر صاحب شہر میں آئے حالانکہ آم بہت کم اور بہت گراں ہو رہے تھے مگر ان کے معتقد لوگ بہت آم مٹھائیاں اور زردہ پلاؤ وغیرہ اچھے اچھے کھانے لاتے تھے وہ پیر صاحب اپنے مریدوں اور درویشوں کا مجمع بھی ساتھ رکھتے اور عموماً دور دور تک پیدل چلنے کے عادی تھے میں نے اپنے ساتھی کو مذاق کے طور پر کہا کہ تم پڑھ کر کیا کرو گے ان پیر صاحب کے ساتھ ہو لو خوب مزے اڑاؤ گے، یہ مدرسہ کا روکھا سوکھا کھانا چھوٹ جائے گا۔ زردہ پلاؤ ملا کرے گا اس کی سمجھ میں آگیا اور وہ چند منزلیں ساتھ ہو لیا۔ رڑکی کے پاس کسی گاؤں میں وہ جا ٹھہرے اور وہاں ان کو دھانوں کی روٹیاں کھانی پڑیں اس طالبعلم نے صبر کیا کہ کبھی ایسا بھی ہو جاتا ہے مگر دیہاتی سفر میں ایسا ہی پیش آتا رہا اور طرفہ یہ کہ آدھی رات سے پیر صاحب ساتھیوں کو جو خود نہ اٹھتے لاتیں مار کر جگاتے اور کہتے غسل کرو، پھر ذکر کراتے دن کا لمبا لمبا پیدل سفر راتوں کو یہ نہانا اور شب بیداری اور پھر کھانے پینے کی دیہاتی سادگی سے وہ طالبعلم چند روز بعد ان کا ساتھ چھوڑ کر پھر مدرسہ میں سہارنپور آگیا اور مجھے مل کر بتایا کہ وہاں شہر

کی سی بہر صورت اور مزے اڑانا نہیں ہوتا وہاں تو طویل پیدل سفر دن میں رات کو لاتوں سے جگا دینا اور نہلا کر ذکر میں لگا دینا اور کھلانے کو دھان کی روکھی سوکھی روٹیاں تھیں اس لیے میں بھاگ آیا۔ فرمایا یہ پیر صاحب امروہہ کے رہنے والے سید زادے تھے ان کے والد شیعہ تھے والد فوت ہو گئے تھے ایک بزرگ کی صحبت سے یہ سنی ہو گئے اور پھر اچھے خاصے پیر بن گئے نیک آدمی اور اچھے لوگوں میں تھے ضلع بجنور میں بالوں والی کی طرف کہیں ان کا انتقال ہوا ہے اور ادھر ہی مزار ہے ان کے ساتھی درویشوں میں ایک صاحب نے مجھے بھی ان سے بیعت ہونے کی ترغیب دی اور سفر کرنے اور ذکر و شغل کے حالات بتلائے تھے سنا ہے وہی صاحب پھر ان کے خلیفہ بھی ہوئے مگر میں تو ان کے ساتھ نہیں گیا میں اتنی محنت کیا کرتا۔ انہوں نے یہ بھی بتایا کہ پیر صاحب نے جماعت سے نماز نہیں پڑھی کیونکہ امام کے سر پر ٹوپی تھی اسے کہا بھی کہ عمامہ باندھ لے مگر اس نے ٹوپی ہی سے جماعت کرائی اس سے میں سمجھا کہ وہ مسائل سے ناواقف ہیں۔ وہ قوالی سنتے تھے اور خوب سنتے تھے اس پر مولانا حبیب الرحمن صاحب نے عرض کیا کہ حضرت ہمارے سلسلہ کے ہندوستانی بزرگ جو اوپر کے سلسلہ میں گزرے ہیں ان کے متعلق خواہ ہم مانیں یا نہ مانیں مگر تاریخی طور پر سماع تو بالکل ثابت ہے تاریخی اعتبار سے انکار کی قطعاً گنجائش نہیں۔ حضرت اقدس نے مولانا کے بیان کی اہمیت کو سمجھا اور فرمایا کہ قریب اور سامنے آ بیٹھو اور غور سے سنو حضرت گنگوہی علیہ الرحمۃ کی شان مجددی کی ہے اور میں بھی وہیں بیعت ہوتا مگر اس لیے کہ وہاں حضرت شیخ الہند اور حضرت سہارنپوری جیسے حضرات ہیں اپنی کیا دال گلے گی لہٰذا حضرت رائے پوری علیہ الرحمۃ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اگر حضرت رحمۃ اللہ علیہ حضرت گنگوہیؒ سے بیعت نہ ہوتے شاید میں بھی یہاں نہ آتا تو ایک مرتبہ میں نے اپنے حضرت کی خدمت میں جبکہ حضرت گنگوہی کا وصال ہو چکا تھا یہی بات عرض

کی . حضرت مولانا محمد حسین صاحب الہ آبادی جو ہمارے ہی سلسلہ کے بزرگ تھے اور سماع خوب سنتے تھے . اجمیر شریف میں ان کا وصال ہوا تھا

دراصل بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کو شعر سے مناسبت ہوتی ہے مجھے تو شعر سے ویسی مناسبت نہیں تو جن کو مناسبت ہوتی ہے ان کو ایک مرحلہ ایسا آجاتا ہے کہ قبض بغیر سماع آسانی سے زائل نہیں ہوتی ان کو ایسا کرنے کی اجازت ہوتی ہے مگر بقدر ضرورت ۔ چنانچہ باوجود اس کے کہ میں شعر سے مناسبت نہیں رکھتا مجھے ایک دفعہ ایسا ہوا کہ پرانے کوئی کوئی شعر جو کبھی سنے ہوئے تھے یاد آنے لگے اور پڑھنے کا ولولہ پیدا ہوا جس کی ایسی حالت ہو اس کے لیے کوئی حرج نہیں مگر شرائط کے ساتھ۔ سماع کی یہ خاصیت ہے کہ اس سے جو اندر ہے وہ جوش ابھرتا ہے تو ایسا ابھار پیدا کرنے اور گرمانے کے لیے اگر شعر پڑھ لیا جائے تو اور بات ہے تو ہمارے ان بزرگوں نے ایسے حالات میں کیا اور لوگ بھی اس زمانہ کے سیرت کے لحاظ سے بُرے نہ تھے مگر اس زمانہ کے حالات کے پیش نظر حضرت گنگوہی نے بالکل منع فرما دیا تھا کہ ایسی مجالس مضر ہیں اب لوگوں میں فسق ہے اور جو اندر ہے سماع اسی کو ہوا دیگا باقی یہ تو میں بھی کہا کرتا ہوں کہ ذکر عاشقانہ طرز پر کرنا مفید ہے وظیفہ کے طور پر پڑھنا اتنا مفید نہیں ۔

---

۲۲ شوال المکرم ۱۳۶۷ھ مطابق ۲۸ اگست ۱۹۴۸ء ہفتہ رائے پور

صبح کی مجلس میں حضرت والا نے فرمایا کہ ہم میں قحط الرجال ہے کوئی جامع آدمی نہیں، دیوبند میں بھی بہت عرصہ سے صرف ایک ایک آدمی چلا آتا ہے مگر شکر ہے کہ خالی ابھی نہیں ہوا

حضرت مدنی جامع آدمی ہیں اور کوئی ہمیں نظر نہیں آتا عرض کیا گیا کہ حضرت مدنی تو لوگوں کو حضرت کی طرف بھیجتے ہیں فرمایا دوسروں کی دولت زیادہ معلوم ہوا کرتی ہے یہ حضرت مدنی کی نیک گمانی ہے ورنہ ہم میں کیا رکھا ہے فرمایا آدمی مشکل سے بنتا ہے حضرت مدنی نے چھوٹی عمر میں ان حضرات یعنی شیخ الہند اور دوسرے حضرات سے پڑھا اور گنگوہ بیعت ہوئے پھر مدینہ منورہ گئے۔ مگر پھر آکر شامل درس ہو جاتے تھے حضرت شیخ الہند فرمایا کرتے تھے کہ ان مولوی حسین احمد کو دیکھو سینگ کٹوا کر پھر بچھڑوں میں آشامل ہوئے پھر حضرت کی صحبت اٹھائی۔ کسی نے کہا کہ حضرت بڑی محنت کرنی پڑی، فرمایا او ہو محنت کچھ نہیں اصل تو تعلق محبت اور خدمت ہے محبت ہے اور عشق کی بات ہے شیخ سے عشق ہو تو عشق بڑی آسانی سے سب کچھ کرا دیتا ہے وہی استاد راہ ہو جاتا ہے زیادہ محنت اور پڑھنے پڑھانے سے کچھ نہیں بنتا بلکہ دماغ کمزور ہو جاتا ہے یہ پیر کی محبت اسکی خدمت اور اس کی صحبت کی برکت ہے حضرت مدنی نے پڑھانا بھی اسی لیے اختیار کیا کہ لوگ آئیں مگر اچھی استعداد کے لوگ آتے نہیں جب لوگ نہ آئیں تو آدمی کہاں سے بنیں۔

---

۵ محرم الحرام ۱۳۶۵ھ مطابق ، نومبر ۱۹۴۵ء اتوار رام پور

مغرب کے بعد کی مجلس میں فرمایا کہ مسلمانوں کی سیاسی حیثیت کا ذکر ہم ضرور کرتے ہیں مگر اس سے بھی زیادہ جس چیز کی طرف میں توجہ دلانا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ زندگی کو غنیمت شمار کرو ذکر الٰہی میں لگو اور اخلاق سنوار لو کہ بے شمار انبیاء علیہم السلام، بے شمار اور بہت زیادہ اولیاء کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اپنے مشاہدات صادقہ کی بنا پر فرمایا ہے کہ

آخرت میں ایمان اور عمل کام آئیں گے ہر نبی کو جنت دوزخ اور آخرت کا مشاہدہ کرایا گیا ہے اور اولیاء کرام کو بھی اکثر ایسا ہوا ہے ان کا ایمان حقیقی تھا وہاں ظن وتخمین اور عقلی دلائل اور سماعی باتوں پر بنیاد نہ تھی بلکہ مشاہدہ پر وہ گواہ تھے اور گواہ سنی سنائی یا قیاسی بات نہیں بلکہ دیکھی کہا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ جسے چاہے یقین دیتا ہے یقین دیکھنے سے مکمل ہوتا ہے میں تو نہیں مگر میں نے اپنے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا ہے کہ ان کو کیا کچھ حاصل تھا اور سچ ہے مجھے بھی ابتداء میں مالیخولیا تھا کہ ہم ایسی چیز پر کیسے یقین لا سکتے ہیں جو دیکھنے سننے چھونے میں نہ آسکے مگر حضرت کی برکت سے یہ سمجھ میں آگیا اور دل میں اتر گیا کہ اللہ چاہے تو ضرور یقین حاصل ہو جاتا ہے پس جب آخرت میں اپنی کمائی سے کام پڑتا ہے تو جو ہو سکے کما لو دنیا کا کیا ہے یہ میری عمر کے مجھ سے کچھ چھوٹے یا بڑے یہاں کے نواب صاحب تھے ان کی رنگ رلیاں اور ہماری غربت اب ایک ہو گئی۔ مگر جو چین ذکر الٰہی کی وجہ سے ہوتا ہے۔ وہ دنیا کے اعلیٰ سے اعلیٰ لوگوں کو کیا نصیب وہ تو دنیا میں بھی عذاب میں رہتے ہیں اور برے عمل ہوں تو آخرت میں بھی خدا جانے کیا ہو گا اللہ والے دنیا میں بھی اطمینان سے رہتے ہیں اور آخرت میں تو ان کے مزے ہیں ہی۔ لوگ بزرگوں کی سوانح عمریاں لکھتے ہیں کہ فلاں جگہ فلاں خاندان میں پیدا ہوئے اور یہ ہوا وہ ہوا۔ یہ فرمایا وہ فرمایا۔ ایسا کیا ویسا کیا اور آخر فلاں سن میں وصال ہو گیا مگر لکھنے والے اس راحت اور حالت کے متعلق کیا کہہ سکتے ہیں اور کیسے کہہ سکتے ہیں جو اللہ والوں کو دنیا میں ہی حاصل ہے کہ وہ نہ اسے بیان کر سکتے ہیں اور نہ وہ کہنے میں آسکتی ہے تو یہ سوانح عمریاں کیا ہوئیں جب زندگی کی اصل بات ہی کا اس میں ذکر نہ آیا۔

۶ ر محرم الحرام ۱۳۶۸ھ مطابق ۸ ر نومبر ۱۹۴۸ء سوموار ۔ رامپور

مغرب بعد کی مجلس میں مولانا عبدالوہاب صاحب کے دریافت کرنے پر حضرت والا نے فرمایا کہ ہاں یہ ذکر جہر جیسا آپ سمجھے صرف و نحو کی طرح ہے جو بعد میں ضروری نہیں ہوتا۔ نیز فرمایا کہ استعداد دیکھ کر ذکر و شغل کرانا چاہیئے جس کی استعداد زیادہ نہ ہو اسے تھوڑا بتلا کر اسی پر لگے رہنے اور دوسرا کام دیکھنے کو کہنا چاہیئے اور جس کی استعداد بلند ہو اسے زیادہ ذکر وغیرہ میں نہ لگنا چاہیئے ورنہ دماغ خراب ہو جایا کرتا ہے چنانچہ مرزا پور کے شوق بند و صاحب کا ذکر فرمایا کہ وہ بہت اچھے چل رہے تھے مگر پھر دماغ اس درجہ ہو گیا کہ نیت نماز کی باندھ رکھی ہے اور میں استنجا وغیرہ کو نکلا تو نیت باندھے میرے پیچھے ہولئے اور ہم رات کو سوتے مگر وہ مراقب رہتے اس زیادتی کے باعث دماغ پر اثر پڑ گیا حالانکہ میں روکتا تھا مگر وہ باز نہ آتے تھے ہر وقت مراقب دیکھے جاتے تھے آخر دماغ زیادہ چل گیا اس بات کی بھی تصویب فرمائی کہ تعلیم میں بھی ہمیں بچوں کی استعداد کے مطابق کام لینا چاہیئے جن کا ذہن اور دماغ معمولی ہو انہیں ضروریات کی معمولی تعلیم دے کر کسی کام میں لگنے کا مشورہ دینا چاہیئے اور تھوڑے لوگ جو موزوں ہوں لیے بھی ضروری ہیں جو کمال حاصل کریں اور ان میں سے تھوڑی ہی تعداد اس کمال کی اشاعت پر ہی کمر بستہ ہو جائے باقی اور امور کی طرف متوجہ رہیں کہ جب دنیا میں رہنا ہے تو دنیاوی امور پر قابو رکھنا بھی اسلامی شعار اور قومی جذبہ ہے اور نیت کے درست ہونے سے عبادت شمار ہو سکتا ہے۔

۸، محرم الحرام ۱۳۶۸ھ مطابق ۱۱، نومبر ۱۹۴۸ء ۔ جمعرات ۔ رام پور

ایک نکاح کی مجلس میں مولانا عبدالوہاب صاحب رام پوری کے دریافت کرنے پر حضرت
والا نے فرمایا کہ دنیا میں انسان کو اس لیے بھیجا گیا ہے کہ وہ رویت باری بلا حجاب کا تحمل کر سکے
اور اپنی استعداد کے موافق انسانیت عبدیت کی تکمیل کر لے یہاں پر تمام چیزیں جو تجلیات
باری کے پرتو سے عالم وجود میں آئیں اس لیے ہیں کہ انسان کو باری تعالیٰ کی طرف متوجہ کریں
باری تعالیٰ میں متوجہ کرنے والی صفات خاص طور پر تین ہیں ۔ جمال، کمال اور احسان ۔ ہر شے
کی خوبصورتی جمال کا پرتو ہے اور خوبی کمال کا اور انسان کے ساتھ اس کا تعلق احسان ہے ۔
شکر گزاری بندہ کی یہ ہے کہ وہ ہر شے کا جو عطیہ باری ہے شکریہ ادا کرے نہ صرف زبان سے
بلکہ دل سے ۔ یعنی غور و فکر کرے کہ وہ لاشئے تھا اس کو وجود بخشا نطفے ضائع بھی ہو جاتے
ہیں مگر اس کو ضائع ہونے سے بچا لیا اور حمل ضائع ہو جاتے ہیں اس کی حفاظت فرمائی، پیدائش
کے وقت اسقاط ہو جاتا ہے یا اور کوئی خرابی جس کے باعث زندگی تلف ہو جاتی ہے یا ناقص
الخلقت پیدا ہو جاتا ہے مگر خدا نے سالم اور جیتا جاگتا پیدا کیا اور خلقی نقائص سے مامون رکھا
اگر دودھ چوسنے کا الہام نہ فرماتا تو ماں باپ اور دنیا بھر کے طبیب ڈاکٹر بھی مل کر کچھ نہ کر سکتے
مگر خوراک پانے کا انتظام فرما کر ربوبیت فرمائی اس طرح زندگی کے ہر لمحہ میں کتنے احسانات
ہوتے ہیں کہ انسان گن بھی نہیں سکتا یہ مراقبہ کرے تو انسان خدا کے احسان بے شمار محسوس کرے
اور دل و جان سے شکر میں جھک جائے یہ راستہ خدا تک پہنچنے کا اس کا قرب حاصل کرنے کا،
اس کی بندگی اختیار کرنے اور اس کی ناراضگی سے دور رہنے کا اور رضا حاصل کرنے کی والہانہ
آمادگی اس کے اندر ابھرنے اور جوش میں آنے کا بڑا آسان، مضبوط، مامون اور بے غل و غش

ہے باقی جمال و کمال کی صفات کا مراقبہ بھی ہے مگر وہ راستے احسان کے راستے سے زیادہ آسان عام اور باسمن نہیں ہیں جمال حالانکہ اس میں سے ہے اور اسی میں حقیقتہً ہے ماسوا کا تمام جمال اسی کا پیدا کردہ اور عطیہ ہے مگر اس میں ٹھوکریں بے حد ہیں اور اسی لیے عشق مجازی کے راستے جانے والے اکثر منزل تک نہیں پہنچتے راستہ میں رہ جانے کی وجہ سے ہلاک ہو جاتے ہیں۔ اور کمال کا بھی ایسا ہی حال ہے فلسفی اور طبعی یعنی سائنس دان آجکل تو ان پر مادیات کا دور چھا گیا ہے اگر یہ ماحولی بات بھی نہ ہو تو بھی اس میں بہت کچھ رکاوٹ اور فریب رہا ہے۔ لیکن راستہ یہ بھی ضرور ہے اور اعلیٰ ہے مگر پھسلنوں سے پُر اور مہالک سے اٹا ہوا۔ ان سب میں احسان اور شکر گذاری کا راستہ ہی زیادہ لوگوں کی عام طبائع کے موافق آسان عام اور باسمن ہے اور قرآن میں یہ تمام راستے واضح کیے گئے ہیں فکر و بصر کی دعوت ہے۔ ان فی خلق السمٰوٰت والارض الخ۔ ما خلقنا ھذا باطلا الخ۔ افلا تتفکرون افلا تدبرون۔ افلا تعقلون وغیرہ کے الفاظ ان راستوں کی ہی نشاندہی ہیں یہ عالم اور اس کی چیزیں مثلاً باغ و بہار ہی کو لیجیے یہ سب بندہ کو مولا کی طرف لے جانے کا راستہ اور اسکی تجلیات میں چھپی ہوئی تجلیات ہیں حدیثوں میں ہے کہ اگر تجلی باری تعالیٰ پر سے کچھ پردے دور کر دیتے جائیں تو عالم تاب نہ لا سکے اور پھر آگے چل کر جنت میں بھی دیکھنے چکھنے اور سننے وغیرہ کی نعمتیں جو دنیا کی نعمتوں سے زیادہ پاکیزہ ہیں وہ بھی تجلیات باری ہیں یہاں کی نسبت کم حجاب والی ہیں مگر بے حجاب نہیں پھر یہ بھی ذکر ہے کہ ایسی تجلیاں ہوں گی کہ لاکھوں سال جنتی مست رہیں گے اور نعماء جنت کو بھول جائیں گے یہ اس وقت ہو گا جب اس کی تاب کی طاقت انسان میں نعماء جنت کی وجہ سے ہو جائے گی اس مستی کو ہی بزرگوں نے شراب عشق سے تعبیر کیا ہے کہ پھر جنت بھی نہیں چاہیے مگر شراب عشق الٰہی اور پھر یہ سلسلہ لامتناہی ہے۔

نیز فرمایا کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے جو معراج میں دکھایا اس کا بیان قرآن میں یوں ہے کہ فاوحیٰ الیٰ عبدہٖ ما اوحیٰ۔ اور امام غزالی نے تخلیہ طویل کو ذکر کرکے اس کا بیان اس طرح کیا کہ دیکھا جو دیکھا تو خدا تعالیٰ نے بھی ہماری زبان میں وہ طاقت نہیں رکھی کہ وہ معراج مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا نقشہ کھینچ سکے اور دیکھنے والے بھی بیان سے قاصر ہیں تو اب صوفیاء کے حالات کوئی کیا لکھے جو وہ خود لکھنا چاہیں تو پوری بات لکھ نہ سکیں اور کچھ ادھورا سدھورا لکھیں تو دوسرا اسے سمجھ نہ سکے۔

عشاء کی نماز کے بعد کی مجلس میں فرمایا مسلمانوں کو بجائے دوسروں کی غلطیوں اور زیادتیوں کا ماتم اور شکوہ کرنے کے اپنی غلطیوں کو ٹٹولنا چاہیے اور سمجھنا چاہیے کہ موجودہ ناخوشگوار حالات ان کی اپنی غلطیوں کا نتیجہ اور خمیازہ ہیں وہ غلطی یہی ہے کہ ہم نے اسلام کو لائحہ زندگی بنانے اور اسلامی اصولوں کو جدید حالات میں کام میں لانے میں کوتاہی کی ہے اس لیے اب اگر چاہتے ہیں کہ یہ حالات بدل جائیں تو دعا اور عمل سے خدا کی طرف رجوع کریں اخلاق درست کریں اگر ایسا کر لیا تو میں یقین رکھتا ہوں کہ انفرادی تقویٰ اختیار کیا تو افراد کو حسب مقدار تقویٰ فائدہ ضرور پہنچے گا اور اجتماع نے ایسا کر لیا تو اجتماعی مشکلات بالکل رفع ہو جائیں گی حقیقتاً یہ جو خلاف طبع حالات ہم کو روز بروز پیش آرہے ہیں اپنے ہی ہاتھوں کے کرتوت ہیں اگر ہم نیک ہو جائیں تو حالات بھی موافق ہو جائیں گے اور اس میں یہ بھی ہے کہ دوسروں کا گلہ ایک فریب ہے جو کہ توبہ اور صحیح جائزہ سے محروم رکھتا ہے اس لیے اس کو دل سے نکال دیجئے اور نیک بن جائیے پھر اللہ جس راستہ سے منظور ہو گا حالات کو بدل دے گا خواہ ہندو قوم کی اکثریت کو اسلام کی توفیق دیدے یا اور کوئی راستہ پیدا کر دے کیونکہ اس کا پیدا ہونا ان کے عملوں کے مناسب ہو گا آپ کے عملوں سے تو اتنا ہو گا کہ حالات آپ کے موافق ہو جائیں اور صورت

اس کی وہ ہوگی جو گردو پیش کے حالات کے مناسب ہوگی اس میں یہ بھی ہے کہ انیت کو مٹادیں دیکھو بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ نے کفار کے ہاتھوں برباد کرایا کہ ان میں تکبر تھا اور ان کے برباد کرنے والے غیر مسلموں کو اپنے بندے قرار دیا اور اس دور کے ان مسلمانوں کو مغضوب قرار دیا اس میں یہ بھی ہے کہ موجودہ حکومت ہم پر جو احسان کر رہی ہے اس کا شکر یہ بھی ادا کیا جائے احسان بھی مانا جائے یہ نہ ہو کہ وہ دس احسان کرتی رہے اور ایک زیادتی تو ایک زیادتی کو تو گنتے پھرو اور دس احسان فراموش کردو ایسا کرنا بھی خدا کی ناشکری اور اخلاقی خرابی کا سبب ہے۔

---

۹ محرم الحرام ۱۳۸۳ھ مطابق ۱۲ نومبر ۱۹۶۳ء جمعہ - رام پور

حضرت والا سے مولوی صاحب میزبان نے دریافت کیا کہ جو لوگ بیعت نہیں مگر تبلیغی جماعت میں جاتے ہیں اور دیکھا دیکھی کر کرنے لگتے ہیں ان کا ذکر کرنا درست سمجھا یا نہیں؟ حضرت والا نے فرمایا کہ ان کو چاہیئے کہ اگر ذکر کرنا ہو تو اگر بیعت ہیں اپنے شیخ سے دریافت کریں اور اگر بے پوچھے کریں گے تو زیادہ کرنے اور ڈھنگ نہ جاننے کے باعث نقصان بھی ہو سکتا ہے مگر سادہ طور پر اللہ اللہ کرنا ہر طرح مفید ہی ہے اور اس کا اچھا اثر ضرور نمودار ہوتا ہے۔

جماعت والوں کو اور جو اس میں نئے آدمی بھی جائیں ان کو کبھی کبھی موقعہ نکال کر حضرت نظام الدین مولوی یوسف صاحب کے پاس ضرور جانا چاہیئے اس لیے نہیں کہ ان سے بیعت ہی ضرور ہوں بلکہ اس لیے کہ بیعت ہوں یا نہ ہوں ان کی اور جو وہاں ذاکرین کا مجمع ہوتا ہے اس کی صحبت اور برکت بڑی نعمت اور غنیمت ہے حضرت شیخ الحدیث کے ہاں جانا چاہیئے

وہاں جانا بھی مفید ہے۔

---

۱۱ محرم الحرام ۱۳۶۵ھ مطابق ۱۶ نومبر ۱۹۴۵ء۔ اتوار۔ بانس بریلی

حضرت والا نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا ایک واقعہ سنایا کہ دو عرب آئے جو کچھ چاہا کرتے ہیں، حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو ایک روپیہ پیش کر دیا۔ انھوں نے زیادہ مانگا تو حضرت نے فرمایا کہ بس۔ اس پر وہ عرب بڑے برہم ہوتے اور دیر تک حضرت کے سامنے عربی میں حضرت کو گالیاں اور سخت سخت گالیاں سناتے رہے مگر حضرت جیسے عام حالات میں شگفتہ بیٹھے رہتے تھے بیٹھے رہے ہم لوگوں کو غصہ آتا تھا مگر حضرت کی وجہ سے خاموش تھے حضرت میری طرف دیکھتے رہے مجھے بھی غصہ آگیا تھا اور چہرے پر اثر آگیا تھا مگر حضرت کے دیکھنے کی وجہ سے میں سنبھلا رہا اور حافظ صاحب تھے ان کو بھی غصہ اتنا آیا کہ میرے کان میں کہا کہ جب یہ عرب باہر نکلیں گے تو ان کی خبر لوں گا بہت کافی دیر ایسے ہی گذری تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے تین دفعہ ہاتھ کے اشارہ اور زبان سے ان کو کہا چپ چپ اس پر وہ بالکل خاموش ہو گئے اور شاید ان کو احساس ہو گیا کہ یہ اور لوگ باہر نکلنے پر ہم سے بدلہ لیں اور ایسے رفوچکر ہوئے گویا زمین میں سما گئے اور ہم میں سے کسی نے ان کو باوجود خیال کے نہ دیکھا کہ کدھر گئے اور وہ ایسے گئے گویا تھے ہی نہیں پھر معلوم نہیں کیا ہوا دوسرے وقت رات کو حضرت نے مجھے فرمایا کہ مولوی صاحب عربوں کا واقعہ سمجھے میں نے فوراً نادم ہو کر عرض کیا کہ حضرت یہ میری تربیت تھی، حضرۃ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ چپ چپ کہنا بھی انکے حق میں شفقت تھی۔

١٤ محرم الحرام ١٣٦٨ھ مطابق ١٧ نومبر ١٩٤٨ء بدھ . بانس بریلی

مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے حضرت والا کی خدمت میں سوال کیا کہ حضرت سید صاحب
کا ایک قلمی خط جو کتب خانہ باغ رائے پور میں مولانا اشفاق صاحب کی تحویل میں ہے اس میں
سمندر کی روح کا سید صاحب سے آکر ملنا، کوئلوں کا آپس میں یا سید صاحب سے کلام کرنا،
مکان کا دوسری چیزوں سے سید صاحب کے بارہ میں باتیں کرنا اور سید صاحب کا ان باتوں
کو سُن لینا جو بیان کیا ہے اس کی کیا حقیقت ہے حضرت والا نے فرمایا کہ ہر ممکن الوجود چیز جو
وجود میں آگئی اس کی الگ روح بھی اس کے مناسب ہوتی ہے یہاں تک کہ شہروں قصبوں
گاؤں، دکانوں، درختوں، چیزوں، کوئلہ، لکڑی، اینٹ پتھر، حجر، شجر، دریا، سمندر، چاند ستارے
الغرض کوئی چیز ایسی نہیں جس کی الگ روح نہ ہو اور وہ روح اس شئے کے مناسب حال
ہوتی ہے ارواح آپس میں اپنے خاص طریق تکلم سے باتیں بھی کرتی ہیں اور اثر قبول کرتی اور
اثر ڈالتی بھی ہیں اور ان اشیاء کے برباد اور بظاہر نابود ہو جانے پر بھی ان کا وجود فنا ہو جانا
ضروری نہیں ہوتا اور فرمایا کہ بعض امور مثلاً نباتات میں حیوٰۃ اور نباتی اشیاء کا باہم کلام کرنا
ہنسنا بولنا، محبت نفرت وغیرہ تو بنگال کے ایک سائنسدان نے جدید طرز تحقیق و استدلال
سے ثابت کیا ہے ابھی اور خدا جانے کیا کیا انکشاف انسان پر ہونے باقی ہیں اگر ریڈیو اور آجکل
کی اور چیزوں کے متعلق کسی کو صدیوں پہلے مکاشفہ ہوتا اور وہ الفاظ کا جامہ پہنانے میں اور بیان
کرنے میں اس دور کی معلومات کے دائرہ وضاحت کو کام میں لاتا مگر لوگ ان چیزوں کے وجود
میں آنے سے پہلے اصل حقیقت کے ادراک سے باوجود سب کچھ سن لینے کے اتنے دور ہوتے
کہ کہا جا سکتا تھا کہ جو کچھ ان مکاشفات کو بیان کرنے والوں کے الفاظ سے ان لوگوں نے سمجھا

وہ ان لوگوں کی سمجھ میں آنے سے اتنا دور ہے کہ کوئی نہ اس حقیقت کو بیان کر سکتا ہے نہ تصور کر سکتا ہے بلکہ اس کا خطرہ بھی کسی کے دل پر نہیں گزر سکتا کہ وہ کیا اور کیسا ہوگا یہی حال آج بلکہ خاص وقت آنے سے پہلے جنت دوزخ اور تمام ان مغیبات کا ہے جو وحی الٰہی نے بیان کئے ہیں اور پیغمبروں نے وحی کے ان بیانات کی ممکن سے ممکن وضاحتیں کیں یا مثالیں دیں۔

---

۱۸ محرم الحرام ۱۳۶۵ھ مطابق ۲۱ نومبر ۱۹۴۵ء اتوار ۔ لکھنؤ

صبح کی نماز کے بعد کی مجلس میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ہر شخص سے اس کی طبیعت کے مطابق تعلق ہے اور جس کسی اعلیٰ پایہ بزرگ کے تعلق کی جو کیفیت ہوتی ہے اسے نسبت کہتے ہیں اور ویسی طبیعت کے اور لوگ جو خدا سے تعلق جوڑتے ہیں ان کے تعلق کا رنگ جس بزرگ سے ملتا ہو اس بزرگ کی نسبت کہلانے لگتی ہے اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جس کسی بزرگ کی نسبت ہے اس کے ذریعہ سے خدا کے ساتھ رشتہ جوڑنے والوں میں بھی ویسی نسبت کا رنگ جھلکتا ہے جس کی طبیعت اس بزرگ کے جتنا قریب ہوگی وہ رنگ اتنا زیادہ مشابہ ہوگا اور جتنا دور اتنا کم مشابہ اور بزرگ اور اس شخص کی باہمی صحبت کا بھی اس میں بڑا دخل ہے اور اس میں باریک متعدد قاعدے ہیں۔ چشتیہ اور نقشبندیہ کے غیر مسلموں میں تبلیغ کے کام کا بھی ذکر چلا۔ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی نے فرمایا کہ ہندوستان میں چشتیہ نے زیادہ کام کیا اور مولانا نعمانی نے فرمایا کہ نقشبندیہ کا کام بھی کم نہیں مگر چشتیہ کو دور اول میں جب مسلمان کام ہی نہ آتے تھے موقعہ ملا اور تاجروں کو بھی اشاعت اسلام کا

موقعہ ملا اور نقشبندیہ کو بہت بعد اتفاق ہوا۔ خواجہ باقی باللہ جو اس حیثیت سے صرف چار سال کام کر سکے سب سے پہلے نقشبندی ہیں جنہوں نے ہندوستان میں کام کیا حضرت اقدس نے فرمایا کہ چشتیہ کا کام ہندوستان کے غیر مسلموں میں واقعی زیادہ ہے وہ اسلام کی طرف کھینچنے والے اور نقشبندیہ تصوف ہند کی اصلاح کرنے والے ہیں۔ ہم نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے سُنا ہے کہ شیخ مجدد نہ ہوتے تو تصوف زندقہ بن کر رہ گیا ہوتا۔

---

۱۹ محرم الحرام ۱۳۶۵ھ مطابق ۲۲ نومبر ۱۹۴۵ء۔ سوموار۔ لکھنؤ

عصر کے بعد کی مجلس میں پیر سائیں توکل شاہ کے حالات بیان کرتے ہوئے فرمایا آپ کے پیر نے جو کہاں خیلاں کے تھے آپ کو انبالہ بھیجا اور ایک مرید بطور خادم ساتھ کر دیا تو جہاں اب مزار تھا آ کر ٹھہرے وہ لوگ باہر چلے جاتے اور کئی سال یا ماہ ٹکمے چنے کھا کر گزارا کرتے ایک دن بیٹھے تھے کہ کچھ ملا۔ فرمایا کہ لے بھائی یہ ڈھیلے ہیں۔ ——— اس نے عرض کیا کہ حضرت یہ تو اشرفیاں ہیں۔ فرمایا اشرفیاں ہیں تو دُجان کر (اپنی مرضی کر) چنانچہ پھر فتوحات شروع ہوئیں۔ میاں جی عبدالقادر صاحب انبالوی جو حضرت حاجی صاحب سے بیعت تھے انہوں نے سائیں صاحب کی صحبت بہت سالوں اٹھائی اور سب سے زیادہ سائیں صاحب سے بے تکلف تھے انہوں نے سنا ہے کہ اب جو لوگوں کو تعلق ہوا تو انہوں نے خیال کیا کہ سائیں صاحب کہیں چلے نہ جائیں ان کا نکاح کر دو تاکہ الجھ جائیں یعنی جا نہ سکیں چنانچہ انبالہ چھاؤنی کے ایک سید خاندان کی لڑکی کے متعلق رشتہ کا انتظام کر کے میاں جی عبدالقادر سے بات شروع کروائی۔ میاں جی صاحب گئے سلام کر کے حسب معمول بغل گیر ہو کر سائیں جی سے

ذرا اور باتوں کے بعد کہا کہ آپ تو سنت کے تارک ہیں فرمایا اوہو سنت کا تارک ہوں تو بتلاؤ کیا کروں تو بڑی تمہید باندھ کر نکاح کے لیے کہا۔ جواب دیا میں غریب مسافر مجھے کون دے گا۔ عرض کیا گیا آپ ارادہ تو کر لو انتظام ہو جائے گا فرمایا اچھا ہو جائے گا عرض کیا ہاں۔ فرمایا اچھا چنانچہ بات پہلے سے طے تھی، انبالہ چھاؤنی جار ہے تھے نئے کپڑوں کا جوڑا پہنا دیا گیا اور جمعہ کا دن تھا کہ راستہ میں کہا اوہو مجھے پہچانتے ہو اور کپڑے پھاڑ کر جنگل کو بھاگ گئے لوگ میاں جی کو لائے اور چرواہوں سے سراغ لگا کر گھر میں پہنچے دیکھا وہاں بچوں کی طرح ریت کی ڈھیریاں بنا کر کھیل رہے تھے دیکھ کر فرمایا تمبی والے تو مجھے پہچانتا ہے عرض کیا کہ اوہو تم نے کپڑے پھاڑ دیئے جمعہ کا دن ہے جمعہ کے دن نئے کپڑے پہننا ثواب ہے اور آپ نے کپڑے پھاڑ دیئے بڑی غلطی کی فرمایا اچھا غلطی کی اوہو اب کیا کروں عرض کیا خیر ہو جائے گا چنانچہ پھر اور کپڑے پہنا کر یا جس طرح بہلا لے گئے اور سنت کی پہلے کی طرح رغبت دلائی وہ سنت کے بڑے عاشق تھے ———— درود شریف کثرت سے پڑھا کرتے تھے پھر آمادہ بنکاح ہو گئے اور نکاح ہو گیا اب آدھی رات سے ہی شب زفاف کے بعد نہانے کو گئے تو وہاں ایک بڑا تالاب ہے اس میں گھس گئے اور تالاب میں غوطے لگاتے پھرتے رہے اور وہم ہو گیا کہ یہ پانی ما مستعمل ہو گیا دوسری طرف غوطہ لگایا وہاں بھی یہی خیال ہو گیا آخر تمام تالاب میں پھر تسلی ہوئی تو غسل خانہ میں آئے لوگ پانی ڈلاتے رہے مگر تسلی دیر میں ہوئی کہ سورج نکل آیا تو بڑے غصے میں تھے کہ تمبی والے نے میری نماز قضا کرا دی۔ میاں جی آئے اور حسب معمول بغل گیر ہوئے فرمایا تمبی والے تو نے میری نماز قضا کرا دی ہے عرض کیا آپ کو پتہ نہیں سنت ادا ہو گئی ہے اور یہ نماز آپ کے وہم کی وجہ سے قضا ہوئی۔ سنت کا بڑا ثواب ہوا۔ فرمایا اچھا بڑا ثواب ہوا۔ اب خوش ہوئے اور کہنے لگے تمبی والے ایک نکاح تو میرا اور کرلے گا چنانچہ

بہت سال بعد یہ واقعہ اس طرح پیش آیا کہ زنمری میں ایک لڑکی جب سائیں صاحب ابھی جوان ہی تھے آپ پر عاشق ہوگئی تھی اور عشق کو ضبط کئے ہوئے تھی مگر سائیں صاحب وہاں سے چلے آئے تھے اور اس کی شادی اور جگہ ہوگئی تھی اٹھارہ سال بعد اس کا خاوند فوت ہوگیا تھا تو اس نے بیوہ ہونے پر سائیں جی کے پیر صاحب سے اپنا لڑکپن سے زائل نہ ہونیوالا خیال ظاہر کرکے امداد چاہی اور پیر صاحب نے سائیں صاحب کو خط میں حکم فرمایا تو سائیں صاحب نے میاں جی کو بلا کر کہا کہ تمنی والے وہ بات جو میں نے عرصہ ہوا تمہیں کہی تھی کہ ایک نکاح تو میرا اور بھی کرائے گا اب اس کا وقت آگیا ہے جاؤ فلاں جگہ جاؤ اور ان کو لے آؤ چنانچہ ایسا ہوا اور دوسرا نکاح ہوا۔

---

۲۱ محرم الحرام ۱۳۶۵ھ مطابق ۲۳ نومبر ۱۹۴۵ء منگل۔ لکھنؤ

شام کی مجلس میں سید علی میاں صاحب ندوی نے سوال کیا کہ ——————

حضرت میاں شاہ عبدالرحیم صاحب سہارنپوری کس خاندان کے تھے فرمایا قادریہ دریافت کیا کہ کیا آپ سرحدی تھے فرمایا نہیں معلوم ہوا ہے کہ سرساوہ متصل سہارنپور کے تھے ـــ دریافت کیا کس سے بیعت تھے۔ فرمایا حضرت اخوند صاحب سرحد میں تھے میاں صاحب فوج میں ملازم تھے وہ فوج سرحد میں انگریزوں کی طرف سے لڑنے گئی اخوند صاحب انگریزوں کے خلاف تھے وہاں میاں عبدالرحیم صاحب ان کے معتقد ہوگئے۔ بیعت میں یہ شرط بھی تھی کہ انگریزوں کی نوکری نہیں کروں گا۔ فرمایا ذکر کے متعلق خود میاں صاحب کا بیان میں نے حضرت سے سنا ہے فرمایا کہ دو دو میل تک آواز جاتی تھی قد آور وجیہ آدمی تھے، آنکھیں بڑی بڑی اور

بارعب چہرہ تھا ایک دن شیر آکر اوپر کھڑا ہو گیا اور اس کی آواز سے سامنے کی پہاڑی کے پتھر کانپ کر گرنے لگے مگر میاں صاحب نے فرمایا کہ مجھے اتنا بھی احساس نہ ہوا کہ کوئی مکھی کھڑی ہے آواز سے یکسوئی میں یونہی سا فرق آیا مگر خوف رتی بھر نہ آیا پھر وطن واپس چلے آتے۔ یہاں کوئی ضرورت پیش آئی تو انگریز کی ملازمت کرلی مگر متنبہ ہوا تو یہ خیال کرکے کہ اوہو بیعت ٹوٹ گئی چلو اخوند صاحب کی خدمت میں چلیں جب سامنے گئے تو دور سے فرمایا کہ بیعت ٹوٹ گئی شرط کے خلاف کیا جب بہت عذر کیا تو فرمایا پہلی بیعت ٹوٹ گئی پھر سے بیعت کرو، اور آئندہ انگریز کی ملازمت ہرگز نہ کرنا۔ چنانچہ بیعت ہوئے صحبت اٹھائی اور وطن چلے گئے کشف آپ کو بہت ہوتا تھا جس کے بہت قصے سند کے ساتھ مشہور ہیں ——— حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے آپ سے بیعت ہونے کے متعلق دریافت کیا گیا تو حضرت اقدس نے فرمایا کہ پہلے زمانہ میں طالبعلم نیک زیادہ ہوتے تھے زمانہ کا ماحول بھی اور تھا۔ فرصت کے اوقات میں طلبا۔ اکثر بزرگوں کی صحبت میں جایا آیا کرتے تھے ہمارے حضرت بھی زمانہ طالبعلمی میں جایا کرتے تھے اور مدرسہ والوں سے میاں صاحب مسائل دریافت کرتے اور مدرسہ والے میاں صاحب کو اچھا درویش سمجھتے تھے

---

۲۲ محرم الحرام ۱۳۶۸ھ مطابق ۲۵ نومبر ۱۹۴۸ء جمعرات لکھنؤ

ظہر کی نماز کے بعد کی مجلس میں بعض مسائل پر تقریر فرماتے ہوئے حضرت والا نے فرمایا کہ تصوف دنیا کے عام قاعدوں سے کچھ انوکھی بات نہیں، انسان کے اندر نفس کی موٹی قسمیں

قسمیں ہیں۔ نفس امارہ، یعنی سرکش، اس صورت میں انسان اپنی لذتوں میں عقل کے تمام قاعدوں کو توڑ کر چین حاصل کرنا چاہتا ہے مگر خدا تعالےٰ کا نظام عالم توڑنے کی کوشش اور ایسے طور پر لذات نفسانی پر ٹوٹ پڑنا اور نادم نہ ہونا انتہائی عذاب کی چیز ہے دوسری قسم نفس کی نفس لوامہ ہے یعنی برائی کرنا کبھی بھلائی کرنا برائی پر نادم ہونا۔ یعنی اپنے کرتوت پر اپنے آپ کو ملامت کرنا اس میں بہت صورتیں ہیں اور یہ صورت بین بین ہے تیسری قسم نفس کی مطمئنہ ہے جس کے حق میں آیا ہے۔ یاایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی (الآیۃ) یہ خدا کے خاص بندوں اور جنتیوں کا نفس ہے پس اپنے نفس امارہ کو مطمئنہ بنانے یا لوامہ کو اطمینان تک پہنچانے کا راستہ سلوک کہلاتا ہے اس میں آسان راستہ یہ ہے کہ جن کا نفس مطمئنہ ہو ان کی صحبت اختیار کی جائے کیونکہ یہ کلیہ ہے کہ جیسے آدمی کے پاس بیٹھو گے اس کے اثرات ضرور آئیں گے تو شیخ کی صحبت کی ضرورت ہوئی اور بیعت کا نفع صحبت شیخ کے بغیر نہیں ایک صاحب نے دریافت کیا کہ حضرت تصور شیخ کیا چیز ہے فرمایا محبت شیخ۔ ہمارے حضرت سے کسی نے دریافت کیا تھا تو فرمایا اتنے سال تو میرے دل میں فلاں رہا اور اتنے سال فلاں مطلب یہ ہے کہ جس چیز کی محبت ہوتی ہے اس کا تصور بے اختیار قائم ہو جاتا ہے نیز فرمایا کہ انسان کا قاعدہ ہے کہ ایک ذائقہ دوسرے ذائقہ کو مٹا دیتا ہے مثلاً بعض لوگوں کو اور نمبروں کو آپ نے بھی دیکھا ہو گا ان کو پیسہ جمع کرنے کا ذائقہ ہوتا ہے جو لوگ ممبری وغیرہ پر پیسہ خرچ کرتے ہیں ان کے متعلق ایسے بخیلوں کو یہ کہتے سنا ہے کہ کھا مہا ج پیسہ کوئی آسانی سے تھوڑی آتا ہے یہ لوگ بیوقوف ہیں جو ممبری جیسی فضول بات کے لیے بڑی محنت سے کمایا ہوا پیسہ برباد کر رہے ہیں اور جس کو حب جاہ کا ذائقہ پڑ جائے اور وہ بڑا بننا چاہے اور ممبری کے لیے امیدوار کھڑا ہو جائے وہ اس کی تاویل اور طرح کا کرتا ہے کہ پیسہ خرچ کرنے کیلئے تو

ہوتا ہے اور پیسہ خرچ کرنے کے لیے ہی تو کمایا جاتا ہے اور ممبری کے سو سو ذاتی، قومی اور انسانی فوائد بیان کرتے پھرتے ہیں اور اسی طرح آپ میں سے میں کیا کہوں کسی کو پیش آیا ہو یا سنا ہو عشق مجازی ہو جائے تو پھر ہر طرح کی ذلت برداشت کرتا ہے اور اس کی پرواہ نہیں کرتا بلکہ اس میں مزے لیتا ہے ہر چیز کا عشق ایسا ہی اثر کرتا ہے بچوں کو کھیلنے کی محبت ہوتی ہے ان کو پڑھنے کے لاکھ فائدے بتاؤ اور وہ پڑھنے کے فائدوں پر یقین مشاہدہ کی وجہ سے بھی رکھتے ہوں مگر کھیل میں کسی بات کی پرواہ اکثر نہیں کرتے۔ الا ماشاء اللہ۔ مگر جب بڑے ہو جاتے ہیں اور احساس بدل جاتا ہے اور اعلیٰ کاموں کی طرف خواہ علم ہو یا کوئی اور ہنر اور فن ہو متوجہ ہو جاتے ہیں تو اب ان کو کہا جائے کہ اپنے بچپن کی طرح مٹی اڑا کر کھیلیں تو کبھی پسند نہ کریں گے بچپن میں بچہ ماں کا دودھ پیتا ہے جب ماں چھڑاتی ہے تو ستو بھی کرتی ہے اس پر کڑواہٹ اور منہ میں لگاتی ہے تو کہیں ماں کا دودھ بچہ چھوڑ پاتا ہے مگر جب قد لمبا ہو کر اور چیزوں کا ذائقہ ہو جاتا ہے تو پھر کوئی کہے بھی تب بھی ماں کا دودھ پینا آدمی پسند نہیں کرتا۔ حاصل یہ ہے کہ اعلیٰ ذائقہ ادنیٰ کو مٹا دیتا ہے دریافت کیا گیا کہ اعلیٰ ذائقہ کیسے آئے فرمایا اس کا طریقہ بتلا تو دیا تھا عرض کیا گیا زیادہ لوگ اب ایسے ہیں جو اس قوت نہیں تھے فرمایا کہ جن کو اعلیٰ ذائقہ ہے ان کے ساتھ رہنے اور ان کی صحبت اٹھانے سے اور صحبت کی شرط جس کے بغیر نفع نہیں ہوتا شیخ کی محبت ہے اور کم از کم شرط صحبت کی شیخ کی مخالفت سے باز رہنا ہے دیکھو جو طالب علم استادوں سے پالا باندھ لے وہ علم سے محروم رہتا ہے اور جو نہ باندھے وہ مستفید ہوتا ہے اور جو خدمت کرے اس کو زیادہ فائدہ ہوتا ہے یہ کوئی چھپی بات نہیں عرض کیا گیا کہ آخرت اور اس کے فوائد عام فوائد پر یقین کے باوجود ادنیٰ ذائقے کیوں نہیں چھٹتے فرمایا کہ یقین ضرور ہے مگر وجدان نہیں یعنی ابھی وہ سرا ذائقہ چکھا نہیں

اگر شرطوں کے موافق شیخ کی صحبت اٹھائی جائے تو چونکہ اس کو ذائقہ ہے طالب پر ضرور
اثر پڑے گا پہلے سوالات میں یا مزید میں یہ بھی فرمایا کہ شیخ کی صحبت اگر کسی کے ساتھ میسر ہو تو
اس کی تلافی ذکر کی کثرت سے ہوتی ہے نیز یہ بھی فرمایا کہ ذکر جب اثر کر جائے تو پھر جہر وغیرہ
سے کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ نوافل یا تلاوت یا اور جو ذکر شغل وغیرہ مثلاً سبحان اللہ اور
کوئی تسبیح تہلیل بھی کافی ہوتی اور ترقی کا باعث بنتی ہے مگر اس لیے کرنا چاہیئے کہ دوسرے دل
کو ترغیب ہو اور فائدہ بھی ہوتا ہے مگر اب اسی ذکر میں فائدہ ہوتا ہے جو مناسب حال ہو
خواہ تسبیح و تہلیل یا تلاوت اور کوئی دینی کام یا مشاہدہ قدرت باری وغیرہ ہو۔

---

۲۷ ر اپریل ۱۹۴۹ء ۔ دہلی

حضرت والا پاکستان سے بذریعہ جہاز دہلی تشریف لائے اور بعد نماز ظہر پہلی مجلس میں
ہی خیر و عافیت کی دریافت باہمی کے بعد دریافت کرنے پر فرمایا کہ مولانا شبیر احمد صاحب ملے
تھے انہوں نے حال دریافت کیا تو میں بھرا ہوا تو تھا ہی، میں نے کہا کہ مسلمان بہت مرد ہے
سپین سے پھر افریقہ کے ہزاروں میل لمبے ساحلی علاقوں سے اور پھر ترکی حکومت کے یورپین
اور ان علاقوں سے اور کہاں کہاں سے واپس ہو رہا ہے اور خدا جانے اس نے کتنے پاکستان
بنا کر پسپائی اختیار کی ہے اب ہندوستان کو چھوڑ کر پاکستان کے محدود گوشہ میں آگیا ہے،
ہم ہندوستان کے تقسیم کی پالیسی میں بہت کچھ کھو چکے ہیں تاہم وہاں جو رہ گئے ہیں سب اچھی
حالت میں ہیں۔ اس پر مولانا نے فرمایا کہ آپ مغلوب الحال ہیں میں نے کہا اگر یہ مغلوب الحالی
ہے تو خوب اور مولوی حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی کی طرف دیکھ کر فرمایا کہ آپ کا پیغام

بھی ہم نے ان کو دے دیا تھا کہ اسلام راج بنانا ہو تو اس کی پہلی شرط ہے کہ ہندو سکھوں کو جو وہاں سے نکال دیئے ہیں واپس بلاؤ امن دو اور ان کی جائدادیں ان کو دو اس پر مولانا خاموش ہو گئے اور بھرائی ہوئی آواز میں فرمایا کہ پرمٹ سسٹم تو پہلے ہندوستان نے لگایا ہے مگر وہ خود اپنے اس جواب کو جواب ہی سمجھتے تھے نیز فرمایا کہ ہم سے جب کسی نے حال پوچھا تو ہم نے فوراً موقعہ پلٹتے ہی یہاں کی حکومت خصوصاً تین آدمیوں کا ذکر ضرور کیا کہ مسلمان ہندوستان میں جواہر لال، پنت اور سہارنپور میں رامیشر دیال کلکٹر نے رکھنے میں بڑی کوشش کی ہے اور بزرگوں نے ہمیں تو یہی سکھایا ہے کہ جس نے ذرا بھی احسان کیا اسے دل کھول کر مانا جائے۔ چنانچہ ان کے احسان کو ہمیں ماننا ہے کسی کے سوال کے جواب میں حضرت والا نے فرمایا کہ مجھے تو پاکستانیوں اور تفرقہ پسند مسلمانوں پر جوش آجاتا تھا۔

فرمایا کہ وہاں کے عام پناہ گزینوں سے جو میں نے بات کی تو غالب تعداد بلکہ خال خال کے سوا سب ہندوستان آنے کو بے تاب ہیں مگر صورت حالات کی مایوسی کے باعث اس کا عام ذکر نہیں کر سکتے وہ یہاں رہنے کے لیے کڑی سے کڑی قابل برداشت شرطیں ملنے کو بھی آمادہ ہیں فرمایا کہ پرمٹ سسٹم ختم ہو کر ذرا بھی سہولت مل جائے تو امید ہے کہ طرفین کے پناہ گزین اس مسئلہ کو خود ہی کافی کچھ بلکہ حل کر ڈالیں۔ جواہر لال، پنت اور رامیشر دیال کلکٹر کے احسان کو مانتا ہوں اور ذبیحہ گاؤ اور قربانی کے سلسلہ میں ان کی شدت کو اس پالیسی کے مقابلہ میں جو مسلمانوں کو آباد رکھنے کے سلسلے میں انہوں نے اختیار کی شدید نہیں محسوس کرتا آخر وہ ایسا نہ کریں تو مسلمانوں کو آباد رکھنے کی کوشش میں کامیاب ہونے کی بھی کیا صورۃ نکالیں میں نے پاکستان میں بھی اپنے ان خیالات کو ذمہ داری سے بیان کیا اور یہ بھی بتایا کہ

ہندوستان سے آنے والے مسلمانوں میں سے اگر کوئی میرے خیالات سے اختلاف ظاہر کرتا ہے تو وہ یا سادہ ہے یا کسی غلط جذبے سے متاثر ہے یا کوئی سرمایہ دار ذہن کا آدمی ہے کہ زمینداری وغیرہ کے باعث ایسا اثر لے رکھا ہے۔

اس مجلس میں مودودی صاحب کے بعض آدمیوں کا ذکر فرمایا کہ انہوں نے میرے گرد وہاں دوستوں کا بڑا مجمع دیکھ کر ایک دن کہا کہ آپ کا تو بڑا اثر ہے آپ ان حضرات سے جن میں یہاں کی حکومت کے ذی اثر لوگ بھی معلوم ہوتے ہیں فلاں فلاں شرعی طلبوں کی تائید کی سفارش کر دیں کہ وہ اس میں ہماری مدد کریں تو میں نے ان سے کہا کہ آپ میرے ان دوستوں کی اس عقیدتمندانہ نشست و برخاست سے یہ اندازہ نہ لگائیں کہ یہ ہماری باتیں مانتے ہیں انہوں نے ہماری کبھی نہیں مانی ان میں اکثر خلاف رہے ہیں ہم نے اگر کچھ کہا تو اگر یہ سامنے نہ بولے تو ایسا ہوا کہ وہیں پاس بیٹھ کر اپنی گاڑی ہمارے الٹ چلاتے رہے۔

---

۲۸ اپریل ۱۹۴۹ء - دہلی

سیر کے دوران حضرت والا نے فرمایا کہ پاکستان ہندوستان سے کمزور ہے وہاں رشوت بہت ہے نئے ملازم کام سے ناواقف ہیں انتظام پناہ گزینوں کا اچھا نہیں ہوا لوگ غیر مطمئن ہیں لوگوں نے بتایا ہے کہ وہاں بھی غریب کو بہت آسانی سے کمیونسٹ سرگرمیوں سے ہمنوا بنایا جا سکتا ہے البتہ چوری، ڈاکہ وغیرہ کی روک تھام میں پولیس کو اختیارات کافی ہیں اور وہ انہیں کام میں لا رہی ہے اور اسے کافی کامیابی ہے وہاں عوام پر کنٹرول یہاں سے زیادہ ہے وہاں کی فوج غیر فرقہ پرست زیادہ ہے مگر افسر اتنے اچھے نہیں برخلاف یہاں کے کہ یہاں اونچے

افسر جو بہت اونچے ہیں اچھے خیالات کے ہیں مگر چھوٹے افسر اور فوجی فرقہ پرستی میں زیادہ بڑھے ہوئے ہیں شاید وہاں دیر میں حالات بہت اچھے ہو جائیں اس وقت یہ حال ہے۔

نیز فرمایا اب سواریوں کا یہ حال ہے کہ میں نے کھانا لاہور کھایا اور قیلولہ (یعنی کھانے کے بعد تھوڑے آرام کرنا) دہلی آکر کیا جب دنیا ایسی ہو گئی تو اب فرقہ پرستی چلنے والی چیز نہیں ہے میں نے پاکستان میں بھی کہا ہے کہ اب ہند اور پاکستان مل کر رہیں تبھی دونوں کا فائدہ ہے ورنہ پاکستان زیادہ خسارہ میں رہے گا اور ہند بھی خسارے میں رہے گا مگر پاکستان سے کم۔ ہندوستان کے لیڈر اچھا اور گہرا سوچتے ہیں اور پاکستان کے ایسا نہیں کر سکتے وہ تو کرسیوں کے لیڈر ہیں اور یہ جیلوں کے مراحل طے کئے ہوتے اور دنیا کو زیادہ دیکھے ہوئے ہوتے ہیں نیز فرمایا کہ تاجروں نے جس غرض سے پاکستان بنایا تھا کہ ہند سے مقابلہ مشکل تھا اس کا اچھا نتیجہ نہ نکلا۔ اب بھی وہاں کارخانہ والوں نے کچھ نہیں کمایا کیونکہ ان کو کام کا تجربہ نہیں تھا اور ایک خاص بات یہ بھی فرمائی کہ ایسا دل میں آتا ہے کہ شاید ہندوستان میں رہ گئے مسلمان کبھی یہ خیال کریں گے کہ ہم جو یہاں رہ گئے تھے ہم ہی پاکستان جانے والوں سے اچھے رہ گئے ہیں اگر وہ اس وقت کاروباری حالت میں گھبرا رہے ہوں مگر پاکستان چھوٹا ہے اور وہاں کابل یعنی افغانستان اور پٹھانستان کا سوال پیدا ہو گیا ہے جس کے باعث امن خطرے میں رہے گا

فرمایا کہ تاریخ شاہد ہے کہ اسلام کو اور مذہب کو لوگوں نے اپنی خواہشات کا آلہ تو بنایا مگر خود مذہب کا آلہ نہ بنے یعنی مذہبی اثر کے نیچے اپنی زندگیوں کو عالمگیر اور اجتماعی طور پر ایسا پاکیزہ نہ بنایا جیسا مذہب چاہتا ہے اور اس کی تربیت صحیحہ کا لازمی خاصہ ہے۔

۲۹ر اپریل ۱۹۴۹ء

حضرت والا نے دورانِ گفتگو فرمایا کہ میں نے کہا کہ تقریروں سے تبلیغ کما حقہٗ نہیں ہوتی صدیوں میں تبلیغ کا ایک موقعہ آیا جو ہمیشہ نہیں آتا مگر ہم ہی اسلامی نہ تھے اس لیے ہم نے اس موقعہ کو نہ صرف کھو دیا بلکہ اس میں غلط رویہ اختیار کر کے اسلام کو لوگوں کی نظر میں بے وقعت بنا دیا یعنی جب اِدھر سے مسلمان اجڑ کر اُدھر گئے جب وہاں گڑبڑ پھیلنے کا ماحول پیدا کیا گیا تو مقامی مسلمانوں کو چاہیے تھا کہ وہاں کے غیر مسلموں کی اتنی حفاظت کرتے کہ ان کو ذرا گزند نہ پہنچتا اور اِدھر سے گئے ہوئے مہاجر خواہ کتنے ہی لٹ پٹ کر گئے تھے موسمی سختی برداشت کرتے اور کپڑوں کے سایہ میں گزارتے مگر وہاں کے غیر مسلموں کو ان کے مکانوں اور املاک سے نکلنے یا ستانے کی حرکت نہ کرتے بلکہ کہتے کہ تم اچھی طرح رہو اور رتی بھر خوف دل میں نہ لاؤ۔ یہی اخلاق ہیں جو اسلام پیدا کرتا ہے اور بعض اخلاق کے مظاہرے کا موقعہ کبھی کبھی پیش آتا ہے اور ایسے موقعہ کا ایسا عمل اور جذبہ ثواب کے اعتبار سے گویا صدیوں کے عمل کے برابر ہوتا ہے۔

۱۲ر مئی ۱۹۴۹ء رائے پور

مولانا عبدالمنان صاحب نے سوال کیا یہ جو غفلت ہوتی ہے اس کی کیا وجہ ہے یہ گناہوں کی شامت سے ہوتی ہے؟ گناہ خود غفلت کے باعث ہوتے ہیں یا غفلت گناہوں کے باعث۔

حضرت اقدس نے فرمایا کہ ایسا بھی ہے مگر غفلت تو دنیا کی تمام چیزوں کی طرف توجہ

اور خدا کی یاد کی مشغولیت کے بغیر توجہ سے ہوتی ہے آیا ہے "العلم حجاب الاکبر" یہ جو ہم رات دن دنیا کی چیزوں کا علم حاصل کرتے رہتے ہیں اور یہ جی میں جم جاتا ہے اس سے غفلت ہوتی ہے باقی گناہ کبھی نفس کی سرکشی سے ہوتا ہے اور غفلت بھی اس کا سبب ہے اس کا علاج دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ مراقبہ اس کا علاج ہے ہر شے کو اس طرح دیکھے کہ یہ نعمت باری ہے تو بھی غفلت سے بچاؤ ہے اس طرح کرتے رہو تو رفتہ رفتہ غفلت جاتی رہتی ہے۔

ایک نوجوان انعام اللہ نے سوال کیا کہ حضرت لاحول پڑھنے سے شیطان انسان سے کتنی دیر کے لیے دور ہو جاتا ہے فرمایا کہ بس ذرا سی دیر کو لاحول دل سے پڑھنا اس کو ذرا دور کر دیتا ہے اور پھر آلیتا ہے باقی اس کا اثر ہونا نہ ہونا یہ الگ بات ہے غفلت میں اکثر ہوتا ہے اور غفلت نہ ہو تو عموماً اثر نہیں ہوتا۔

مولانا حبیب الرحمن صاحب لدھیانوی نے ذکر کیا کہ مجھے نقشبندیہ مشائخ میں سے اب بڑا آدمی کوئی نظر نہیں آتا حضرتؒ نے فرمایا ایسا نہیں، کیونکہ حضرت میاں شاہ عبد الرحیم صاحب سہارنپوری نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو قادریہ اور نقشبندیہ میں بیعت فرمایا تھا اور مجاز بھی کیا اور حضرت گنگوہی نے بھی حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو پانچوں سلسلوں میں بیعت کیا اور مجاز فرمایا اور حضرت اقدس نے یہ بھی فرمایا کہ حضرت گنگوہی کو غالباً نسبت نقشبندیہ تھی اور اس کے بعد فرمایا کہ ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ پر بھی نسبت نقشبندیہ ہی غالب تھی۔

---

۲۹ ر شعبان ۱۳۶۸ھ ۲۷ ر جون ۱۹۴۹ء رائے پور

ایک مسجد کے تقریباً پچپن مقتدیوں میں سے سوا ایک کے تمام کے حافظ قرآن ہونے کا ذکر آیا تو حضرت نے فرمایا کہ اب تو ہر بات میں تنزل ہے ورنہ ڈھوڈیوں سے اوپر بہاڑ کی طرف جہاں ہماری سات فرمایا یا دس پشتیں گزری ہیں اور چونکہ وہاں قبر کے نشان پتھروں کی وجہ سے زائل نہیں ہوتے اس لیے پشتیں گنی جا سکتی ہیں

وہاں کوئی دو اڑھائی ہزار گھر ہوں گے تو ایک آدمی بھی غیر حافظ نہ تھا اور یہ سب کام مدرسہ کے ذریعہ نہیں بلکہ ائمہ مساجد کے ذریعہ ہوتا تھا مگر اب اس طرف توجہ نہیں رہی

حضرت اقدس نے اپنے والد صاحب قبلہ کا ذکر فرمایا کہ جب کوئی شخص آپ کو قرآن سناتا تھا تو جہاں ذرا اٹکا آپ خود پڑھنا شروع کر دیا کرتے تھے اور یہ خیال نہ رہتا کہ سننا ہے چنانچہ میں سناتا تو بھی ایسا ہوتا تو ایک دفعہ میں نے عرض کیا کہ میں کیا سناؤں آپ ہی سنانے لگے ہیں نیز فرمایا کہ جب والد صاحب کا وقت اخیر آیا اور عورتوں نے یٰس پڑھنی شروع کی تو والد صاحب نے ان کو روک دیا کہ تم ٹھیک نہیں پڑھ سکتیں اور اپنے ایک شاگرد حافظ ر[illegible] صاحب کو بلایا حافظ صاحب نے یٰس پڑھی تو ایک جگہ دانستہ اس خیال سے رُک گئے تاکہ دیکھیں اب بھی بتا سکتے ہیں یا نہیں تو والد صاحب نے یہ آیت پڑھی اور آواز ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کنویں میں سے آ رہی ہو آیت پڑھ کر پھر آواز نہیں نکلی۔

---

۸ ر رمضان المبارک ۱۳۶۸ھ مطابق ۵ ر جولائی ۱۹۴۹ء رائے پور

چودھری رام لال صاحب نے دریافت کیا کہ خیالات بالکل بھی جاتے رہتے ہیں۔

حضرت نے فرمایا کہ بعض سے بالکل بھی جاتے رہتے ہیں ورنہ ذکر و شغل سے کم ہو جاتے ہیں نیز فرمایا کہ جو باتیں رات دن ہوتی رہتی ہیں ان کا بڑا اثر ہوتا ہے کل جیسی بحث تھی وہ ذکر کرنیوالوں کو مضر پڑتی ہے کیونکہ دوسرے وقت میں اس کا اثر ذہن پر چھایا رہتا ہے اور خیالات مشکل سے جم سکتے ہیں۔ چودھری رام لال صاحب نے عرض کیا کہ میں جمع الفوائد کا ترجمہ دیکھتا ہوں تو حضور کی تمام زندگی ایسی معلوم ہوتی ہے کہ ایسی زندگی میں دنیا کے کام وغیرہ چھوڑنا اور ورد وشغل اختیار کرنے کی ضرورت ہی نہیں سب کام خود بخود ہو جاتا ہے حضرت نے فرمایا کہ جو لوگ ایسی صحبت میں اور ایسی زندگی کے اتباع میں تن من سے لگ جائیں۔ ان کو متعارف اذکار و اشغال کرنے اور مراقبے سادھنے کی مطلق ضرورت نہیں مگر بالکل اور ہی طرز کی سوسائٹی میں دھنس جانے کی وجہ سے سب کرنا پڑتا ہے۔ تب بھی ویسی اب مشکل ہی سے آتی ہے بلکہ جو حضور کے صحابہ پر تھی وہ تو آتی ہی نہیں آپ ہی دیکھیں اگر ویسی زندگی ہو جائے جیسی آپ اس کتاب میں دیکھتے ہیں تو پھر یہ لڑائی جھگڑے جو آجکل برپا ہیں کہاں رہ جاتیں ہیں ــــ پچھلے دنوں جو ہوا جو ہندو لے گیا اسے تو ہم سمجھتے ہیں کہ اس نے کونسی یہ کتابیں دیکھی تھیں مگر افسوس مسلمان پر ہے کہ مسلمان ہوتے ہوئے اس نے پاکستان سے ہندو کو نکالنے میں بعض جگہ ایسا کیا جس کی اسلام کبھی اجازت نہیں دیتا بلکہ اگر میں وہاں ہوتا اور لوگ میری سنتے تو میں ہندوؤں کے پاؤں پکڑ کر وہ آنا چاہتے تو بھی روکتا اور ان کی اور ان کے مال و آبرو کی حفاظت میں اپنی جان لڑا دیتا یہ میں کچھ انڈین یونین کی رعایت سے نہیں کہتا دل کے جذبہ اسلامی سے کہتا ہوں چودھری صاحب نے کہا کہ اگر ایسا ہو جاتا تو اسلام کی ایک مثال قائم ہو جاتی۔ حضرت نے فرمایا مگر مسلمان کون سے اسلام سے واقف ہیں وہ تو قرآن پڑھنے کو بھی بہت سے بے فائدہ بتلاتے ہیں پاکستان میں بھی میں جہاں گیا وہاں کے لکھے پڑھوں کو ہر جگہ

کیا کہ جو کچھ ہوا اس کی وجہ جواز بتاؤ مگر کوئی نہ بتا سکا اور تو اور اس سے میں بعض لکھے پڑھے اور مبلغ کہلوانے والے بھی بہہ گئے تھے میں نے انہیں بڑی شرم دلائی ۔

ایک بات حضرتؒ نے یہ بھی فرمائی کہ مقصود کام کے لیے مراقبہ بڑا ضروری ہے اور ذکر مراقبہ کو معین ہے بلکہ بعض ذاکر ذکر میں ہی ترقی کر کے مراقبہ کر سکتے ہیں اور دعا کا مراقبہ بہت اچھا ہے ۔ مولانا فضل الرحمٰن خان صاحب کے دریافت کرنے پر فرمایا کہ قرآن پاک اپنی نصیحت کے لیے ترجمہ سے بھی پڑھ لیا جائے مگر ویسے بھی ضرور پڑھا جائے اس میں بڑی تاثیر ہے اگر یہ سمجھیں یا اور لوگوں نے جو بے ترجمہ پڑھنے پر اعتراض کیا ہے کہ بے فائدہ ہے یہ ان کو تجربہ اور علم نہیں ورنہ ویسے بھی فائدہ ہوتا ہے اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا رمضان شریف کا تذکرہ فرمایا کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ رمضان پاک میں بعض اوقات سحری اور افطاری میں یونہی سا برائے نام کھاتے تھے اور قرآن پاک بہت پڑھتے تھے میں نے ایک دفعہ عرض کیا کہ حضرت ضعف نہ کھانے کے باعث بہت ہو جائے گا تو فرمایا مولوی صاحب اللہ تعالیٰ نے فضل کیا ہے جنت کا مزہ آرہا ہے یعنی روحانی قوت میسر ہو گئی ہے اور اس نہ کھانے پر بظاہر ایسا چہرہ رہتا گویا بہت کچھ کھاتے ہوں گے ۔ مولوی لطیف الرحمٰن صاحب نے یہ بھی دریافت کیا تھا کہ بیماری میں ذکر چھوٹ جاتا ہے فرمایا کہ وہ مجبوری ہے اور چھوٹنے کا اثر یہ ہوتا ہے کہ طبیعت لوٹ جاتی ہے اور پھر بڑی مشکل سے اس رُخ پر آتی ہے ورنہ نہیں آتی ہاں ہو سکے تو دعا میں مشغول رہے کہ یہ بھی ذکر اور مراقبہ کا کام دیتی ہے بلکہ عبادات کا مغز دعا ہے ۔

---

۱۲ رمضان المبارک ۱۳۶۸ھ مطابق ۹ جولائی ۱۹۴۹ء رائے پور

شریعت، طریقت، حقیقت اور معرفت کے متعلق سوال پیش آیا تو حضرت اقدس نے فرمایا کہ شریعت پر باقاعدہ اور رجی سے چلنے اور اس طرح خدا تعالیٰ اور نفس کی جتنی معرفت ہو معرفت نصیب ہونے کا مطلب یہ چاروں باتیں ہیں۔ عطاء الرحمٰن خان نے آدم علیہ السلام کو سکھلائے گئے اسماء کا قصہ چھیڑا تو حضرت اقدس نے فرمایا کہ سکھلانے سے مراد ودیعت کرنا ہے فرشتوں کو وہ ودیعت نہ کئے گئے انسان میں اس کا مادہ رکھا تھا فرشتوں میں نہیں اور یہ سب خدا کی مشیت مصلحت اور حکمت کے مطابق ہوا۔

---

۱۳ رمضان المبارک ۱۳۶۸ھ مطابق ۱۰ جولائی ۱۹۴۹ء رائے پور

ایک مولوی صاحب نے دریافت کیا کہ شیخ کے ساتھ کس طرح ادب آداب سے رہے جس سے مرید کو فائدہ پہنچے حضرت اقدس نے فرمایا کہ اصل اس میں محبت ہے محبت خود آداب کی استاد ہے اور کم از کم یہ ہے کہ اعتراض جی میں نہ رکھے اور مخالفت نہ ہو تو فائدہ حسب استعداد پہنچ کر رہتا ہے ـــــ اصل تو اللہ کا ذکر ہے اور اللہ کے نیک بندوں کی محبت آپ آخر لکھنؤ سے میرے پاس آتے ہیں محبت نہ ہوتی تو کیوں آتے اس سے بھی زیادہ محبت ہو تو اور اچھا ہے ـــــ عشق ہی انسان کا آداب میں استاد ہے ایک پنجابی شاعر نے کہا ہے کہ عشق انسان کو وہاں پہنچا دیتا ہے جہاں انسان ویسے نہیں پہنچ سکتا کسی نے پوچھا کہ عشق کیسے پیدا ہوتا ہے فرمایا ذکر الٰہی اور نیکوں کی صحبت سے حسب استعداد عشق و محبت پیدا

ہوتی ہے اصل یہ ہے کہ ہمارا وجود یعنی ہونا جو ہے یہ خدا کی طرف سے ہے اسے روح بھی کہتے ہیں تو ہر انسان میں اپنی اصل کی طرف کشش ہوتی ہے جیسے اپنے وطن کی طرف ہر انسان کو کشش ہوتی ہے تو یہ دنیا اصل میں ہمارا وطن نہیں وطن تو وہ ہے جہاں سے آئے ہیں اب اگر یہاں کی چیزوں میں دل پھنس جائے تو ادھر کی کشش کم ہو جائے گی مگر یہ ماسوا کی محبت کے عارضی اثر اگر کم ہو جائیں تو اصل فطری جذبہ جو اس وطن کا ہے ابھر آئے گا اور وہاں کا شوق اور خدا کی محبت و عشق پیدا ہو جائے گا یہی مقصود ہے اللہ نے ہمیں یہاں دنیا میں کمانے بھیجا ہے جو شخص یہاں خدا کی یاد کما لے جائے گا اس وطن میں پہنچ کر اتنے ہی آرام و راحت سے رہے گا اسی کو قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ من عمل صالحا من ذکر او انثیٰ وھو مومن فلنحیینہ حیوٰۃً طیبۃ یعنی جو نیک کام کرتا ہے مرد ہو یا عورت اور ایمان رکھتا ہے اسے ہم حیوٰۃ طیبہ دیتے ہیں یعنی پاکیزہ زندگی۔

---

۱۵ رمضان المبارک ۱۳۶۸ھ مطابق ۱۲ جولائی ۱۹۴۹ء درابیور

لکھنؤ کے مولوی صاحب نے ذکر و شغل کے سلسلہ کے بعض مسائل دریافت کئے حضرت اقدس نے فرمایا کہ جب انسان اپنے نفس کو پا لیتا ہے تو خدا تعالیٰ کو بھی پا لیتا ہے۔ نفس کو پانے سے مراد نفس کی معرفت ہے اور نفس کی معرفت سے اس کے پیدا کرنے والے کی معرفت پیدا ہو جاتی ہے چودھری رام لعل صاحب نے دریافت کیا کہ خدا سے مانگنا اچھا ہے یا یہ سمجھ کر کہ اسے تو سب معلوم ہے اس لیے کیا نہیں نہ مانگنا چاہیئے حضرت اقدس نے فرمایا کہ مانگنا اچھا ہے۔

۱۷؍ رمضان المبارک ۱۳۶۸ھ مطابق ۱۴؍ جولائی ۱۹۴۹ء رائپور

رات کی مجلس میں لکھنؤ کے مولوی صاحب نے دریافت کیا کہ جو شخص تہجد کی نیت سے سوئے اور نہ اٹھ سکے اس کو حسب حکم حدیث ثواب ملتا ہے اور اتنے نفل قضا کے طور پر بھی ادا کر لیے جاتے ہیں مگر پھر بھی جو افسوس ہوتا ہے کیوں ہوتا ہے حضرت نے فرمایا کہ جو ملکہ پیدا ہوتا ہے وہ ترک کرنے سے ہوتا ہے نیت کا ثواب بھی بڑی چیز ہے مگر وہ ملکہ کے لیے کار آمد نہیں اور وہ افسوس مناسبت اور ملکہ جو ہوا ہے اس کی ترقی کے رکنے سے ہوتا ہے کسی نے چوچکا کیا ہے فرمایا کہ کسی چیز سے طبیعت کو جو لگاؤ ہو جاتا ہے وہی ملکہ ہے اور یہ افسوس بھی اس لگاؤ کی وجہ سے ہوتا ہے۔

حضرت سہارنپوری رحمہ اللہ کے متعلق مولانا لطیف الرحمٰن صاحب نے بیان کیا فرماتے تھے کہ شروع میں ہمیں بڑا فائدہ ہوا کہ گھر میں ایک جن رہتا تھا وہ تہجد کے لیے اٹھا دیا کرتا تھا مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے عرض کیا کہ بعض لوگوں کو سنا ہے کہ تہجد کے وقت جاگ نہ سکیں تو آواز آجاتی ہے حضرت نے فرمایا ہاں لگن کی وجہ سے ایسا ہوتا ہے

حضرت والا نے مولوی عبداللہ خان کا حال پہلے لوگوں کی قوت کے سلسلے میں بیان فرمایا کہ ایک دفعہ دہلی میں گھوسیوں کے ہاں ہماری دعوت تھی انہوں نے گر بزدہ زمین پر ہی سب کو بٹھا دیا ہم نے کہا کہ دہلی کا تکلف بھی حد سے زیادہ اور سادگی بھی حد سے زیادہ پھر انہوں نے نئے دھوئے ہوئے کونڈے لا کر چار چار پانچ پانچ آدمیوں کے سامنے ایک ایک کونڈہ رکھ دیا۔ ایک آدمی آیا اس نے ایک ایک مٹھی چاول ہر کونڈے میں ڈال دیا۔ پھر دوسرے نے ایک ایک لپ بورے کی ہر کونڈے میں ڈال دی۔ تیسرا آیا وہ بڑے

بٹنے لگنے لایا جو گھی کے بھرے تھے جب تک لوگ کھانے والے بس کرتے گھی ڈالتا تھا اور ہمارے کونڈے میں کوئی ڈیڑھ لوٹا گھی ڈال دیا کہ اب کونڈے میں چاول تر ہاتھ مشکل سے آتا تھا مولوی عبداللہ خان نے ہاتھ سے کونڈے کو ہلایا کہ چاول، بورا اور گھی مل گئے پھر کونڈ اٹھا کر منہ لگا کر تمام گھی اس قدر پیا کہ تہ میں تھوڑے سے چاول رہ گئے اور کہا کہ ہم نے تو کھا لیا ہے اب تم کھاتے رہو اور پھر اس کو ہضم بھی کر گئے ایک دفعہ ان کو پیدل حج کرنے کا خیال ہوا تو رامپور سے آگرہ وہاں سے جودھ پور کو پیدل چلتے رہے اور جودھ پور جا کر بخار میں مبتلا ہو گئے کیونکہ جیسا وہ بیان کرتے تھے روزانہ تیس تیس کوس کی منزل کھینچے جا رہے تھے وہاں سے خط لکھا کہ میں بیمار ہو گیا تھا اب ایک مدرسہ میں داخل ہو گیا ہوں ہم نے لکھا کہ لاہور پڑھنے کا ارادہ ہے مگر ہم لاہور گئے تو جی نہ لگا اور واپس پانی پت چلے آئے وہ پیدل لاہور پہنچے اور وہاں ہم نہ ملے تو ہمارے پاس پانی پت آ گئے یہ سب پیدل کیا۔ ایک دفعہ ایک پنجابی مولوی صاحب کے پاس جو گھر کو جا رہے تھے پڑھنے کا ارادہ کر کے ساتھ ہو لیے اور مجھے بھی بڑی ترغیب دی اور اصرار کیا مگر میں نے کہا وہاں پڑھائی نہ ہوگی اس لیے میں تو نہ گیا وہ گئے مگر جب مولوی صاحب موصوف کے بھائیوں نے مولوی صاحب کو کام میں لگا لیا اور پڑھنا نہ ہو سکا تو وہاں سے پشاور پیر صاحب مانکی شریف کے ہاں اور خدا جانے کہاں کہاں چلے گئے اور پھر ایک دن سہارنپور میں مسجد میں لیٹا ہوا تھا اور مولوی فضل احمد صاحب مطالعہ دیکھ رہے تھے رات کا وقت تھا کہ مولوی عبداللہ خان آ گئے۔ مولوی فضل احمد صاحب نے مجھے بتایا تو دیکھوں سرحدیوں جیسا اور سیاہ رنگ کا لباس پہن رکھا ہے کہ پہچان بھی نہیں پڑتے پھر اگلے روز چلے گئے ہم نے ڈھونڈا پتہ نہ چلا دو دن میں ایک طالب علم خان عالم پورے (محلہ کا نام) کی طرف سے آیا اور اس نے بتایا کہ ندی میں

ایک ایسا ایسا آدمی ہیضہ میں پڑا تڑپ رہا ہے اور تجھے (یعنی حضرت اقدس کو) پوچھ رہا ہے
اور کہتا ہے کہ ان کو جاکر کہو کہ ایک ڈولی اور سوڈے کی بوتلیں لے کر آئیں۔ ڈولی تو ہمیں
نہ ملی ایک ہاتھ سے چلانے کی ریڑھی سستی مل گئی وہ لے کر اور سوڈے کی بوتلیں لے کر ہم
وہاں پہنچے تو دیکھا کہ شدت درد سے زمین پر گر رہی تھی مولوی عبداللہ خان ماہی بے آب
کی طرح تڑپتے اور لوٹتے پھر رہے ہیں سوڈے کی بوتلیں پلائیں اور ریڑھی پر ڈال کر اپنی جگہ
میں لائے تو اکیس روز بعد چارپائی سے اچھے ہو کر اُترے اور بالکل دبلے ہو گئے تھے۔
دہلی میں ایک دفعہ وہاں سے تیس کوس (یا کم و بیش) گھوڑی گئے اور تھوڑی دیر بعد آموجود
ہوئے اور کہا میں وہاں جاکر آیا ہوں میں نے کہا ــــــ جھوٹ بولتا ہے جواب دیا
سچ کہتا ہوں وہاں کے لوگ آئے تو تصدیق ہوئی واقعی وہاں گئے تھے اور ایک گھنٹہ وہاں
مولانا کی خدمت میں بیٹھے بھی تھے ایک دفعہ کہنے لگے کہ   ہم سب گنہگار ہیں ہم کو
والدین کی خدمت کرنی چاہیئے میں نے کہا   ہم تو گنہگار نہیں چنانچہ وہ چلے گئے اور
لالٹینوں کے ایک کارخانہ میں پہنچ گئے وہاں ان کو پہلے چار آنہ روز پھر آٹھ آنے پھر بارہ
آنے تک ملنے لگے کیونکہ ہوشیار آدمی تھے اور تاریں وغیرہ بنانا جلد ہی سیکھ لیا تھا مگر پھر
چھوڑ چھاڑ کر پڑھنے چلے آئے۔ ایسی طبیعت کے تھے۔

۱۸، ۱۹ رمضان المبارک ۱۳۶۸ھ مطابق ۱۵، ۱۶ جولائی ۱۹۴۹ء رائپور

بھائی الطاف الرحمٰن صاحب نے ایک خواب بیان کیا جس میں تھا کہ سمندر میں سے
نکل کر میں اور مولوی انیس تو ایک اور جگہ چلے گئے مگر مولوی عبدالمنان پنجابی آ گئے

تیرتے رہے اور میں ڈرا کہ وہ ڈوب نہ جائیں حضرت نے فرمایا کہ وہ بحرِ عرفاں میں تیرتے ہیں
یہ بڑا اچھا خواب ہے۔

۲۰، ۲۱ رمضان المبارک ۱۳۶۶ھ مطابق ۱۷، ۱۸ جولائی ۱۹۴۷ء رائپور

مولانا منظور صاحب نے سوال کیا کہ خدا کی محبت کیسے پیدا ہو، حضرت والا نے فرمایا
کہ ذکر اور صحبت سے نیز فرمایا کہ بعض کی طبیعت تمدنی ہوتی ہے وہ بھی کرتے ہیں مگر جلد ادھر
کو پہنچتے ہیں لیکن دوسروں کو بھی ذکر اور صحبت سے حسبِ استعداد محبت نصیب ہو جاتی ہے
مولانا عبداللہ صاحب لاہوری کے والد صاحب کا ذکر فرمایا کہ وہ ہمیشہ وعظ ہی کہتے رہتے
ایک آدمی ہو دو آدمی ہوں دس ہوں بیس ہوں زیادہ ہوں کم ہوں تو حضرت گنگوہی کے
ہاں ان کا ذکر آیا تو فرمایا کہ اس کا وظیفہ ہی وعظ ہے پس جو شخص جس مزاج کا ہو اس کو ویسے
ہی وظیفہ سے نفع ہوتا ہے اور اسی لیے اسماء کو اطباء کی طرح ادل بدل کر تبایا جاتا ہے جس اسم
سے طبعی مناسبت ہو نفع محسوس ہونے لگتا ہے اور وہی اسم اس شخص کے لیے اسم اعظم ہے
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ اثر تھا کہ صحابہ کو صحبت سے اول وہلہ میں ہی محبت ہو جاتی تھی پھر
نیک اعمال سے چلتا ہی چلا جاتا تھا ضلع جالندھر میں جو فیض تھا سب ان (یعنی مولوی
عبداللہ صاحب لاہوری کے والد صاحب) کا تھا۔

۲۴، ۲۵، ۲۶ رمضان ۱۳۶۶ھ مطابق ۲۱، ۲۲، ۲۳ جولائی ۱۹۴۷ء رائپور

حضرت والا نے فرمایا کہ مسلمانوں کے سامنے اب مکی زندگی کا پروگرام پورے زور

سے آجانا چاہیئے اور فرمایا کہ حالات سے اگر مسلمان یہ لیں کہ دل ٹوٹ جائے اور خدا کی طرف توجہ زیادہ ہو جائے تو حالات کا وصول کرنا ہے نیز فرمایا میرے خیال میں تھا کہ مشرقی پنجاب سے گئے ہوئے مسلمانوں کا اگر دل ٹوٹ جائے اور وہ رجوع الی اللہ میں زیادہ ہو گئے ہوں تو ان کا کام بن جائے گا اور مشرقی پنجاب کے ان لوگوں پر جو مظالم میں ملوث ہیں کوئی نہ کوئی افتاد پڑے گی مگر پاکستان کے خطوط سے اور وہاں جاکر جو حالات دیکھے ان سے محسوس ہوا کہ ان میں یہ بات پیدا نہیں ہوئی پھر کیا ہے جیسا حال عام طور پر عالم اسباب میں ہوتا ہے اسی میں وہ بھی ہیں۔

چودھری رام لعل کو متوجہ کر کے فرمایا کہ اس ملک میں بھی انبیاء ہوئے ہیں قرآن پاک میں بھی ایسا مضمون ہے کہ ہر ملک میں نبی آئے چودھری صاحب نے سر ہند کا ذکر کیا کہ وہاں بھی چھ نبیوں کی قبریں بتائی جاتی ہیں حضرتؒ نے فرمایا کہ ہاں مگر ایک تو ان کا اب علم نہیں۔ دوسرے ہو سکتا ہے کہ کرشن جی اور دوسرے بعض بھی جنہیں ہندو لوگ اوتار کہتے ہیں ان میں سے پیغمبر ہوں مگر لوگوں نے ان کی تعلیم کو مسخ کر دیا ہے اور کچھ سے کچھ بنا دیا ہے جیسے آج مسلمانوں میں بھی اسلام سے بعض صورتوں میں بہت بعد ہو گیا ہے لوگ قبروں کو بطور بتوں کے بھی پوجتے ہیں۔

۲۷، ۲۸ رمضان المبارک ۱۳۶۸ھ مطابق ۲۴، ۲۵ جولائی ۱۹۴۹ء رائپور

مغرب کے بعد کی مجلس میں مولانا منظور صاحب کے سوال کے جواب میں حضرۃ والا نے فرمایا کہ حضرت میاں صاحب ظاہری علوم نہ پڑھے تھے الف با بھی نہیں پڑھا تھا منصوبؒ

اور پورے قد آور جوان تھے انگریزی فوج میں بھرتی ہو کر سرحد کی جنگ میں گئے وہاں سوات
بنیر پہنچے تو متنبہ ہوا حضرت اخوند صاحب سے بیعت ہوئے بیعت میں حضرت نے یہ شرط
بھی لی کہ انگریز کی نوکری نہ کرنا واپس آئے تو نوکری چھوڑ دی کوئی مجبوری پیش آئی تو پھر
نوکری کر لی پھر متنبہ ہوا اور چھوڑ دی اور پھر گئے تو حضرت نے دور سے ہی فرمایا دور رہو دور رہو
بیعت ٹوٹ گئی نوکری کر لی کئی دن پڑے رہے تب حضرت نے توجہ فرمائی معاف کیا
نئے سرے سے بیعت لی اور ذکر جہر بتایا یہ ذکر ہم جو کراتے ہیں یہ میاں صاحب کی طرف
سے ہے قادریہ خاندان میں۔ اس میں جس کی صحت اچھی ہو بڑی طبیعت کھلتی ہے اور حضرت
میاں صاحب کیونکہ جسمانی طور پر بھی بہت مضبوط تھے اس لیے کشف آپ کو بہت ہوتا تھا ایسا
کوئی شخص نہیں جو حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا ہو اور اس نے کچھ کشف نہ دیکھے ہوں۔
مسائل میں بھی ایک دفعہ کسی نے مسئلہ پوچھا وہاں کوئی مولوی صاحب تھے انہوں نے مسئلے
کی تقریر کی تو فرمایا کہ میں پڑھا ہوا تو نہیں ہوں مگر مسئلہ کی یہ تقریر میرے دل کو نہیں لگی بلکہ
میرے خیال میں مسئلہ کی تقریر یوں آتی ہے اور یہ مسئلہ بطور سوال لکھ کر مولانا محمد مظہر نانوتوی
صاحب ر مدرسہ مظاہر العلوم والوں کے پاس بھیجو۔ چنانچہ اس کا جو جواب مدرسہ والوں
کی طرف سے لکھا گیا وہ آپ کے ہاں پڑھا گیا بعینہٖ وہی تھا جو آپ نے تقریر فرمائی تھی سن کر
فرمایا الحمد للہ اللہ کا شکر ہے۔ اور بہت خوش ہوئے کہ دل ٹیڑھی طرف نہیں چلا حق کی طرف چلا۔

مولانا نوازش علی صاحب اپنے بچپن سے سہارنپور پڑھتے تھے اور حضرت کے گھر میں
سودا وغیرہ لاکر دیا کرتے تھے خود ہی فرمایا کہ ایک دفعہ بچپن میں ۱۳ کا بازار سے سودا لانے
گیا ۱۲ کا سودا لیا اور ایک آنہ کی اپنے لیے کشمش لے لی۔ مگر گھر میں سودا ۱۳ کا گنوا دیں تو
مائی صاحب کہیں سمجھ گئے یہ تو تیرہ آنے کا نہیں ہوا۔ میں ایک آدھ چھپانے کے لیے پھر اسی طرح

گنواتی۔ میاں صاحب اندر حجرہ میں سُن رہے تھے فرمایا ایک آنہ کی اس نے کشمش لی، کچھ کھالی، کچھ دانے ابھی تک اس کی جیب میں لگے رہ گئے ہیں جانے دو اور آئندہ کو میرا ایک آنہ یومیہ کشمش کا مقرر کر دیا یہاں تک کہ بڑی عمر اور آخری دور تک وہ آنہ یومیہ مجھے عنایت فرماتے رہے بارہا عرض کیا کہ حضرت اسے جانے دیا جائے فرمایا جو نیک کام مقرر ہو جاتا ہے حتی الوسع بند نہیں کیا کرتے۔

مولانا منظور صاحب نے کہا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جہاں علم ظاہری نہ ہو ان بزرگوں کے ہاں مکاشفات بہت ہوتے ہیں حضرت نے فرمایا نہیں جیسا شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی لکھا ہے جس کی قوت جسمانی زیادہ بڑھی ہو اسے مجاہدات بھی زیادہ کرنے پڑتے ہیں اور اس پر یہ چیزیں ہو جاتی ہیں۔ حضرت گنگوہی علیہ الرحمۃ کا بھی اس میں کچھ حوالہ بیان فرمایا۔ صوفی صاحب گنگوہی نے بھی یہاں کچھ سوال کیا تو فرمایا کہ آپ اس کے پیچھے نہ پڑ جائیو یہ کچھ نہیں سوا اس کے کہ کوئی بات ادھر کی کوئی ادھر کی دیکھ لی اور بس۔ چودھری رام لعل صاحب نے پوچھا کہ بعض آدمی کوئی اسم پڑھتے ہیں پانی میں کھڑے ہو کر پڑھتے ہیں فرمایا یہ بھی کچھ نہیں کھیل تماشہ ہے ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا اور کسی کے غالباً حضرت مولانا اللہ بخش صاحب کے دریافت کرنے پر فرمایا تھا کہ حضرت جی چاہتا ہے کہ میں چلہ کروں فرمایا نہیں اعتکاف کرو اور وہ بڑے لوگ تھے بڑی ہمت کے لوگ تھے جو چلے کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے بغیر چلے کے بھی فضل فرما دیتے ہیں۔

تراویح کے بعد کی مجلس میں فرمایا کہ قوم کا اپنی غلطی پر اصرار کرنا یعنی اس کو صحیح کرنے کی عادت بنا لینا بڑا خطرناک مرض ہے جو مسلمانوں سے نہیں گیا۔ حالانکہ آجکل ہر بیدار قوم کا شیوہ ہے کہ جہاں ٹھوکر لگی ہے اور نقصان پہنچا تو وہ فوراً سوچنے کے لیے کمیشن بٹھاتی ہے کہ

یہاں کیا غلطی ہوئی اور غلطی کو ماننا ہی بہتر سمجھتی ہے مگر ہم ہیں کہ دوراز کار تاویل پر تاویل کئے
چلے جاتے ہیں جس کا نتیجہ نقصان در نقصان کی شکل میں نکلتا ہے تو یہ غلطیوں کی تاویل کرنا اور
انہیں نہ ماننا کوئی قابلِ فخر بات نہیں تباہ کن عادت ہے جسے ہم چھوڑتے نہیں۔

---

۲۹ رمضان المبارک ۱۳۶۸ھ مطابق ۲۶ جولائی ۱۹۴۹ء رائپور

شام کی مجلس میں حضرت اقدس نے مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی کے اس
اصرار پر کہ حضرت ہم لوگوں سے اقرار لیں کہ ہم جھوٹ نہ بولیں۔ لوگوں سے واڑ کی بات
کریں اور ایک بات اور بھی فرمایا کہ یہ تو بیعت میں ہوتا ہے نیز فرمایا کہ اس طرح کی بجائے
بس صحبت اور ذکر ضروری ہے صحبت میں رہتے رہتے جو عیوب معلوم ہو گئے ہیں ان پر تنبیہ
کرایا جاتا ہے اور دعا بھی کی جاتی ہے کہ وہ نہ رہیں اور ذکر ایک روشنی ہے جو انسان کو خود
اس کے اپنے گناہوں کا احساس دلاتی ہے اور انسان ذکر کی روشنی میں اپنے عیب دیکھتا
اور پھر توبہ کرتا ہے توبہ ٹوٹ بھی جاتی ہے مگر نادم ہوتا ہے اس سے اور ترقی ہوتی ہے۔
کیونکہ اصل ترقی ندامت اور عاجزی میں ہے بعض دفعہ کسی گناہ کا ہونا یا مضبوط توبہ کے
ٹوٹنے پر ندامت اور عاجزی کا احساس اور خدا کی طرف توجہ اور یہ وجدان ہونا کہ خدا کی توفیق
کے بغیر کوئی نیکی نہیں ہو سکتی اور اس کی مدد کے بغیر کسی گناہ سے نہیں بچا جا سکتا یہ انسان کے
لیے اتنی ترقی کا باعث ہوتا ہے کہ بہت زیادہ۔ شاید اگر ایسا معاملہ پیش نہ آتا تو بھی اتنی ترقی
نہ ہوتی۔ اسی لیے کاملین سے بھی بعض اوقات کوئی ایسی فروگذاشتیں ہوتی رہتی ہیں جن کی
وجہ سے وہ خدا کے ہاں گڑگڑاتے ہیں اور عاجزی اور استغفار کرتے ہیں اور اس پر ان کو

اتنی ترقی ہوتی ہے کہ ویسے کسی طرح شاید نہ ہوتی اگر انسان سے غلطی نہ ہو تو انسان ملک محبوس بن جائے کہ اس کا جو مقام ہے وہ ہے اور وہاں سے آگے ترقی نہیں کر سکتا مگر انسان کو جو ترقی کا جوہر دیا ہے وہ اس طرح بیکار ہو جائے مولانا منظور صاحب نے دریافت فرمایا کہ لاالٰہ الا اللہ میں حضرت نے جو فرمایا ہے کہ لاموجود کا تصور کیا جائے اس پر طبیعت رکتی ہے فرمایا کہ یہ جو آتا ہے کہ علم حجاب اکبر ہے تو یہی تو علوم ہیں جو بچپن سے ہم کھاتے ہیں ہم نے پڑھا تھا کہ انسان کا ذہن آئینہ کی طرح ہے جو اسے معلوم ہوتا ہے وہ صور علمیہ ہیں جو اس کے دماغ پر بنتی ہیں اور حافظہ میں محفوظ ہو جاتی ہیں یہی جب انسان بیٹھتا ہے تو سامنے آتی ہیں لہٰذا یہی حاجب خراب ہیں ان کو مٹانا ہے تاکہ انسان جہاں سے چلا تھا وہیں پہنچے اور پھر ادھر کو چلے خارج میں اگر تمام دنیا رہے تو کیا حرج ہے لاموجود میں ہم تو اپنے اندر سے ان کو مٹاتے ہیں لامقصود بھی خیال کرنا چاہیئے لاموجود اس سے اوپر ہے اس پر راؤ عبداللہ خان صاحب نے دریافت کیا کہ حضرت لامقصود سے کیا مراد ہے فرمایا کہ اللہ کے سوائے کچھ نہیں چاہیئے پس ان صور علمیہ کا جو ادھر کو جانے کے لیے حجاب بن گئی ہیں مٹانا یہی تو کام ہے ذکر کرو، صحبت اٹھاؤ، توبہ کرتے جاؤ اور بچنے کی کوشش کرتے رہو اللہ تعالےٰ سے کوتاہیوں کی معافی چاہو کچھ نہ کچھ ہو رہے گا اللہ فضل کرنے والا ہے راؤ صاحب نے عرض کیا کہ حضرت ذکر کرنے کے باوجود بھی صحبت کی ضرورت ہے فرمایا ہاں ضرور۔

شام کی مجلس میں یہ بھی فرمایا تھا کہ حضرت (مولانا اللہ بخش صاحب رحمۃ اللہ علیہ) بہاولنگری فرمایا کرتے تھے کہ میں روز تجدید ایمان کرتا ہوں اس سے مجھے بڑا نفع ہے (یہ مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی صاحب کے تجدید بیعت اور بیعت خاص کے اصرار کے جواب میں تھا کہ) اگر ایسا کرنا ہی ہو تو پھر اس کی صورت یہ ہے کہ تفصیل سے بھی اور مجملاً بھی روز آدمی توبہ کرے

کسی کے پوچھنے پر فرمایا کہ یہی شرک کفر اور تمام معاصی سے توبہ تجدید ایمان ہے۔

---

۳۰ ربیع الاول ۱۳۶۹ھ مطابق ۱۸ فروری ۱۹۵۰ء۔ دہلی

عصر کے بعد کی مجلس میں حضرت اقدس نے خواجہ عبدالحی صاحب پروفیسر دینیات جامعہ ملیہ سے فرمایا کیا جناب نے مولانا سندھی رحمۃ اللہ علیہ سے آیت انا عرضنا الامانۃ کے متعلق کوئی تفسیر سنی ہے یا کبھی ان سے دریافت فرمایا آپ بھی تو شیخ التفسیر ہیں خواجہ صاحب نے عرض کیا کہ حضرت نہ کبھی اس کے متعلق میں نے مولانا مرحوم سے کچھ دریافت کیا اور نہ ان کا کوئی بیان اس مد میں مجھے سنا یاد ہے۔

مولانا حبیب الرحمن صاحب لدھیانوی سے حضرت نے فرمایا تو مولانا نے عرض کیا کہ حضرت نے اس کے متعلق فرمایا تھا مگر وہ میرے اب یاد نہیں ہے حضرت ہی فرمائیں، حضرت نے فرمایا کہ مجھ میں قوت بیانیہ نہیں ہے میرے تو یہ سمجھ میں آتا ہے کہ اس میں استعداد علمی کا ذکر ہے جو شخص پڑھنے کی استعداد رکھتا ہو مگر تعلیم حاصل نہ کرے اسے ہی الزام دیتے ہیں کہ یہ جاہل رہ گیا ہے ورنہ غیر ذی استعداد کو کوئی نہیں کہتا کہ یہ جاہل ہے۔ اور نہ الزام دیتا ہے اس میں میں نے یہ لگا رکھا ہے کہ اس میں امانت سے خلافت یعنی علم کی استعداد مراد ہے۔ انی جاعل فی الارض خلیفۃ (الآیۃ) حضرت نے پوری پڑھی اور فرمایا کہ علم آدم الاسماء کلہا سے نکلتا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے انسان میں علم کی استعداد تفویض کر دی جس کا یہ سب نتیجہ ہے کہ انسان ایجادات میں کہاں سے کہاں پہنچ گیا ہے کہ چاند میں جانے کی تیاریاں کر رہا ہے مشرق و مغرب کا بعد ختم کر دیا ہے انسان کے پاس سوا علم کے اور ہے

بھی کچھ نہیں یہ جوارح تو آلات ہیں اصل شئے علم ہی ہے ہاتھوں سے کسی چیز کو چھو کر بھی علم
ہی حاصل ہوتا ہے اعلیٰ درجہ کا کھانا اور بجنس برابر ہے اگر زبان میں وہ پٹھے نہ ہوں جن کے ذریعہ
کھانوں کے مزوں کا انسان کو علم ہو جاتا ہے آیت انا عرضنا الامانۃ الخ میں بھی سیاق
دیکھا جائے چنانچہ سیاق کی آیت پڑھ کر سمجھا کہ استعداد علمی ہی مراد ہے ایک علم ہے ایک
عالم ہے ایک معلوم ہے جتنا کسی عالم کا معلوم اعلیٰ ہے اتنا ہی وہ عالم اعلیٰ ہے اور اسکا
علم بھی اسی حساب سے اعلیٰ ہے اور معلوم کا اعلیٰ، ادنیٰ ہونا اس پر ہے کہ جو چیز پائیدار ہو
وہ ناپائیدار سے اعلیٰ ہے چنانچہ بازار میں جب کوئی شخص کوئی چیز لینے جاتا ہے تو اس کی
کوشش ہوتی ہے کہ اچھی خوبصورت اور پائیدار چیز ملے پس مخلوقات کا علم اس لیے ادنیٰ ہے
کہ وہ فنا ہونے والی ہے اس کا علم بھی فنا ہو جائے گا اور اللہ تعالیٰ کی صفات کا علم اعلیٰ ہے
کیونکہ وہ باقی اور ہمیشہ رہنے والا ہے اس کا علم بھی ہمیشہ رہے گا علم سے ہی کسی شئے کی
معرفت ہوتی ہے اور معرفت ہی لگاؤ کا سبب ہوتی ہے جب کسی شئے کا علم نہ ہو تو اس
سے محبت اور عشق بھی کیا ہوگا پھر اس استعداد علمی کا نام عشق رکھو یا کچھ رکھ لو۔

دراصل انسان اور ہر انسان یہ چاہتا ہے کہ زندہ رہے اور اسکی زندگی راحت کی زندگی ہو
بس انسان کا مقصد دائمی زندگی اور راحت کی دائمی زندگی ہے تو جس شخص کا معلوم فنا
ہونے والی چیزیں ہوں گی جب وہ فنا ہو جائیں گی تو ان کا علم بھی جاتا رہے گا اور اس کی
زندگی میں کوئی راحت نہ رہے گی۔ کیونکہ لذت و راحت علم سے ہے اللہ تبارک و تعالیٰ
چونکہ باقی ہے تو اس کی صفات کا علم فنا نہ ہوگا اور انسان کی روح بھی اب مرتی کبھی نہیں
اس لیے جس کو صفات باری تعالیٰ کے علم میں رسائی اور رسوخ ہے اسکی زندگی دائمی
اور راحت کی زندگی ہوگی اور یہی جنت کی زندگی ہوگی اور جو شخص صرف مخلوق کا علم رکھتا ہے

اور یہاں اس سے ہی لذت گیر ہوتا ہے تو مخلوق کے فنا ہو جانے کی وجہ سے یہ علم بھی فنا ہو جائے گا اور اس کی بدولت قائم کردہ راحتیں بھی ختم ہو جائیں گی

اس پر وہ زندگی دوزخ کا عذاب بن کر مسلط ہو جائے گی۔

فرمایا کہ یہ مخلوقات کے علم کی رفتار بڑی طویل راہ چاہتی ہے ہو سکتا ہے کہ بعید زمانہ تک چلتے رہنے کی مہلت نہ ملے تو مخلوقات کا یہ ترقی پذیر علم آگے بڑھ کر حقیقت تک پہنچ جائے اور مخلوقات کے علم کی سرحدوں کو پار کر کے انسان اسی ذریعہ سے خالق تک بھی پہنچ جائیں مگر یہ شئے احتمالی ہے اور تمام متعلقات کو چاہتی ہے اس لیے انبیاء کا راستہ ہی کامیابی کا راستہ اور براہ راست اقدام ہے اور حکماء کا راستہ راستہ تو خیال کیا جا سکتا ہے مگر طویل اتنا کہ زمانے مرف ہوں اور دنیا میں جو عمر میسر ہے وہ سامنے ہے پھر نسل انسانی بھی اگر اس میں ترقی کرتی رہے اور قدم قدم پر پیش آنے والی کھائیوں میں پھنس کر یہ جہاز سست نہ پڑ جائے یا غرقاب نہ ہو جائے تو پھر پہنچے بھی تو نسل انسانی کے وہ آنے والے لوگ ہی خدا رسیدہ ہو سکیں گے ان سے پچھلے محروم رہیں گے اور پھر وہ راستہ پہنچے نہ پہنچے دونوں احتمال قدم قدم پر سو آفات تو در حقیقت انبیاء علیہم السلام کا راستہ ہی براہ راست اور کامیاب نیز دائمی اور راحت کی زندگی کا راستہ ہے اور یہ قرآن پاک کے بتائے ہوئے اخلاق ہی کا ذکر ہے کی سواری میں ورنہ انسان کی عمر گزر جاتی ہے مگر وہ ساتھ نہ جانے والی دولت کمانے کے ذوق میں مر جاتا ہے کہ دولت فی نفسہ کوئی چیز نہیں بلکہ اس کا علم ہی وہ سرور ہے جو دولت مند کو میسر ہوتا ہے اور دولت سے مر کر یا کسی آفت کی وجہ سے محروم ہو جانے پر ختم ہو جاتا ہے اور محرومی کی حسرت بطور عذاب کے پیچھے چھوڑ جاتا ہے اسی طرح حسد اسی طرح حب جاہ کہ انسان جاہ کے حصول میں عمر کی بازی لگا دیتا ہے اور مرتے دم تک اس ارمان سے نہیں

چھوٹنا پھر مرنے کے بعد یہ چاہنے والا اور اچھا برا سمجھنے والی مخلوق سب ختم ہو گئے تو اب یہ علم بھی مٹ جائے گا اور رہ بھی جائے گا تو اس کے باعث جو لذت محسوس ہوتی ہے۔ اب اس کی سبیل نہ رہے گی تو یہ محرومی ایک عذاب دوزخ ہو گی ایک بے ایمان کو اسی لیے دائمی عذاب ہے اور ایماندار کو حسب حال جب بھی ہے تو دائمی راحت ضرور ملے گی جو کبھی زائل نہ ہو گی کیونکہ پہلے کے پاس کوئی باقی معلوم نہ تھا یعنی باقی کا علم یعنی معرفت نہ تھی بے ایمانی یعنی بے یقینی تھی۔ نفاق کا قوی علم اور بھی باعث محرومی اور درجہ عذاب ہو گا دوسرے کے پاس باقی کا علم یعنی معرفت تھی یہ ایمان یعنی یقین تھا جو قوت عمل کی کمزوریوں اور لغزشوں کے باوجود آخر دائمی راحت کی جنت میں لے جا کر رہے گا۔

یکم ربیع الثانی ۱۳۶۹ھ مطابق ۱۹ر فروری ۱۹۵۰ء قصاب پورہ، دہلی

مولانا رحیم شاہ صاحب نے سوال کیا کہ انتقال نسبت کی کیا حقیقت ہے فرمایا کہ اصل اس میں یہ ہے کہ ذکر سے اپنے عیوب ظاہر ہونے لگتے ہیں اور صحبت اور محبت سے نسبت پیدا ہو جاتی ہے اس طرح کہ مکان میں اندھیرا ہو تو کچھ پتہ نہیں لگتا کہاں کیا ٹھوکر ہے سانپ ہے بچھو ہے مگر چراغ جل جائے تو سب چیزیں نظر آنے لگتی ہیں اب آدمی چاہے تو بچ کر چل سکتا ہے نسبت اور انتقال نسبت دو باتیں نہیں اللہ والوں سے جتنی محبت ہو گی اسی درجہ کی نسبت پیدا ہو جائے گی۔ اخلاق کی اصلاح کی اس لیے ضرورت ہے کہ اس کے بغیر آدمی منزل طے نہیں کر سکتا مثلاً کمانے میں لالچ ہے تو وہی دل پر مسلط رہے گا اور محبت پورا اثر نہ کرے گی صحبت کم مؤثر ہو گی اور نسبت کمزور رہے گی وغیرہ وغیرہ۔ سائل نے

کچھ دیکھنے کے بعد سوال کیا کہ حضرت شیطان اور نفس انسان کو خراب کرتا ہے اور انسان پر ظلم کرتا ہے انسان مظلوم ہوا تو مظلوم معذور ہوگا یا نہیں، حضرت نے فرمایا کہ مظلوم تو ہے مگر معذور نہیں۔ سوال کیا کہ پھر کیا کرنا چاہیئے فرمایا کہ شیطان کو چھوڑو نفس کے کہنے پر نہ چلو۔ نفس کا خیال رکھو۔ دریافت کیا کہ مشکل ہوتا ہے فرمایا جہد تو کرنا ہی پڑتا ہے ثواب اور مرتبہ سب جہد کا ہی تو ہے۔ والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا۔ (الآیہ) آدمی جہد کرے تو اللہ راستہ کھولتا ہے۔

یکم رمضان المبارک ۱۳۷۰ھ مطابق ، جون ۱۹۵۱ء رائپور

مولانا عبداللہ صاحب نے دریافت کیا کہ حضرت جو حدیث میں آیا کہ بندہ اگر اللہ کی طرف ایک ہاتھ چلتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی طرف ایک ذراع چلتا ہے بندہ چل کر اس کی طرف جاتا ہے تو اللہ تعالےٰ دوڑ کر آتا ہے وہ جانا آنا کیا ہے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف چلنا خیال سے ہے مولانا نے عرض کیا کہ عمل سے، فرمایا عمل بے نیت صالح نہیں ہوتا اس لیے وہ بھی خیال کے ساتھ ہی ہوتا ہے کوئی آدمی آٹھ پہر میں ایک دفعہ بھی اللہ کا خیال کرے تو یہ چلنا ہوا جو زیادہ کرتا ہے وہ دوڑ کر چلتا ہے اور جو ہر وقت خیال رکھے وہ بہت تیز دوڑتا ہے اور اللہ قبول کرے اور توجہ کرے تو یہ اللہ کا آنا ہے اس راستہ کی کوئی حد نہیں جو زیادہ اللہ کا خیال رکھتے ہیں وہ زیادہ قرب حاصل کر لیتے ہیں۔ راؤ فضل الرحمٰن خان صاحب نے دریافت کیا کہ دنیا کے کاموں میں مشغول لوگ جو بازار میں جاتے یا مقدمات میں پھنسے ہیں وہ اس حال میں اگر پورا خیال اللہ کی طرف رکھیں تو دوسرے کام پورے نہ ہو سکیں گے پھر کیا ہو؟ فرمایا

ہاں یہ درست ہے مگر جو اس حال میں بھی خیال رکھنے کی کوشش کرتا ہے خواہ نہ رکھ سکے وہ ناظرہ خواں کی طرح زیادہ ثواب بوجہ جہد کے پاتا ہے مولانا حبیب الرحمن صاحب نے عرض کیا ثواب سے قرب مراد ہے یا اور کچھ ہے فرمایا ثواب ثواب ہے جو زیادہ خیال اور مشاغل سے الگ ہو کر کرتے ہیں وہ گو قرب زیادہ حاصل کر لیتے ہیں مگر ثواب دوسرے زیادہ پاتے ہیں۔

---

۴ رمضان المبارک سنہ ۱۳۷۰ھ مطابق ۹ جون سنہ ۱۹۵۱ء رائے پور

مولانا عبداللہ صاحب کرسی والوں نے دریافت کیا کہ حضرت! کیا یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ اللہ مجھ سے راضی ہو گیا ہے فرمایا کہ ہمیں تو کچھ معلوم نہیں ہوتا باقی حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ جب انسان سے تمام برے اخلاق اور حب جاہ وغیرہ جاتے رہیں تو سمجھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ راضی ہو گیا ہے مولانا نے دریافت کیا کہ بعض بزرگوں نے یہ لکھا ہے کہ نفس کا ازالہ کمال نہیں بلکہ اس پر قابو پا لینا اور کبھی نفس بھی غالب آجاتا ہے اور کبھی انسان نفس پر قابو پا لیتا ہے اور مغلوب رکھتا ہے حضرت نے فرمایا ہاں ایسا ہی ہے حضرت مجدد صاحب نے بھی لکھا ہے مولانا حبیب الرحمن صاحب نے عرض کیا کیا حضرت مجدد صاحب نے یہ لکھا ہے کہ کبھی نفس غالب آئے کبھی بندہ نفس پر غالب آئے۔ فرمایا کہ مجدد صاحب نے یہ تو نہیں مگر یوں تحریر فرمایا ہے کہ جب انسان کی اصلاح ہو جاتی ہے تو بعض اوقات وہ اتنا اونچا چلا جاتا ہے کہ اس کا ظاہر بھی اس کے باطن کو نہیں پا سکتا اس میں شبلی رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کیا ہے کسی نے شیخ شبلی سے پوچھا کہ آپ عشق کا دم بھرتے ہیں جس کا اثر دبلا پن ہونا زرد رنگی وغیرہ ہونا چاہیے تھا مگر آپ کا جسم موٹا تازہ ہے اس کا جواب دیا ہے کہ بعض

اوقات ایسے انسان کا ظاہر اس کے باطن کو نہیں پاسکتا۔ یعنی باطنی حالات کا اثر جسم پر ظاہر نہیں ہوتا جس طرح حدیث میں آیا ہے کہ جب کوئی ایک برائی کرتا ہے دل پر ایک سیاہ نقطہ پڑ جاتا ہے تو ایسے صاحب کمال کا باطن اتنا اونچا چلا جاتا ہے کہ اگر اس کے ظاہر سے کوئی بات سرزد ہوجائے تو اس کے باطن پر اس کا اثر نہیں ہوتا یہ لغزش ان سے عام لوگوں کی طرح سرزد نہیں ہوتی۔ بلکہ اس میں اور لوگوں کے کام میں زمین آسمان کا فرق ہوجاتا ہے یا دوسری صورت یہ ہے کہ کامل سے کوئی لغزش اس وجہ سے ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے کسی انتظام میں ڈالتا اور کام لیتا ہے جس میں افراط و تفریط ہونا بھی ہے جس طرح حضرت سہارنپوری بہت صاحب کمال تھے مگر مدرسہ کے انتظام ان سے وابستہ تھے اب اس میں کوئی کمی زیادتی ہونا بشری بات ہوتی ہے تو اگر کوئی لغزش ہوئی اور متنبہ ہوا تو صاحب کمال اس پر اتنا توبہ کرتا ہے کہ یہ لغزش اس کی اور ترقی کا موجب ہوجاتی ہے کیونکہ وہ محسوس کرتا ہے کہ کوئی نیکی خدا کی توفیق کے بغیر اور کسی برائی سے بچنا اس کے بچائے بغیر نہیں۔ میں عاجز ہوں تو یہ عاجزی اکسیر کا کام دیتی ہے اور اس کی یہ لغزش خواہ غصّہ کے ظاہر ہونے سے ہو مگر عام لوگوں کی طرح نفسانیت نہیں ہوگی اس پر بھی کمی زیادتی جو بے نفسی سے ہوتی ہے اس میں اپنی عاجزی محسوس کرکے جو گڑگڑانا ہوگا یہ گناہ بھی نہ ہوا اور پھر عام آدمیوں کو گناہوں پر بھی وہ احساس عجز نہیں ہوتا جو ان کو اپنی اس بے گناہی کی لغزش پر ہوا۔ تیسری شکل اور ہے وہ یہ کہ بعض بشری امور کے سرزد ہونے سے لوگ اس بزرگ کو عام آدمی سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ جس کو ہم بڑا بزرگ سمجھتے تھے کچھ نہیں عامیوں کی طرح ہے تو یہ عامی ہونا کوئی گناہ تو ہے نہیں۔ مگر ان کی نظر میں ایک پردہ اللہ نے اس بزرگ کے کمال پر ڈال دیا کیونکہ اللہ کو اس بزرگ کی صحبت سے ان لوگوں

کو فیض یاب نہیں کرنا مطلوب۔ کیونکہ ان میں کوئی اندرونی عیب اور عیب جوئی کا مرض ہے تو وہ اس سے فیض یاب نہیں ہو پاتے اور جو باطن سے واقف ہے یا اس کو اعتراض نہیں اٹھتا وہ اس بزرگ کی صحبت سے ضرور فیض پاتا ہے کسی نے پوچھا جی غالباً آزاد صاحب نے کہ اس بزرگ سے وہ لوگ فیض یاب ہونے سے رک گئے ایسا پردہ کیوں ڈال دیا گیا فرمایا یہ اللہ کی مصلحت ہے جن کو اس بزرگ سے فیض یاب نہیں کرنا ان کی نظر میں پردہ ڈال دیا باقی جس کو اعتراض نہ اٹھا یا وہ باطن سے واقف ہو گیا وہ فیض یاب ہو گیا۔ کوئی ضروری نہیں کہ کسی بزرگ سے سب فیض یاب ہی ہوں البتہ پیغمبر سے فیض پانے کے زیادہ راستے کشادہ رہتے ہیں وہاں بھی جن کو فیض یاب نہ کرنا ہو گو ان کے کسی قصور فہم اور استعداد کی بنا پر ایسا ہوتا ہے وہ محروم رہتے ہیں ان حکمتوں پر ہم کیا کہہ سکتے ہیں۔

---

۴ رمضان المبارک ۱۳۷۰ھ مطابق ۱۰ جون ۱۹۵۱ء رائے پور

مولانا عبداللہ صاحب نے دریافت کیا کہ بعض بزرگوں نے فرمایا ہے کہ دو دن اگر ایسے گزر جائیں کہ یکساں ہوں اور دوسرے میں پہلے دن کی نسبت کچھ ترقی نہ ہو تو خسارہ سمجھنا چاہیئے تو یہ ترقی اعمال میں ہے یا کسی اور بات میں حضرت والا نے فرمایا کہ ہاں اعمال میں بھی مثلاً آج دو رکعت پڑھیں تو کل کو چار پڑھنے کا ولولہ ہوا اور کیفیات و قرب بھی مراد ہو سکتا ہے مگر آپ ان فکروں میں نہ پڑیں اپنا کئے جائیں۔

۱۰،۱۱ رمضان المبارک ۱۳۷۰ھ مطابق ۱۶،۱۷ جون ۱۹۵۱ء رائے پور

لکھنؤ کے ایک مولوی صاحب نے تصرف کے متعلق دریافت کیا کہ تصرف سے کیسے بچا جائے بعض بے شرع لوگ اور دعوت تبلیغ سے اتفاق نہ رکھنے والے جب ان سے دعوت پر بات کی جائے تو تصرف سے کام لیتے ہیں جس کا اثر ہو جاتا ہے حضرت نے فرمایا کہ بچنے کا طریقہ یہی ہے کہ ان سے نہ ملا جائے یا ان سے زیادہ قوی خیال آدمی کا ہو۔ مولانا حبیب الرحمن صاحب نے عرض کیا کہ بعض اوقات آدمی اپنے توہمات کا شکار ہو جاتا ہے اور سمجھتا ہے کہ مجھ پر تصرف ہوا حالانکہ مخاطب نے تصرف نہیں کیا ہوتا حضرت نے فرمایا ایسا بھی ہوتا ہے راؤ عطاء الرحمن صاحب نے کہا کہ ذرا آدمی مضبوط ہو کر جم جائے پھر تصرف والا چاہے کتنا کرے ایک نے ذکر کیا کہ اگر نہ ملا جائے تو پھر دعوت کیسے دے حضرت نے فرمایا کہ ایسوں کو دعوت دینے مت جاؤ کوئی اور اللہ کا بندہ ہو جائے گا کوئی ضروری نہیں کہ آپ ہی دعوت دیں۔ کسی نے ذکر کے آثار کے متعلق دریافت کیا فرمایا یہی کہ فضول خواہشیں کم ہوں اور اللہ کے ذکر کے سوا اور چیزوں سے جی چھوٹ کر ذکر میں لگنے لگے۔ ذکر کے بعد اگر اللہ تعالیٰ اس صاحب نسبت سے جو ذاکر ہے کوئی کام لینا ہوتا ہے تو طبیعت میں اس کے لیے میلان یا الہام وغیرہ ہو جاتا ہے ورنہ ذاکر تلاوت یا اور کسی عبادت میں لگے رہتے ہیں دراصل وہی وقت تبلیغ کا ہوتا ہے جب اللہ ذکر سے لوٹا کر ادھر کو میلان ڈالے یا الہام فرمائے جیسے حضرت خواجہ معین الدین اجمیریؒ یا اور حضرات کو حکم فرمایا یا میلان ڈالا تو انہوں نے جم کر قیام کیا اور لوگ ان سے فیض یاب ہوتے

۱۵ر رمضان المبارک ۱۳۷۰ھ مطابق ۲۱ر جون ۱۹۵۱ء

راؤ عطاء الرحمٰن خانصاحب نے حضرت والا کی خدمت میں عرض کیا کہ ان الذین امنوا والذین ھادوا والنصٰرٰی والصٰبئین من امن باللہ الخ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جو لوگ یہودی عیسائی صابی ہیں وہ بھی اگر اللہ اور قیامت پر ایمان لے آئیں اور نیک کام کریں تو ان کی نجات ہو جائے گی اور گاندھی جی کے متعلق مشہور ہے کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی منجملہ اور پیغمبروں کے سچا پیغمبر اور قرآن پاک کو خدا کا کلام سمجھتے تو ان کی نجات پر کیا اشکال ہے اس پر حضرت اقدس نے یہ فرمایا کہ اگر دوسری آیات ان عام معنی کو مقید نہ کرتیں تو اس آیت کے یہ معنی ہو سکتے تھے

اس آیت میں جو مطلق پن پایا جاتا ہے اور دوسری آیات میں ایسا مضمون ہے جس سے اس پر قید لگانی پڑتی ہے اس لیے اس آیت پاک کے یہی معنی بنتے ہیں کہ یہودی عیسائی صابی جو ایمان لاتے اپنے زمانہ شریعت میں یا ایمان کے متعلق یہ ہو اللہ قیامت اور پیغمبروں پر سب پر ایمان لانا مراد ہے اور اس کے بغیر سب کچھ ٹھیک جاننا یہ اسلام کہلاتا نہیں ہے اور یہ بھی قرآن پاک میں آیا ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ وھو فی الاٰخرۃ من الخاسرین (الآیہ)

۲۸ر رمضان المبارک ۱۳۷۰ھ مطابق ۴ر جولائی ۱۹۵۱ء رائپور

حضرت والا کی خدمت میں روح کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا کہ جو انسان کہلاتا ہے

اس میں سے موٹے اجزاء تو بول و براز بن جاتے ہیں اور باقی میں سے جیسا اطباء نے تشریح کی ہے پت، سودا، بلغم اور سب سے زیادہ اچھا جزو خون بنتا ہے اور خون کی بھاپ مجموعہ ایک روح ہے جس کو روح حیوانی کہتے ہیں یہ اصل انسانی روح کا گھوڑا ہے انسانی روح کی تعریف یہ کرتے ہیں کہ وہ جزئیات و کلیات کا ادراک کرتی ہے یوں کہہ لو کہ حیوانات کو جو خصائص ملتے ہیں وہ حیوانی روح کے باعث ہیں مگر حیوانات اپنے دائرہ خصائص سے آگے ترقی نہیں کر سکتے مگر انسان جزئیات سے کلیات کا استنباط کرتا اور ہر میدان میں ہمیشہ ترقی کرتا رہتا ہے روحِ انسانی جو ہر لطیفہ سے ہے بلکہ یوں کہیے کہ سب مخلوقات میں سب سے زیادہ جامع ہے اور یہی اس کی فضیلت اور خصوصیت ہے۔
